حیاتِ احتشام

حافظ محمد اکبر شاہ بخاری

گوشۂ ادب
اردو بازار لاہور

[library stamp]

حیاتِ اِحتشامؒ

سوانح

خطیب پاکستان حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ

(مولف)

حافظ محمد اکبر شاہ بخاری

ناشر

گوشہ ادب

اردو بازار۔ لاہور

TECHNICAL SUPPORT BY
CHUGHTAI
PUBLIC LIBRARY

MASOOD FAISAL JHANDIR LIBRARY
Acc No. 65895
★ MAILSI ★

Masood Faisal Jhandir Library

نام کتاب .... حیاتِ اِحتشام

مولف .... حافظ محمد اکبر شاہ بخاری

کمپیوٹر کتابت .... محمد عاصم

تعداد اشاعت 1100

طابع و ناشر .... محمد عاصم۔ گوشۂ ادب۔ لاہور

مطبع .... حفیظ پریس

قیمت ....

۹۲۲
ح ۳۱۵ م

فہرست حیات احتشامؒ

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
1	پیش لفظ (از مفتی عبدالشکور ترمذی)	1
2	تقریظ (از جسٹس محمد تقی عثمانی)	5
3	حرف آغاز	8
4	خاندانی حالات	8
5	ولادت و تعلیم	10
6	خانقاہ اشرفیہ تھانہ بھون	11
7	مظاہر العلوم سہارنپور میں داخلہ	12
8	مرکز علوم اسلامیہ دیوبند کا تعارف	12
9	دارالعلوم میں دورہ حدیث	15
10	ممتاز اساتذہ کرام	16
11	تبلیغی و اصلاحی خدمات	17
12	جامع مسجد نئی دہلی میں خطابت	17
13	مجلس دعوۃ الحق کا پروگرام	18
14	عالمی تبلیغی دورے	19
15	تحریک آزادی اور مولانا تھانویؒ	20
16	پاکستان کا اولین نقشہ	21
17	قائد اعظم کی دینی تربیت	22
18	دو قومی نظریہ پاکستان	23
19	تحریک پاکستان میں عظیم خدمات	24
20	قائد اعظم کی نظر میں علماء کا مقام	25
21	جمعیت علماء اسلام کا قیام	27
22	لیگ کے حق میں طوفانی دورہ	28
23	سلہٹ و سرحد ریفرنڈم	29
24	جشن آزادی میں شرکت	30
25	مہاجرین کی آباد کاری	31
26	کراچی میں مستقل سکونت	32
27	دستور اسلامی کیلئے عظیم جدوجہد	32
28	قرار داد مقاصد	34
29	تعلیمات اسلامی بورڈ	36
30	تاریخی بائیس نکات	38
31	نظام اسلام کانفرنس	41
32	وزراء علماء مذاکرات	42
33	دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈو اللہ یار	44
34	جامع مسجد جیکب لائن کراچی	46
35	وفاق المدارس العربیہ پاکستان	48
36	تحریک ختم نبوت میں اہم کردار	50
37	رویت ہلال کمیٹی کا قیام	53
38	مولانا کا کلمہ حق اور گرفتاری	55
39	زندان کی کہانی مولانا ہی کی زبانی	57
40	کراچی میں معرکۃ الآراء تقریر	62
41	راولپنڈی میں خطاب	68
42	ارباب اقتدار کے سامنے کلمہ حق	73

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
43	لادینی تحریکات کے خلاف جہاد	75
44	عائلی کمیشن کے خلاف مزاحمت	76
45	پرویزی و مشرقی فتنہ کی سرکوبی	77
46	ڈاکٹر فضل الرحمن کے فتنہ کا سدباب	78
47	سوشلزم کے خلاف تحریک	79
48	علمائے حق کا فتویٰ	81
49	فتویٰ کی اہمیت وافادیت	82
50	مولانا تھانویؒ کا انٹرویو	84
51	معاشی اصلاحات کا ۲۲ نکاتی خاکہ	88
52	مرکزی جمعیت علماء اسلام کا احیاء	88
53	مجلسِ شوریٰ میں خطاب	91
54	مولانا تھانویؒ بحیثیت قائد جمعیت	94
55	مولانا کے طوفانی دورے	96
56	پشاور جلسہ عام	96
57	ملتان میں اتحاد کانفرنس	97
58	ڈیرہ غازی خان میں عظیم الشان جلسہ عام	98
59	بہاولپور میں علماء کانفرنس	99
60	مرکزی جمعیت سرگودھا ڈویژن کانفرنس	99
61	فیصل آباد میں جلسہ عام	100
62	لاہور میں عظیم الشان جلسہ عام	100
63	مولانا کا تاریخی خطاب	103
64	نظام اسلام کانفرنس ڈھاکہ	107
65	چٹاگانگ میں مولانا کی تقریر	108
66	حیدر آباد سندھ میں دورہ	108
67	سکھر میں سیرت کانفرنس	109
68	ڈیرہ اسماعیل خان میں مولانا کا خطاب	109
69	مولانا تھانویؒ کی ریڈیائی تقریر	109
70	سقوطِ مشرقی پاکستان	113
71	بنگلہ دیش کے خلاف تحریک	114
72	مولانا کی اہم تقریر	116
73	مولانا کے سیاسی افکار و نظریات	119
74	استحکامِ پاکستان کیلئے مساعی	124
75	مسلک دیوبند کی وضاحت	126
76	بعض اہم دینی و تبلیغی اجتماعات	128
77	جامعہ اشرفیہ لاہور میں خطاب	128
78	جامعہ خیرالمدارس ملتان میں اہم تقریر	130
79	دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں خطاب	133
80	دارالعلوم ٹنڈو الہ یار میں علماء کانفرنس	136
81	دارالعلوم کراچی میں تعزیتی خطاب	137
82	دوروزہ شریعت کانفرنس ملتان	138
83	کراچی میں شیخ الاسلام پاکستان کانفرنس	138
84	مجلس صیانۃ المسلمین کے سالانہ اجتماعات	139
85	نشتر پارک کراچی میں عیدین کے اجتماعات	140
86	مرکزی جمعیت علماء اسلام کا کنونشن	141
87	نظام اسلام پارٹی کی صدارت	142
88	علمی و تصنیفی خدمات	143
89	روزنامہ جنگ میں تفسیر قرآن کی اشاعت	143
90	سندھی زبان میں اشاعت	145

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
91	خطبات و مکتوبات	145
92	تالیفات و مقالات کا مختصر جائزہ	146
93	ریڈیو پاکستان سے درسِ قرآن	148
94	درسِ قرآن کی خصوصیات	149
95	مولانا تھانویؒ بحیثیت مفسرِ قرآن	150
96	مولانا کی فقہی بصیرت	152
97	مولانا تھانویؒ بحیثیت خطیب	153
98	دلکش اندازِ خطابت	157
99	وجد آفرین قرات	161
100	اوصاف و کمالات	161
101	سراپا حسن و جمال	164
102	اخلاق و عادات	164
103	زہد و تقویٰ و طہارت	165
104	شانِ استغناء اور عالی ظرفی	166
105	امیر و غریب سے یکساں سلوک	168
106	فہم و فراست اور علمی وسعت	169
107	اولوالعزمی و ثابت قدمی	170
108	شفقت و محبت	171
109	حق گوئی و بیباکی	172
110	نفاست و لطافت	173
111	وسعتِ نظری و بلندی فکری	174
112	عزم و استقلال	175
113	صبر و تحمل اور جرات و استقامت	175
114	صبغتہ اللہ دینی خدمت	176
115	حج و زیارت حرمین شریفین	177
116	عشقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم	178
117	سلوک و تصوف	180
118	حکیم الامتؒ سے اصلاحی تعلق	181
119	اجازت و خلافت	185
120	مشاہدات و تاثرات و واقعات	185
121	کریم النفس	186
122	مسلکِ دیوبند کے ترجمان	188
123	خطیبِ پاکستان	190
124	ایک تاریخ ساز شخصیت	194
125	علماءِ حق کی زینت	195
126	ایک دلنواز شخصیت	198
127	چند باتیں چند یادیں	200
128	ایک روشن دماغ عالم	203
129	خطیبِ اسلام	206
130	آفتابِ علم و عمل	208
131	اسلاف کی آخری یادگار	209
132	دارالعلوم دیوبند کے نامور سپوت	211
133	مولانا تھانویؒ اور اکابر علماءِ کرام	212
134	حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ	213
135	شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی	213
136	مولانا سید حسین احمد مدنی	214
137	مولانا ظفر احمد عثمانی	214
138	علامہ سید سلیمان ندویؒ	215

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر	نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
139	مولانا مفتی حسن امرتسریؒ	215	151	کراچی سے دہلی روانگی	225
140	مولانا خیر محمد جالندھریؒ	215	152	دہلی میں تبلیغی مصروفیات	225
141	مولانا محمد شفیع دیوبندیؒ	217	153	سیرت کانفرنس مدراس میں آخری خطاب	226
142	مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ	218	154	آخری تقریر کے چند جملے	227
143	مولانا محمد یوسف بنوریؒ	218	155	آخری درسِ قرآن	228
144	مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ	219	156	وفات حسرت آیات	228
145	علامہ شمس الحق افغانیؒ	219	157	جسدِ خاکی کی کراچی واپسی	229
146	ملفوظات وارشادات	219	158	تجہیز و تدفین کا دلدوز منظر	230
147	چند اشعار ورُباعیات	221	159	علماء اُمت کا خراجِ تحسین	231
148	چند اہم مکتوبات	222	160	قومی صحافت کا خراجِ تحسین	237
149	دارالعلوم دیوبند کی صد سالہ تقریبات	224	161	منظوم خراجِ عقیدت	244
150	مولانا کو خصوصی دعوت	225	162	تاریخہائے وفات	250

بسمہ اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

از مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذی مدظلہ

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم۔۔ ____________ امابعد۔۔۔۔

خطیب پاکستان مفسرِ قرآن حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت گوناگوں کمالات اور اوصاف کے اعتبار سے ایک جامع اور ہمہ اوصاف شخصیت تھی وہ ایک نامور جید عالم دین اور بے مثل خطیب تھے۔ خاندانی اعتبار سے اور نسبی حیثیت سے بھی مولانا کو اعلیٰ درجہ کی شرافت حاصل تھی اور تلمذ وارادت کے لحاظ سے بھی مولانا کا روحانی رشتہ اپنے زمانہ کے مشاہیر علماء کرام اور مشائخ عظام سے قائم تھا۔

مولانا نسبی طور پر قصبہ کیرانہ ضلع مظفر نگر بھارت کے صدیقی خاندان سے تعلق رکھتے تھے والدِ ماجد کا نام اسمِ گرامی مولانا ظہور الحق صاحبؒ تھا جن کو حضرت حکیم الامت مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ سے تعلق تلمذ کے ساتھ شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی مہاجر مکی قدس سرہ سے شرفِ بیعت حاصل تھا مولانا کی والدہ ماجدہ حضرت حکیم الامت قدس سرہ کی علاتی بہن تھیں اور وہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ سے بیعت تھیں، مولانا کی شادی حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے حقیقی بھائی منشی اکبر علی صاحب مرحوم کی حقیقی نواسی سے تھانہ بھون میں ہی ہوئی تھی اور مولانا نے تھانہ بھون کو ہی اپنا وطن بنانے کا عزم کر لیا تھا۔ تھانہ بھون کے ساتھ گوناگوں روحانی اور جسمانی رشتوں کی وجہ سے مولانا "کیرانوی" کی بجائے "تھانوی" کہلائے اور اپنی اس محبوب نسبت کے ساتھ مشہور تھے، مولانا نے میرٹھ اور سہارنپور میں ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد دارالعلوم دیوبند میں آٹھ سال تک قیام کر کے وہاں کے اساتذہ کرام شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا اعزاز علی امروہیؒ، مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ اور مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ وغیرہ مشہور اہلِ فضل وکمال اور اکابرِ اُمت سے علم تفسیر فقہ وحدیث اور دوسرے تمام علومِ مروجہ کی درسِ نظامی کے مطابق تکمیل کے بعد اعلیٰ درجہ میں سندِ فراغت حاصل کی۔

مولانا تھانوی مرحوم عام خطیبوں اور مقررین کی طرح ایک مقرر اور خطیب ہی نہیں تھے بلکہ دارالعلوم دیوبند کے سند یافتہ ممتاز فاضل اور علوم دینیہ میں مکمل مہارت اور فقاہت کے حامل اور ایک

حق گو جید عالم دین بھی تھے۔ حضرت حکیم الأمت تھانویؒ مولانا مرحوم کے حقیقی ماموں بھی تھے اور روحانی مربی بھی، مولانا نے اپنا اصلاحی اور تربیت روحانی کا رشتہ حضرت حکیم الأمت تھانویؒ سے ہی قائم کیا تھا اور حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کی طرف سے تکمیلِ سلوک کے بعد مجازِ بعیت ہوئے۔ مولانا مرحوم بعیت وارادت کے رشتہ کے علاوہ سیاسی مسلک میں بھی حضرت حکیم الأمت تھانویؒ کے مسلک کے ہمنوا تھے اور دو قومی نظریہ و تحریک پاکستان کے بڑے سختی کے ساتھ حامی تھے۔ مولانا مرحوم کی پوری سیاسی زندگی دو قومی نظریہ اور پاکستان کی نظریاتی سرحدوں کے تحفظ کے گرد گھومتی نظر آتی ہے وہ اس سلسلہ میں کسی قسم کی مفاہمت اور رواداری کے قائل نہیں تھے۔ مولانا کو اپنے اس نظریے کی صداقت پر سختی سے اصرار تھا ہر اس شخص اور جماعت سے مولانا کو سخت اختلاف رہا جس کے بارہ میں اس نظریہ کی مخالفت کا ادنیٰ شبہ بھی اُن کو ہو گیا پھر اس اظہارِ اختلاف میں بھی مولانا مرحوم نے کبھی کسی کی رعایت نہیں کی اور اپنے پرائے کا بھی کوئی امتیاز روا نہیں رکھا جس مؤقف کو صحیح سمجھا بلا خوف لومۃ لائم اسکے اعلانیہ اور برملا اظہار کو مولانا نے اپنا شعار بنائے رکھا۔

مولانا مرحوم ابتداء سے ہی حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی قائم کردہ مجلس دعوۃ الحق کے مبلغ کی حیثیت سے دہلی میں تحریک پاکستان کے عمائدین اور زعماء لیگ کو پاکستان کے اصل مقصدِ قیام اور اس کی روح نظام اسلام کی طرف متوجہ کرتے رہے پھر قیام پاکستان کے بعد مولانا مرحوم کو شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی معیت کا شرف حاصل رہا اور دستورِ اسلامی کی مہم میں حضرت شیخ الاسلام علامہ عثمانی کے معتمد خصوصی کے طور پر کارہائے نمایاں انجام دینے کے مواقع میسر آتے رہے۔

مجمع عام میں، تقریر و خطابت کی جو بے نظیر صلاحیت اور قابلیت اللہ تعالیٰ نے مولانا مرحوم کو عطا فرمائی تھی اس کا مشاہدہ تو عام جلسوں اجلاسوں میں ہر خاص و عام کو ہوتا رہتا تھا مگر خاص مجلسوں اور محفلوں میں خاص طور پر اونچی سوسائیٹوں میں مولانا کا اندازِ گفتگو اور طرزِ بیان قابلِ دید ہوتا تھا۔ مولانا اپنے مدعا کو ایسے طریقہ سے پیش کرتے تھے کہ بڑے بڑے معاند اور مخالف کو بھی سوائے سکوت کے اور کوئی راستہ نظر نہیں آتا تھا ایسی مجالس میں مولانا کی ذہانت حاضر جوابی برجستگی اور نکتہ آفرینی کا خوب خوب ظہور ہوتا تھا پھر مخاطب کے مزاج و مذاق کی رعایت کے ساتھ اپنے مؤقف کی پختگی میں سرِ مو فرق نہیں آنے دیتے تھے تمام گفتگو میں چہرے پر مسکراہٹ اور بشاشت از اول تا آخر یکساں طور پر قائم رہتی تھی، مولانا مرحوم اپنے اس مخصوص طرز گفتگو اور ملکہ تفہیم کی بدولت بھی تمام علماءِ کرام کی جماعت میں امتیازی شان کے حامل تھے اور دستور اسلام اور اسی طرح کے دوسرے دینی مسائل کے سلسلہ میں منعقد ہونے والی اونچے طبقے کی مجلسوں میں مولانا مرحوم نے ہمیشہ علماءِ حق کے ترجمان کی حیثیت سے

کام انجام دیا اور علماء کرام کے وفود کے لئے رابطہ کا فرض ادا کرتے رہے، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، علامہ سید سلیمان ندویؒ، مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ، مولانا مفتی محمد شفیع دیو بندیؒ، مولانا خیر محمد جالندھریؒ، مولانا رسول خان ہزارویؒ، مولانا اطہر علی سلہٹیؒ اور مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ وغیرہ تمام اکابر علماء نے نظام اسلام کیلئے اپنی کوششوں میں مولانا احتشام الحق تھانویؒ پر پورا پورا اعتماد فرمایا اور نظام اسلام کی تحریک سے وابستگی رکھنے والے سب بزرگوں نے مولانا تھانویؒ مرحوم کی مساعی جمیلہ اور انتھک کوششوں کو ہمیشہ قدر و عظمت کی نگاہ سے دیکھا۔

مولانا تھانوی مرحوم کے مراسم و تعلقات حکومت کے اعلیٰ طبقہ کے ساتھ قائم ہوتے تھے مگر اس کے باوجود جب کبھی حکومتِ وقت کی طرف سے کوئی ایسا اقدام ہوتا تھا جو مولانا کی نظر میں قابلِ گرفت ہوتا تھا تو مولانا مرحوم اپنے ذاتی تعلقات سے بے نیاز اور بے پرواہ ہو کر بڑی صفائی کے ساتھ اس پر گرفت کرتے تھے اور اظہارِ حق کے معاملہ میں کسی قسم کی رد رعایت کو روا نہیں رکھتے تھے اس کا اظہار مولانا کے سیاسی اور ملی بیانات کے ذریعے ہر دورِ حکومت میں ہوتا رہا تھا۔ پاکستان کے سب سے پہلے وزیر اعظم خان لیاقت علی خان مرحوم نے اکتوبر ۱۹۵۰ء میں پاکستانی دستوریہ کی بنیادی حقوق اور بنیادی اصولوں کی سفارشات کے بارہ میں تقریر کرتے ہوئے جب یہ کہا کہ ان کمیٹیوں کی سفارشات اسلامی اصولوں پر مبنی ہیں اور معترضین کو دعوت دی کہ وہ اسلامی اصولوں پر مبنی سفارشات پیش کر کے دکھائیں تو مولانا احتشام الحق تھانویؒ نے ان سفارشات پر سخت تنقید کی اور ان کے خلاف ایک تفصیلی بیان جاری کیا اور اس کے ساتھ ہی مشرقی اور مغربی پاکستان کے مختلف مکاتیب فکر کے جید علماء کرام اور مشاہیرِ ملت کا اپنی قیام گاہ پر اجتماع بلا کر جنوری ۱۹۵۱ء میں اسلامی حکومت کے بائیس بنیادی اصولوں کو متفقہ طور پر منظور کرا کر اس وقت کے وزیر اعظم کے چیلنج کا عملی جواب مہیا کر دیا اور ایک ایسا عظیم کارنامہ سرانجام دیا جو تاریخ میں سنہری حروف سے لکھا جائیگا۔ مولانا نے جو تفصیلی بیان دیا اس کے بعض فقرے ملاحظہ فرمایئے۔

"پاک دستوریہ کے حالیہ اجلاس میں جو دستور سازی کی حیثیت سے منعقد ہوا تھا، ملتِ اسلامیہ کے طویل انتظار کے بعد بنیادی اصولوں اور بنیادی حقوق کی کمیٹیوں کی سفارشات پیش ہوئیں جن سے اربابِ دستوریہ کا سمتِ قبلہ معلوم ہو گیا۔۔۔۔۔۔ افسوس ہے کہ پاک دستوریہ نے دیدہ دانستہ اس بنیادی مقصد سے گریز کر کے پوری قوم کی ایثار پیشگی اور قربانیوں کو ہمیشہ کیلئے خاک میں ملا دیا اور اپنے عہد و پیمان کی صریح خلاف ورزی کر کے بدترین قسم کی خیانت اور غداری کا ثبوت دیا ہے نہ صرف یہ کہ پاکستان کے مسلمانوں کے ساتھ غداری کی ہے بلکہ قرار دادِ مقاصد کو منظور کر لینے کے بعد

خود اسلام اور کتاب وسنت کے ساتھ بھی خیانت کی گئی ہے"

اسی طرح حکومتِ پاکستان نے ۴ اگست ۱۹۵۵ء کو ازدواجی اور عائلی امور کے لئے ایک کمیشن کا اعلان کیا، مولانا تھانوی مرحوم اس کمیشن کے واحد عالم دین رکن تھے اس کمیشن کی رپورٹ کا وہ مسودہ جب مولانا کو موصول ہوا جو کمیشن کے اراکین کی رائے معلوم کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا تو مولانا نے اس رپورٹ کو اسلام کے مسلمان اور شریعتِ اسلامیہ کی بنیادوں کو مجروح کرنے کی ناکام کوشش قرار دیتے ہوئے قطعی طور پر مسترد کرنے کی سفارش کی اور اپنے اختلافی نوٹ میں اس پر مفصل تبصرہ فرما کر واضح فرمادیا کہ یہ رپورٹ نہ تو شریعت ہی کی موافق ہے اور نہ ہی عقل کے موافق ہے اور کمیشن نے موجودہ قوانین کو اسلام کے مطابق ڈھالنے کے بجائے اسلام کو اپنے خیالات کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی ہے، مغربیت سے مرعوب یورپ زدہ طبقہ نام نہاد اجتہاد کے نام پر قرآن و حدیث کے مفہوم و مطلب میں تحریف و تبدیل کرنے کی کوشش ہمیشہ سے کرتا آیا ہے اس رپورٹ میں بھی اس تجدد پسند طبقے نے اپنے اسی ناروا اجتہاد سے کام لیا ہے، یہ اختلافی نوٹ چالیس سے بھی زائد صفحات پر مشتمل ہے اور ماہنامہ الصدیق ملتان بابت ماہ صفر المظفر ۱۳۷۶ھ میں شائع ہوچکا ہے جو کہ مولانا مرحوم کی دقت نظر اور فقہی بصیرت کا شاہکار اور ذہانت و ذکاوت اور وسعتِ معلومات کا آئینہ دار ہے۔

بہر حال مولانا تھانوی مرحوم نے قیام پاکستان کی ابتداء سے استحکام پاکستان اور نظام اسلام کے لئے جو قابلِ قدر خدمات انجام دیں وہ ناقابلِ فراموش ہیں وہ ہمیشہ حق بات کا اظہار فرماتے تھے قطع نظر اس سے کہ وہ بات کسی شخص یا جماعت کی مخالفت میں ہے یا حمایت میں۔ مصلحت بینوں کی وجہ سے حق بات کے اعلان نہ کرنے کو مولانا مرحوم مداہنت سمجھتے تھے آپ اپنی پوری زندگی میں اسی اصول پر کاربند رہے اور دوسرے اہلِ علم سے بھی وہ اسی اصول پر عمل کرنے کے خواہشمند رہا کرتے تھے وہ حق و باطل کو صحیح اصولوں پر پرکھنے کے عادی تھے عوامی مقبولیت کے معیار سے ماپنے کے قائل نہ تھے ہمیشہ حق و صداقت کے علمبردار رہے اور آخر وقت تک تبلیغ دین میں معروف رہے۔ اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کی ساعیٔ جمیلہ اور خدماتِ جلیلہ کا اجر عظیم عطا فرمائیں اور جنت الفردوس میں اپنے قرب خاص سے نوازیں۔ آمین

زیر نظر کتاب "حیاتِ احتشام" ہمارے عزیز مکرم حافظ محمد اکبر شاہ بخاری سلمہ نے بڑی محنت اور عرق ریزی سے مرتب کی ہے جس میں مولانا تھانوی مرحوم کے حالاتِ زندگی اور خدماتِ جلیلہ کا مفصل اور جامع تذکرہ کیا گیا ہے اور ماشاء اللہ یہ بہت اچھا مجموعہ بن گیا ہے جو قابلِ تحسین کارنامہ ہے

اِس سے قبل بھی عزیز سلمہ کی متعدد تالیفات منظرِ عام پر آچکی ہیں جن میں "اکابر علماء دیوبند" سیرت عثمانی، ذکرِ طیبؒ، "مفتی اعظم پاکستان سیرتِ بدر عالمؒ، سوانح خلیلؒ، تذکرہ خطیب الامتؒ، ذکرِ خیر محمدؒ، تحریک پاکستان اور علماء دیوبند، تذکرہ شیخ الاسلام پاکستان، ذکرِ متین، اور حیاتِ مالکؒ، نہایت ہی مفید تالیفات ہیں، اللہ تعالیٰ عزیز سلمہ کو اسکی جزائے خیر عطا فرمائیں اور اِس زیر نظر کتاب "حیاتِ احتشام" کو بھی دوسری کتابوں کی طرح متعلقین کے لیئے نافع و مفید بنائیں۔ آمین ثم آمین۔

فقط
سید عبدالشکور ترمذی عفی عنہ
مہتمم مدرسہ عربیہ حقانیہ
ساہیوال ضلع سرگودھا

تقریظ

از علامہ جسٹس محمد تقی عثمانی مدظلہ

خطیب پاکستان حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی نور اللہ مرقدہ کی ذات گرامی پاکستان کی ایک تاریخ تھی وہ ان علماء کرام میں سے تھے جو قیام پاکستان کی جدوجہد میں شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ شریک رہے اور قیامِ پاکستان کے بعد جیکب لائن میں ان کی مسجد اور ان کا مکان مسلسل دینی اور سیاسی سرگرمیوں کا مرکز بنا رہا۔ ایک زمانے تک شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، حضرت والدِ ماجد مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ، حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ، حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحبؒ، حضرت مولانا بدر عالم صاحبؒ، حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ اور دوسرے اکابر علماء کی مشاورت اکثر و بیشتر انہی کی قیام گاہ پر ہوتی رہی۔ مولانا نظریہء پاکستان اور دو قومی نظریے کے زبردست منادتھے وہ کٹر پاکستانی تھے اور اس معاملے میں اُنھوں نے کبھی کسی مداہنت یا مصالحت کو گوارا نہیں کیا اُنھوں نے شرعی کام کی تشریح کے سلسلے میں بھی ہمیشہ تصلب کا مظاہرہ فرمایا اور شریعت میں تحریف و ترمیم کی کسی کوشش و سازش کو قبول نہیں کیا۔ ۱۹۵۱ء میں اکتیس علماء کا جو شہرہ آفاق اجتماع ہوا اور اس میں تمام مکاتبِ فکر کے علماء نے متفق ہو کر ملک کے بائیس دستوری نکات مرتب کئے نیز ۱۹۵۳ء میں انہی علماء کے جس اجتماع نے جو دستوری ترمیمات مرتب کیں وہ ملک میں دینی جدوجہد کی تاریخ کا انتہائی اہم واقعہ تھا ان دونوں اجتماعات کے داعی مولانا تھے اور یہ زیادہ تر مولانا ہی کی مساعی کا نتیجہ تھا۔ عائلی قوانین پر غور کرنے

کیلئے ابتدا ًجو کمیشن قائم ہوئے اس میں مولانا تنہا ایک عالم دین تھے جنھوں نے اس میں حق گوئی کا پورا حق ادا کیا چنانچہ ان کا اختلافی نوٹ تاریخی حیثیت اختیار کر گیا۔ فیلڈ مارشل محمد ایوب خان کے عہدِ حکومت میں وہ ڈاکٹر فضل الرحمن کے نظریات کے خلاف ڈٹ گئے اور اخبارات کے ذریعے تحریف و ترمیم کے اِس فتنے سے خبردار کیا، رویت ہلال کے مسئلے میں اُنھوں نے ہمیشہ شریعت کے مطابق جرات مندانہ مؤقف اختیار کیا اس پاداش میں قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں۔

۱۹۷۰ ء کے انتخابات کے موقع پر ملک میں سوشلزم کو روکنے اور عوام کو اسکی دینی حیثیت سے آگاہ کرنے کیلئے مولانا نے جس جانفشانی کے ساتھ ملک کے دورے کئے وہ مولانا کی ناقابلِ فراموش خدمت ہے۔ مولانا ملک کے مایہ ناز خطیب تھے وہ خطابت میں ایسے دلکش اسلوب بیان کے موجد تھے جو اُن سے شروع ہو کر اُنہی پر ختم ہو گیا۔ اُن کی دلآویز خطابت نے سینکڑوں انسانوں کو دین سے قریب کیا اور شاید ملک کا کوئی گوشہ ایسا نہ ہوگا جہاں مولانا کی دلکش آواز نہ گونجی ہو۔ ریڈیو پاکستان سے ان کے درسِ قرآن کا سلسلہ انتہائی مقبولِ عام ہوا، اور بعد میں روزنامہ جنگ کراچی کے ذریعے شائع ہو کر وہ محفوظ بھی ہو رہا تھا، افسوس ہے کہ مولانا کی وفات سے وہ نامکمل رہ گیا۔ دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈو الٰہ یار مولانا کی ایک عظیم قابلِ قدر یادگار ہے جس کا شمار ملک کے ممتاز ترین دینی درسگاہوں میں ہوتا ہے خدا کرے کہ وہ ہمیشہ قائم و دائم رہے۔ آمین

مولانا کی شخصیت بڑی باغ و بہار، شگفتہ اور دلکش تھی ان کی مجلس میں اکتاہٹ کا گزر نہیں تھا وہ بڑے حاضر جواب بذلہ سنج اور خوش کلام عالم تھے سیاست میں مولانا کے اندازِ فکر و عمل سے کسی کو اختلاف ہو سکتا ہے لیکن مولانا کی شخصیت جن خوبیوں کا مجموعہ تھی انھوں نے پاکستان میں جو دینی خدمات انجام دیں اور ملک کی سیاسی تاریخ پر جو اثرات مرتب کئے اُن سے مولانا کے سیاسی مخالفین کو بھی انکار نہیں ہو سکتا، اُن کی وفات سے پورے ایک عہد کا خاتمہ ہو گیا پوری ایک بساط تہہ ہو گئی اور سیاست کا ایک منفرد مکتبِ فکر بند ہو گیا۔ الغرض مولانا کی شخصیت ایک بین الاقوامی شخصیت تھی اُن کی پوری حیات دینی و علمی خدمات میں گزری، ہمارے محترم و مکرم دوست جناب حافظ محمد اکبر شاہ صاحب بخاری کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر فرمائے کہ جنھوں نے "حیاتِ احتشام" کے نام سے مولانا کے حالاتِ زندگی علماء و معاصرین میں اُن کی قدر و منزلت اور اُن کی دینی و ملی خدمات کو بڑی جامعیت اور خوش اسلوبی کے ساتھ مرتب فرمایا ہے جس کے مطالعہ سے مولانا کی زندگی کی پوری جھلک سامنے آجاتی ہے مولانا کی شخصیت کو سمجھنے کیلئے زیرِ نظر کتاب کا مطالعہ ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حافظ صاحب موصوف کو تمام علماء دیوبند سے والہانہ عقیدت و محبت کا تعلق عطا فرمایا ہے اِن کو ان حضرات کے

سوانح اور حالات زندگی جمع کرنے کا خاص ذوق ہے اور اس موضوع پر ان کی متعدد تالیفات اکابر سے تعلق و محبت کی دلیل ہیں، اور اس موضوع پر ان کی مہارت ذہانت و فطانت اور سعی و محنت قابلِ داد ہے۔ اللہ تعالیٰ حافظ صاحب کی اِس خدمت کو شرفِ قبولیت بخشے اور آخرت میں اسکی جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔

احقر محمد عثمانی
دار العلوم کراچی نمبر ۱۴

تقریظ

از حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی مد ظلہ

زیر نظر کتاب حیاتِ احتشام میں خطیب الامت حضرت احتشام الحق صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ جیسی عظیم المرتب شخصیت پر قلم اُٹھایا گیا ہے ماشاء اللہ بڑی محنت اور عرق ریزی سے اِس کتاب کو مرتب کیا گیا ہے اس کے مصنف حافظ محمد اکبر شاہ بخاری سلمہ ہیں جن کی کئی تالیفات نظر سے گزری ہیں اور ہر تالیف کو نہایت دلچسپ جامع اور مفید پایا ہے عزیز موصوف کی کتاب "اکابر علماء دیوبند کو پڑھ کر تو دل حقیقت میں اَعِدْ ذِکْرَ نعمانَ لَنا اِنَّ ذِکْرَہٗ ھُوَ الْمِسکُ ما کرّرتہ یتضوّع کا مزہ آگیا اور ہجومِ مشاغل کے باوجود بالکل خلافِ معمول پہلی ہی نشست میں کتاب کا کافی حصہ دیکھنے کے بعد دوسرے مشاغل کا ہوش آیا

جزاکم اللہ احسن الجزاء

حیات احتشام سے قبل بھی عزیز موصوف سلمہ کے قلم سے "تذکرہ خطیب الامتؒ" کے نام سے حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی رحمۃ اللہ کی زندگی پر ایک مختصر مگر جامع تذکرہ نظر سے گزرا ہے اور اب یہ زیر نظر سوانح حیات تو متعلقین کیلئے یقیناً ایک انمول تحفہ ہے صاحب صوانح حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمۃ اللہ بڑی خوبیوں کے مالک تھے اللہ تعالیٰ نے مولانا کو سب سے بڑی دولت یہ عطا فرمائی تھی کہ حق گوئی میں آپ کیلئے کبھی کوئی امر مانع نہ ہوا، مال و منصب کی پیش کش امراء و حکمرانوں سے قریب تر تعلق بڑے سے بڑے شہسوار گھٹنے ٹیک دیتے ہیں مگر ان میں سے کوئی امر بھی آپ پر کبھی شہ بھر بھی کوئی اثر نہ کر سکا۔ موحد چہ برپائے ریزی لرزش، مولانا کی شان تھی اور آپ لایخافون فی اللہ لومۃ لائم کی عملی تفسیر تھے۔ رحمۃ اللہ رحمۃ واسعۃ اللہ تعالیٰ مصنف عزیز سلمہ کی اس محنت کو شرف قبولیت سے نوازیں اور اِس کتاب کو متعلقینِ تھانویؒ کیلئے مشعل راہ بنائیں۔ آمین ثم آمین

رشید احمد غضرلہ، کراچی

بسمہ اللہ الرحمٰن الرحیم

حرف آغاز

ہندوستان کے صوبہ یو، پی میں دیوبند، سہارنپور، گنگوہ، کاندھلہ، کیرانہ، نانوتہ اور مظفرنگر کے علاقے بڑے مردم خیز رہے ہیں اور ہندوستان کی عظیم علمی و روحانی شخصیتیں یہاں پیدا ہوئی ہیں۔ شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی مہاجر مکیؒ، حجتہ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، حکیم الامتؒ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، عارف کامل حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ، مفتی اعظم ہند حضرت مولانا عزیز الرحمٰن عثمانیؒ، امام العصر علامہ محمد انور کشمیریؒ، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، شیخ الحدیث حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ، شیخ التفسیر حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ اور خطیب الاسلام حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ جیسے اکابرین جلوہ گر ہوئے۔ علم و عمل کے منبع بن کر ان حضرات نے پوری دنیا کو سیراب و شاداب کیا در حقیقت ہندوستان و پاکستان میں دین اسلام جو اپنی اصل شکل و صورت میں نظر آرہا ہے یہ ان ہی عظیم ہستیوں کی قربانیوں کا ثمرہ ہے۔ انہی مقدس ہستیوں کے صدقے میں برعظیم پاک و ہند کے کونے کونے میں لاتعداد علم دین کے مراکز قائم ہوئے جہاں سے لاکھوں، کروڑوں طالبان علم اپنی علمی پیاس بجھا کر پوری دنیا میں دین اسلام کی خدمت میں مصروف ہیں۔ انہی حضرات نے آزادئ وطن کے لئے قربانیاں دیں اور اسلام کے خلاف ہر تحریک کا مجاہدانہ مقابلہ کیا انہی اکابر نے مسلمانوں کو علم، عمل، اخلاص، جذبہ، ادب و سیاست سے مالا مال کیا اور ہر پہلو اور ہر ہر کروٹ پر مسلمانوں کیلئے راہ نمائی اور راہبری کا سامان فراہم کیا۔

خدا یاد آئے جن کو دیکھ کر وہ نور کے پتلے نبوت کے یہ وارث ہیں یہی ہیں ظل رحمانی
یہی ہیں جن کے سونے کو فضیلت ہے عبادت پر انھیں کے اتقار پر ناز کرتی ہے مسلمانی
انھیں کی شان کو زیبا نبوت کی وراثت ہے انھیں کا کام ہے دینی مراسم کی نگہبانی

خاندانی حالات

خطیب الامت حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمتہ اللہ علیہ قصبہ کیرانہ ضلع مظفرنگر یو پی کے ایک ایسے مقتدر خانوادہ سے تعلق رکھتے ہیں جو نسباً صدیقی ہے اور علم و فضل بالخصوص طب یونانی میں طرۂ امتیاز کے ساتھ ساتھ زمینداری و سرکاری مناصب میں مشہور تھا۔ آپ کے والد ماجد مولانا حکیم ظہور

الحق صاحب رحمتہ اللہ علیہ خود بڑے جید اور پرہیزگار عالم دین تھے، جنھیں ظاہری علوم متداولہ میں شرف تلمذ براہ راست حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرنا سے حاصل تھا اور طریقت وسلوک اور فیوض باطن میں سلسلۂ بعیت کا تعلق براہ راست شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی مہاجر مکی قدس سرا سے تھا۔ آپ کی والدہ ماجدہ حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرا کی چھوٹی بہن تھیں اور وہ خود حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ سے بعیت تھیں اس طرح آپ اور آپ کے والد محترم مختلف اکابرین امت و مشاہیر علماء کرام کے ظاہری و باطنی فیوض میں سنگم کی حیثیت رکھتے ہیں اور مولانا احتشام الحق صاحبؒ کی جامع کمالات شخصیت میں اس موروثی جامعیت کو بڑا دخل ہے۔

کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل
نسیم صبح تیری مہربانی

مولانا تھانوی رحمتہ اللہ علیہ کی شادی بھی اپنی ننھیال تھانہ بھون ہی حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کی رشتہ کی نواسی سے ہوئی تھی جس کے بعد مولانا نے تھانہ بھون کو وطن بنانے کا فیصلہ کرلیا تھا اور جب ہی سے اپنے نام کے ساتھ تھانوی لکھنے لگے تھے۔ اور اس انتساب میں مسلک کے ساتھ وابستگی کے جذبات بھی کارفرما تھے۔

مولانا تھانویؒ اپنی خودنوشت سوانح میں لکھتے ہیں کہ۔

میرا نام احتشام الحق تھانوی ہے اور میں مضافات مظفر نگر یو، پی، انڈیا کے ایک مشہور قصبہ تھانہ بھون کا باشندہ ہوں، میرا ددھیالی قصبہ کیرانہ ضلع مظفر نگر اور نانھیالی قصبہ تھانہ بھون ضلع مظفر نگر ہے میں نے تعلیم سے فراغتؒ کے بعد اپنے نانھیالی قصبہ میں سکونت اختیار کرلی تھی اور ددھیالی قصبہ کی سکونت ترک کردی تھی جس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ دودھیالی رشتہ داروں میں صرف میرا گھرانہ علم دین کی طرف متوجہ تھا باقی اعزہ واقربہ عام طور پر زمینداری کے ساتھ ساتھ سرکاری اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے البتہ ننھیال کی ساری فضا حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کی بدولت دینی اور مذہبی تھی اور ننھیالی رشتہ داروں میں علم دین کے ساتھ کافی اشتغال تھا، میری طبعی مناسبت کا سامان ددھیال کی نسبت ننھیال میں زیادہ تھا اور چونکہ میری شادی بھی ننھیال میں ہوئی تھی اس لئے قصبہ تھانہ بھون میں سکونت کو ترجیح دی اور اسی نسبت سے تھانوی کہلایا

حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی فرماتے ہیں کہ:۔

لوگ کہتے ہیں کہ تھانوی نہ تھے کرانوی تھے اوّل تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ تھانوی اور کرانوی میں صرف دس میل کا فرق تھا یہ کوئی فرق نہیں ہوتا دوسرے مولانا کی والدہ جو حکیم الامت

مجدد الملت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کی بہن تھیں وہ تھانہ بھون کی تھیں اور ابن اخت القوم منہم قوم کی بہن کا بیٹا بھی انہی میں سے ہے اس لئے بھی تھانوی ہو گئے تیسرے یہ کہ نسبت جیسے وطن سے ہوتی ہے علم وفضل سے بھی ہوتی ہے آخر ایک عالم کا مسلک والا یعنی شافعی کہلاتا ہے حالانکہ شافع صرف امام محمد بن ادریس شافعی کے دادا تھے مگر اُن کا مسلک رکھنے والا شافعی کہلا سکتا ہے تو تھانوی مسلک کے اختیار کرنے سے بھی تھانوی ہونا بعید نہیں ہو سکتا اور وہ سب لوگ بھی جنہیں حکیم الامت تھانوی سے نسبت ہے اور جو حضرت کے مسلک ومشرب پر قائم ہے وہ سب تھانوی کہلا سکتے ہیں اور مولانا احتشام الحق تھانوی تو حضرت حکیم الامت کے خاص بھانجے اور عزیز ہیں اور مسلک ومشرب میں بھی حکیم الامت تھانوی کے عین مطابق ہیں اسطرح وہ توپکے تھانوی ہیں دوسرے حضرت حکیم الامت تھانوی کے نواسہ داماد بھی ہیں کیونکہ حضرت کے حقیقی بھائی منشی اکبر علی صاحب کی خاص نواسی سے مولانا کی شادی ہوئی ہے تو جہاں منشی اکبر علی صاحب کے نواسہ داماد ہوئے تو حضرت حکیم الامت قدس کے بھی داماد ہوئے اور پھر بچپن سے ہی خانقاہ تھانہ بھون کی طرف سے مبلغ کی حیثیت سے تبلیغ دین میں مصروف رہے ہیں۔

ولادت و تعلیم:- آپ کی ولادت باسعادت ۱۳۳۳ھ مطابق ۱۹۱۵ء میں قصبہ کرانہ ضلع مظفر نگر یو پی بھارت کے مشہور صدیقی خاندان میں مولانا ظہور الحق صاحب کے گھر میں ہوئی آپ بچپن ہی سے اپنے ماموں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کی زیر تربیت رہے بارہ سال کی عمر میں قرآن مجید کا حفظ انہی کے زیر نگرانی خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون میں کیا فارسی کی متداول کتابیں میرٹھ میں حضرت مولانا اختر شاہ صاحب سے بھی پڑھی ہیں اور ابتدائی تعلیم تھانہ بھون ہی میں حاصل کی حضرت حکیم الامت تھانوی کی خواہش یہ تھی کہ بہن کے چاروں لڑکے علم دین حاصل کریں جس کا اظہار حضرت نے اپنی بہن سے بھی کر دیا تھا لیکن سعی وکوشش کے باوجود یہ خواہش پوری نہ ہوسکی اور صرف مولانا احتشام الحق کے علاوہ سب نے کالج ویونیورسٹی سے بی اے اور ایم اے کیا علم دین کا قرعہ صرف مولانا کے نام پر نکلا مولانا نے حضرت حکیم الامت سے خوب فیض حاصل کیا ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء وما توفیق الا باللہ العظیم۔ حضرت حکیم الامت کے اِس چشمہ علم وفضل سے لاکھوں افراد سیراب وشاداب ہوئے ہیں اور حکیم الامت تھانوی کیا یہ سلسلہ رشد وہدایت جاری وساری ہے بہر حال مولانا احتشام الحق صاحب اِسی خانقاہ اشرفیہ کے روشن چراغ ہیں۔

خانقاہ اشرفیہ تھانہ بھون:۔ قصبہ تھانہ بھون ایک پرانا قصبہ ہے اور ضلع مظفر نگر یوپی میں جو سہارنپور اور دہلی کے درمیان ریلوے کی چھوٹی لائن ہے وہاں ایک اسٹیشن تھانہ بھون تادن کے نام سے ہے یہاں خانقاہ اشرفیہ امدادیہ کے نام سے تبلیغ واصلاح و تربیت اخلاق کا ایک عظیم مرکز ہے جس کے متعلق عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحئی عارفی مرحوم فرماتے ہیں کہ۔

اس خانقاہ میں مسجد بھی ہے مدرسہ بھی ہے کتب خانہ بھی ہے اور مہمان خانہ بھی کسی زمانہ میں یہ خانقاہ دوکان معرفت کہلاتی تھی اس میں تین بزرگ رہا کرتے تھے حضرت حاجی امداداللہ تھانوی مہاجر مکی حضرت حافظ محمد ضامن تھانوی شہیدؒ اور حضرت مولانا شیخ محمد صاحب محدث تھانویؒ یہ تینوں بزرگ حضرت میانجی نور محمد صاحب جھنجھانوی قدس سرہ کے خلفاء تھے۔ غدر کے زمانے میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ مکہ معظمہ ہجرت کر کے تشریف لے گئے۔ حضرت ضامن صاحبؒ شہید ہو گئے اور حضرت مولانا شیخ محمد محدث تھانویؒ وفات پا گئے تو خانقاہ کچھ عرصہ کے لئے خالی ہو گئی پھر کچھ طویل مدت کے بعد حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہ جو ہمارے شیخ و مربی حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے پیرو مرشد تھے ان کے ایماء پر حضرت حکیم الامت تھانویؒ قدس سرہ نے اس خانقاہ میں سکونت اختیار کی اور آخر عمر تک تقریباً ساٹھ سال یہاں قیام رہا اور رفتہ رفتہ یہ خانقاہ مرجع خلائق بن گئی ملک کے گوشہ گوشہ سے لاکھوں طالبان حق اور تشنگان طریق مسلسل آتے جاتے رہے اور حضرت حکیم الامت قدس سرہ کی تعلیم و تربیت سے مستفیض ہوتے رہے اور حضرتؒ کے بحرِ ذخار علوم و معارف و حقائق سے سیراب ہوتے رہے اور حضرتؒ کے مواعظ و ملفوظات سے بہرہ اندوز ہوتے رہے اسی عرصہ قیام اور عرصہ حیات میں حضرتؒ نے دین کے تمام شعبوں میں تقریباً ڈیڑھ دو ہزار تصانیف کا ذخیرہ صدیوں تک کیلئے آئندہ نسلوں کے واسطے بہم پہنچایا ہے **ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء وما توفیق الا باللہ العظیم** اور حضرتؒ کے ہزاروں فیض یافتہ ملک کے ہر ہر گوشہ میں پھیلے ہوئے ہیں اور رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری ہے اور بقول مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔

کبھی یہ جگہ منزل اولیاء تھی　　فرشتوں کی محفل تھی بزم ہدا تھی
یہ مسکن تھی اِک دن حکیم امم کا　　ہوا ہر اک مرض کی دوا تھی
یہ چھوٹی سی بستی یہ چھوٹی سی مسجد　　یہ چھوٹی سی مجلس خدا جانے کیا تھی
منوّر ہوا جس سے عالم دوبارہ　　مجدد کی مجلس، نور خدا تھی

الغرض حضرت مولانا احتشام الحق صاحبؒ بھی اِسی خانقاہ کے تربیت یافتہ تھے اور بچپن ہی سے اسی خانقاہ

میں پرورش پائی اسی میں ابتدائی تعلیم حاصل کی اور یہیں پر حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے فیض سے مالا مال ہوئے (ماخوذ تذکرہ خطیب الامتؒ)

مظاہر العلوم سہارنپور میں داخلہ:- تھانہ بھون میں حفظ قرآن مجید اور ابتدائی تعلیم کے بعد ہندوستان کے عظیم علمی مرکز مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں عربی کی تعلیم کے لئے حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے حکم سے داخل ہوئے۔ مدرسہ مظاہر العلوم اس وقت ثانئ دارالعلوم دیوبند تھا اس کا نظم ونسق اس وقت کے نامور وجید علمار کرام کے ہاتھوں میں تھا دارالعلوم دیوبند اور مظاہر العلوم سہارنپور دونوں کا منبع حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور قطب العالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے پاک طینت اور قدسی الاصلی نفوس تھے اِن کی نسبت خلوص زہد و تقویٰ اور جذبہ خدمت دین کی وجہ سے عوام و خواص کے قلوب اِن اداروں کی طرف متجذب ہونے لگے اور ان بزرگوں کے توجہاتِ عالیہ سے یہ ادارے ترقی کرتے گئے اُس وقت مظاہر العلوم کے سرپرست اعلیٰ حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ تھے چناچہ عربی کی ابتدائی اور ثانوی تعلیم حضرت مولانا حافظ عبداللطیف اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی کی زیر نگرانی مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں حاصل کی اِس دوران آپ اساتذہ کرام خصوصاً حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ کے منظور نظر رہے اور خصوصی عنایات سے نوازے جاتے رہے"

مولانا تھانوی مرحوم اپنی خود نوشت سوانح میں فرماتے ہیں کہ میں اپنے قصبہ کے ایک ممتاز اور شریف علمی خاندان سے تعلق رکھتا ہوں اپنے والد کی پانچ اولاد ذکور میں سے صرف میں نے باقاعدہ علوم دینیہ حاصل کئے میرے دوسرے بھائیوں نے فطری تعلیم میں بی اے اور ایم اے کیا میں نے حفظ قرآن کریم کے بعد مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں عربی کی تعلیم حاصل کی جہاں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی کی شفقتوں اور عنایتوں سے مالا مال ہوا پھر ہندوستان کی مشہور مذہبی درسگاہ دارالعلوم دیوبند میں ۱۹۳۰ میں داخلہ لیا اور ۱۹۳۷ میں علوم متداولہ میں سند فراغ حاصل کی اسی سال پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا۔

مرکز علوم اسلامیہ دارالعلوم دیوبند:- دارالعلوم دیوبند کی بنیاد ۱۸۵۷ کے دس سال بعد اِس پر آشوب دور میں رکھی گئی جبکہ مسلمانوں کی سلطنت اور مذہب پر تابڑ توڑ حملے ہو چکے تھے اور ہورہے تھے آٹھ سو سالہ حکومت اقتدار کی دھجیاں فضائے آسمانی میں اڑائی جاچکی تھیں اور ہندوستان میں ان کی عظمتوں کے چراغ گل ہو چکے تھے شاہجہانی قلعے پر انگریزوں کا پھریرا لہرا رہا تھا اس پر عیسائی مشنریاں اور آریائی دسیسہ کاریاں اسلام کے چراغوں کو بجھانے کے لیے پھونکیں مار رہی تھیں ایسے

حالات میں ضرورت تھی کہ قدرت کا غیبی ہاتھ اسلام اور مسلمانوں کی حوادث کے بھنور میں پھنسی ہوئی کشتی کو پار لگائے چنانچہ قدرت نے حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کو اس مقصد کیلئے کھڑا کیا اور انھوں نے مسلمانان دیوبند کو ایک ایسے مدرسے کی بنیادیں اٹھانے کا مشورہ دیا جو ایسے علماء تیار کرے جو اپنے علم و عمل اور مجاہدانہ روحانیت واخلاص سے مسلمانان ہند کی راہبری کریں اور ان کے ایمان کو تھام لیں ان کی عظمت دار فتہ کو واپس لائیں اور دین کی ایسی شمعیں روشن کریں جس سے مسلمانوں کے تاریک دلوں میں روشنی پیدا ہو جائے اور ان کو ان کا راستہ نظر آجائے چنانچہ یہ مدرسہ قائم ہو گیا اور مدرسے سے ترقی کر کے آج یہ اسلامی یونیورسٹی کے درجے تک پہنچ گیا دارالعلوم دیوبند نے مسلمانوں کو کیا دیا اور اس کی شہرت کو چار چاند کیسے لگے اس کا جواب صرف یہ ہے کہ اس نے مسلمانوں کو عمل علم اخلاص ادب اور سیاست سے مالا مال کیا اور ہر ہر پہلو اور ہر ہر کروٹ پر ان کیلئے راہنمائی اور راہبری کا سامان فراہم کیا اب اہل انصاف خود فیصلہ فرمائیں کہ جس دارالعلوم نے ہر ہر قدم پر مسلمانوں کی راہنمائی کی اور ان کو علم عمل اخلاص اور ادب سیاست سے آراستہ کیا اس سے بڑھ کر دارالعلوم دیوبند کا اور کیا شاہکار ہو سکتا ہے۔

دارالعلوم دیوبند نے علم و عمل اور اخلاص سے مزین علماء پیدا کر کے اسلام میں شریعت کو قائم کیا اور شریعت قائم کر کے اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کا سامان پیدا کیا جو دنیا ومافیہا سے بڑھ کر ہے اور اسی لئے اکبر الہ آبادی نے دیوبند کو دل روشن کہہ کر پکارا ہے دارالعلوم نے علم کیونکہ دیا اس کے متعلق کیا کہا جائے یہ تو اظہر من الشمس ہے کہ اس گہوارہ علم سے بہترین اہل علم دہنر پیدا ہوئے اور علم کے زیورات سے آراستہ ہو کر دنیائے اسلام کے گوشے گوشے میں پہنچے اور جہاں جہاں پہنچے انھوں نے اپنے علم کے چراغ سے اور سینکڑوں چراغ روشن کئے اور ہزاروں ارباب علم پیدا کئے اور یوں یہ سلسلہ بڑھتا چلا گیا دارالعلوم کی بہت سی شاخیں مثلاً مظاہر العلوم سہارنپور نیور مدرسہ عربیہ قاسمیہ مراد آباد امروہہ گلاؤ ٹھی کی مظفر نگر دہلی مکہ معظمہ مدینہ منورہ افغانستان افریقہ برما انڈونیشا امریکہ برطانیہ چائنہ اور دوسرے ممالک کے علاوہ پاکستان میں دارالعلوم کراچی جامعہ اشرفیہ لاہور جامعہ خیر المدارس ملتان دارالعلوم منڈوالہ یار دارالعلوم بنوری ٹاؤن کراچی دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک جامعہ اشرفیہ پشاور اور جامعہ رشید ساہیوال غرضیکہ جہاں جہاں فضلائے دیوبندیہ پہنچے وہاں انھوں نے مدارس دینیہ قائم کر ڈالے اس طرح انھوں نے علم و فنون کے ہر جگہ دریا بہادے پھر جامع مسجدوں میں خطابت کے ذریعہ علم و تبلیغ دین کے چشمے جاری کئے پنڈالوں اور جلسوں میں اپنے وعظوں سے لوگوں میں علوم دینیہ پھیلائے سرکاری اور دولتی یونیورسٹیوں کالجوں سکولوں میں ہر جگہ آپ الحمد اللہ دارالعلوم دیوبند کے فاضل پائیں

گئے جو اپنی اپنی جگہ علم و تبلیغ کی شمعیں روشن کیے رہے ہوئے ہیں اور جہاں مغربی اثرات نے مسلمان طلبار کے دلوں پر اپنے سکے جمائے ہوئے ہیں وہاں یہ حضرات دینی دفاع میں مصروف عمل ہیں اسی طرح دارالعلوم دیوبند کے فضلا نے اب تک تصنیفات و تالیفات کا ایک زبردست ذخیرہ پیدا کیا ہے علم شریعیت روحانیت و طریقت زبان سیاست میں بہت سی کتابیں لکھیں اور اس طرح دنیائے اسلام کی زبردست خدمات انجام دیں اور علوم دینہ پھیلانے میں کوشش کی مولانا محمد قاسم نانوتوی کی آب حیات تقریر دلپذیر اور حجتہ الاسلام وغیرہ مولانا گنگوہی کی فتاو غرشیدے زبدہ المناسک سبیل الرشاد تفقیہ المقرب اور امداد اسلوک وغیرہ شیخ الہند کا ترجمہ قرآن اردو کا شاہکار ہے علامہ انور شاہ کشمیری کی فیض الباری شرح بخاری شرح ترمذی وغیرہ۔

شیخ الاسلام علامہ عثمانی کی فتح الملہم شرح مسلم تفسیر عثمانی وغیرہ حکیم الامت تھانوی کی بہشتی زیور بیان القرآن السبو اور النو اور وغیرہ مولانا ظفر احمد عثمانی کی شہرہ آفاق اعلار السنین احکام القرآن اور امداد الاحکام وغیرہ مفتی محمد شفیع کی تفسیر معارف القرآن جواہر الفقہ اور فتاوی دارالعلوم وغیرہ مولانا محمد ادریس کا ندولوی کی مشکواۃ المصابیح سیرت مصطفے اور تفسیر مصارف القرآن وغیرہ مولانا احتشام الحق تھانوی کی تفسیر درس قرآن خطبات اور نظریہ پاکستان وغیرہ قاری محمد طیب قاسمی کی اسلام کا اخلاقی نظام انسانیت کا امتیاز تاریخ دارالعلوم مولانا بدر عالم میرٹھی ترجمان اسنتہ فیض الباری اور جواہر الحکم وغیرہ علامہ مناظر احسن گیلانی کی تدوین حدیث سوانح قاسمی امداسینی النبی الخاتم وغیرہ وغیرہ ان کے علاوہ ہزاروں تصانیف انہی فضلائے دیوبند کی شائع ہو چکی ہیں دارالعلوم دیوبند نے علم کے علاوہ عمل و اخلاص بھی دیا دارالعلوم کے فضلا اور اکابرین نے دنیا کے ہر ہر گوشے میں اسلام کی دعوت کے ساتھ ساتھ عمل کی دعوت بھی دی اور بہت سے اکابر علمار نے رشد دہدایت کے سندوں پر بیٹھ کر ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں مسلمانوں کو اسلام کے احکام نماز روزہ زکوۃ حج پر عمل کرنے کا جذبہ بخشا اور ان کو روحانیت کے اعلی مقام پر پہنچایا ان بزرگوں میں خصوصا حضرت حاجی امداداللہ تھانوی مہاجر مکی حضرت گنگوہی مولانا محمد قاسم نانوتی حکیم الامت تھانوی مولانا شاہ عبد الرحیم لائپوری حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری مفتی عزیز الرحمن عثمانی مولانا اصغر حسین دیوبندی مولانا عبدالقادر لائپوری مفتی محمد حسن امرتسری مولانا اطہر علی قاری محمد طیب قاسمی مولانا سید حسین احمد مدنی مولانا احمد علی لاہوری اور مولانا محمد زکریا کاندھلوی اور مولانا محمد الیاس بانی جماعت تبلیغی وغیرہ وغیرہ قابل ذکر ہیں ان کابرین نے لاکھوں بندگان خدا کو عمل کی راہ پر لگایا اور لاکھوں کی اپنے اخلاص و عمل سے اصلاح فرمائی ہے یہ وہ بزرگان دین ہیں جن کی زندگیاں ہمارے لیے مشعل راہ ہیں اللہ تعالی ہمیں بھی ان کے نقش قدم پر چلائے آمین۔

دارالعلوم دیوبند میں دورہ حدیث:- ہندوستان کے ایک چشمہ علمی مظاہر العلوم سے سیرابی کے بعد آپ کی تشنگیٔ علم دور نہیں ہوئی بلکہ علمی پیاس بجھانے کیلئے ابتداء ہی سے مولانا احتشام الحق صاحب کے دل میں یہ جذبہ کار فرما تھا کہ مرکز علوم اسلامیہ دارالعلوم دیوبند میں اپنی علمی پیاس بجھائی جائے چنانچہ آپ نے اپنے ماموں حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ سے درخواست کی کہ حضرت مجھے دیوبند میں تعلیم حاصل کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی جائے حضرت کی ذاتی خواہش یہ تھی کہ آپ مظاہر العلوم میں ہی تعلیم مکمل کریں مگر آپ کی دلی تڑپ اور جذبہ کو دیکھ کر دارالعلوم دیوبند میں داخل ہونے کی اجازت مرحمت فرمائی اور ایک مکتوب گرامی مہتمم دارالعلوم مولانا قاری محمد طیب صاحب کے نام تحریر فرمایا جسے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب خود دیوبند لے کر گئے اور بڑے عزت واحترام کے ساتھ مولانا احتشام الحق صاحب کو ایشیاء کی اس سب سے بڑی دینی یونیورسٹی دارالعلوم دیوبند میں ۱۹۳۰ میں داخل کیا گیا اُس وقت دارالعلوم دیوبند جو بقول حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کہ آئمہ فن علماء اولیاء اور اتقیاء کا ایک بے مثال گہوارہ تھا اور جس طرف دیکھو بزرگان سلف کے نمونے پیکر علم و عمل ستاروں کی مانند درخشاں نظر آتے تھے جن کے چہرے دیکھ کر خدا یاد آتا تھا اور کسی شخص پر ان حضرات کی توجہ اور نظر عنایت ہو جانا بلاشبہ خدا تعالیٰ کی خاص رحمت کا ایک مظہر ہوتا تھا چنانچہ مولانا احتشام الحق صاحب دارالعلوم دیوبند میں انہی اکابر کی توجہات عنایات کا مرکز بنے آپ نے دارالعلوم میں شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی شیخ الادب مولانا اعزاز علی امروہی مولانا سید اصغر حسین دیوبندی مولانا محمد ابراہیم بلیاوی اور مولانا مفتی محمد شفیع صاحب جیسے آفتاب وماہتاب علم و عمل کے سامنے زانوئے ادب تہہ کئے اور ۱۹۳۷ میں حدیث و تفسیر فقہ کلام اور دوسرے مروجہ علوم دینیہ میں امتیازی حیثیت سے نمبر اول کی سند حاصل کی دوران تعلیم اساتذہ کی خصوصی توجہات کا مرکز بنے رہے اور منتظمین مدرسہ نے آپ کو ایک علیحدہ کمرہ دیا ہوا تھا اور آپ کے پاس ایک سپیشل باورچی مقرر تھا دارالعلوم میں تعلمی دور کے بارے میں مہتمم دارالعلوم حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ۔

مولانا احتشام الحق صاحب ہمارے شیخ و مربی حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کے بھانجے تھے اور میرے عزیز بھی ہوتے تھے میرے دور اہتمام میں جب وہ دارالعلوم دیوبند میں پڑھنے کے لئے آئے تو اتفاق سے کمرے سب گھر گھر چکے تھے اور کوئی جگہ رہنے کے لئے مل نہیں رہی تھی تو میں نے دفتر اہتمام کے بالکل اُوپر لا کمرہ جو دفتر اہتمام کا جزو تھا ان کے لئے خالی کرا دیا اور انھیں وہاں رکھا مولانا کی

سال دارالعلوم میں مقیم رہے اور نہایت نیک نامی کے ساتھ زمانہ طالب علمی پورا کیا اور امتیازی حیثیت کے ساتھ سندِ فراغ حاصل کی اکابر اساتذہ کی شفقت و عنایات کا مرکز رہے

ممتاز اساتذہ کرام:- آپ کی ذہانت و فطانت زمانہ طالب علمی سے ہی بے مثال تھی اور آپ انتہائی نکتہ رس اور ذکی الفطرت تھے اساتذہ کو آپ کی ذہانت و قابلیت پر ناز تھا آپ نے اپنے دور کے جلیل القدر علماء و محدثین سے اپنی علمی تشنگی بجھائی ہے آپ کے اساتذہ میں ہر شخص علم و عمل کا آفتاب تھا ذیل میں ممتاز اساتذہ کا مختصر ذکر کیا جاتا ہے۔

شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی:- آپ دارالعلوم دیوبند کے پانچویں صدر مدرس تھے حضرت شیخ الہند کے مخصوص تلامذہ میں سے تھے علم و فضل میں غیر معمولی مقبولیت رکھتے تھے اور حضرت گنگوہی سے خاص تعلق و عشق تھا اور حضرت بھی بڑی محبت و شفقت فرماتے تھے اپنے دور کے عظیم محدث اور عارف کامل تھے زہد و تقویٰ اور خلوص ﷲیت میں سلف کی یادگار تھے آخر دم تک دارالعلوم میں درس حدیث پڑھاتے رہے حضرت مولانا تھانوی نے بھی حضرت مولانا مدنی سے بخاری شریف اور حدیث کی دیگر کتب پڑھیں حضرت کا درس حدیث آج تک آنکھوں کے سامنے ہے اور وہ مجالس حدیث ناقابل فراموش ہیں۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی:- آپ دارالعلوم دیوبند کے صدر مہتمم اور حضرت شیخ الہند کے معتمد علیہ تلامذہ میں سے تھے غیر معمولی ذہانت و ذکاوت کے حامل تھے علم متحضر تھا اور بڑا منقح علم تھا حضرت قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ کے علوم و معارف کے بہترین شارح تھے اپنے وقت کے جلیل القدر مفسر محدث محقق متکلم خطیب اور مایہ ناز مصنف تھے پاکستان کے معماروں میں شمار کئے جاتے ہیں اور آخر دم تک اسلام کی خدمت میں مصروف رہے ۱۳ دسمبر ۱۹۴۹ میں کراچی میں رحلت فرمائی۔

شیخ الادب مولانا اعزاز علی مروہی:- آپ بھی دارالعلوم دیوبند کے اکابر مدرسین میں سے تھے اور دارالعلوم کے مایہ ناز فاضل تھے مولانا تھانوی نے آپ سے متنبی اور دیوان حماسہ پڑھی ہیں مولانا فرماتے تھے کہ حضرت مولانا اعزاز علی صاحب نہایت ذہین و ذکی اور تقویٰ کا امتیاز تھے متواضع و منکسر المزاج تھے اخلاق و عادات میں اپنے اسلاف کا نمونہ تھے ادب کے بڑے ماہر تھے حضرت شیخ الہند کے تلامذہ میں سے تھے آخر وقت تک دارالعلوم میں خدمت درس و تدریس اور خدمت افتاء میں

مصروف رہے۔

جامع المعقول مولانا محمد ابراہیم بلیاوی:۔ آپ بھی دارالعلوم دیوبند کے صدر المدرسین میں سے تھے اور حضرت شیخ الہند کے مخصوص تلامذہ میں سے تھے اپنے وقت میں معقولات کے امام مانے جاتے تھے آپ نے دارالعلوم کی تدریس سے پہلے مختلف مدارس عربیہ میں صدر مدرس کے عہدہ پر فائز رہے مولانا تھانوی نے آپ سے مسلم شریف پڑھی ہے اور دوران تعلیم علامہ بلیاوی کے خاص توجہات وعنایات کا مرکز رہے۔

مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد شفیع دیوبندی:۔ آپ دارالعلوم دیوبند کے صدر مفتی تھے فقہ و تفسیر میں امامت کا درجہ حاصل تھا قیام پاکستان کیلئے انتھک جدوجہد فرمائی تھی پھر کراچی میں ایک عظیم الشان دارالعلوم کی بنیاد رکھی اور سینکڑوں تالیفات تصنیف فرمائیں مولانا تھانوی نے آپ سے ابوداود شریف اور طحاوی شریف وغیرہ حدیث کتابیں پڑھی ہیں بڑے قابل قدر بزرگ تھے ساری حیات اسلام کی خدمت میں گزاری ہے۔

تبلیغی واصلاحی خدمات:۔ دارالعلوم دیوبند سے فراغت تعلیم کے فورا بعد آپ نے الہٰ آباد یونیورسٹی اور پنجاب یونیورسٹی سے فاضل ومولوی فاضل کے امتحانات پاس کئے اور پھر صرف انگریزی زبان میں پنجاب یونیورسٹی سے میٹرک کا امتحان دیا بعد ازاں اپنے بزرگوں اور اکابر کے حکم پر تبلیغی واصلاحی کاموں میں مصروف ہوگئے دہلی میں تبلیغی مصروفیتوں کے ساتھ ساتھ بڑی اہم مصروفیت ان قطعات زمین پر جائیداد کی تعمیر بھی تھی جو آپ کے والد بزرگوار نے پہلے سے دہلی میں خرید رکھے تھے تاکہ جائداد کے کرایہ پر گزر اوقات کیا جاسکے اور دین کو ذریعہ معاش نہ بنایا جائے مولانا تھانوی اپنی خود نوشت سوانح میں لکھتے ہیں کہ ۱۹۳۷ میں تحصیل علوم دینیہ سے فارغ ہوا تو دہلی میں اپنے بڑے بھائی مولانا عزیز الحق صاحب کے مکان پر مقیم رہا جو اس وقت گورنمنٹ آف انڈیا میں ایک اہم عہدے پر فائز تھے میں نے اپنی خاندانی روایات کی بناء پر دینی مشاغل کو ذریعہ معاش بنانے سے گریز کیا اور بستی ہرپھول سنگھ اور سبزی منڈی دہلی میں قطعات زمین لیکر تعمیر مکان اور کرایہ کی تحصیل کو ذریعہ معاش ٹھہرایا اور میں نے شہر کے مختلف حصوں میں تبلیغ دین کا کام شروع کیا جو کچھ ہی روز میں کافی بڑھ گیا۔

جامع مسجد نئی دہلی میں خطابت:۔ مولانا احتشام الحق تھانوی نے جدید تعلیم یافتہ طبقہ

بالخصوص مرکزی حکومت ہند سے متعلق سرکاری ملازموں میں تبلیغ دین کا آغاز نئی دہلی میں خواجہ میر درد کی جامع مسجد سے فرمایا جہاں پر یومیہ درس قرآن اور تبلیغی اجتماعات ہوا کرتے تھے ہر جمعہ کو کونسل چیمبر کے پاس نئی دہلی کی جامع مسجد میں نماز جمعہ سے پہلے مولانا تھانوی کا خطاب ہوتا تھا جس میں مرکز کے سرکاری ملازمین کے علاوہ مرکزی اسمبلی اور کونسل آف اسٹیٹ کے ممبران بڑی تعداد میں شرکت کیا کرتے تھے ان راہنماؤں میں خواجہ ناظم دین مولانا ظفر علی خان مولوی تمیزالدین خان لیاقت علی خان سردار عبدالرب نشتر آئی آئی چندریگر سر عبدالحلیم غزنوی اور سر عثمان وغیرہ حضرات بڑے ذوق وشوق کے ساتھ مولانا کا خطاب سننے آتے تھے اور مولانا کے خطاب سے بے حد متاثر ہوتے تھے۔ حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب فرماتے ہیں کہ۔

دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد مولانا احتشام الحق صاحب دہلی چلے گئے جہاں ان کے بڑے بھائی مولانا عزیزالحق صاحب مرحوم سرکاری ملازم کی حیثیت سے مقیم تھے قیام دہلی کے زمانے میں مولانا تھانوی مرحوم کا معمول تھا کہ تقریباً ہر دوسرے تیسرے ماہ مجھے دہلی لے جاتے اور گریجویٹوں کو جمع کرکے مجھ سے تقریریں کرواتے اور بہت مسرور ہوتے تھے ۱۹۴۷ء میں ان کے بھائی پاکستان چلے گئے مولانا بھی ان کے ساتھ پاکستان پہنچ گئے اور وہیں بس گئے لیکن میرے ساتھ وہ قدیم تعلق بدستور باقی رکھا مولانا موصوف کو قدرت نے ذکاوت وذہانت سے حصہ وافر عطا فرمایا تھا علمی استعداد ان کی اپنی محنت کا ثمرہ تھا اس لئے اس وہبی اور کسبی نعمت نے مل کر انھیں اونچا اٹھایا اور بہت جلد مقبول خواص وعوام بن گئے درس وتدریس کا عرفی انداز میں مشغلہ تو نہیں رہا مگر وعظ وخطابت سے پاکستان اور بیرون پاکستان کے باشندگان کو ان سے کافی نفع پہنچا کراچی کی جامع مسجد جیکب لائن میں خطیب کی حیثیت سے ان کا فیضان عام ہوتا رہا اور جدید تعلیم یافتہ لوگ تبلیغی واصلاحی کاموں اور اخلاق عالیہ سے غیر معمولی طور پر متاثر ہوئے سیاسی طور پر بہت مقبول ہوئے اور سیاسی وقومی امور میں بھی لوگ ان کی قیادت تسلیم کرتے تھے جس سے مولانا ممدوح ایک زعیم کی حیثیت سے بھی نمایاں ہوئے اور مقبولیت عامہ پیدا کرلی اور بحیثیت فاضل دارالعلوم دیوبند ہونے کے ان کی خدمات ناقابل فراموش ہیں وہ پاکستان میں دارالعلوم دیوبند کے مسلک کے ترجمان رہے تھے۔

مجلس دعوت الحق کا پروگرام:۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کی قائم کردہ مجلس دعوۃ الحق کے پروگرام کے مطابق مولانا احتشام الحق صاحب نے جدید تعلیم یافتہ بالخصوص مرکزی حکومت ہند سے متعلق سرکاری ملازموں میں تبلیغی کام کا آغاز دہلی میں فرمایا نئی دہلی کی

جامع مسجد میں نماز جمعہ سے پہلے آنریری طور پر مولانا تھانوی کا خطاب ہوتا تھا جس میں ارباب اقتدار اور زعمار مسلم لیگ بڑہ ذوق وشوق سے شریک ہوتے تھے مجلس دعوۃ الحق کے پروگرام کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ سرکاری ملازمین اور مسلم لیگ کے زعمار میں پاکستان کی حمایت کے ساتھ ساتھ دینی جذبات پیدا کئے جائیں تاکہ ایک آئندہ اسلامی مملکت کی تشکیل اور اس کے قیام میں سہولت پیدا ہو جائے مجلس دعوۃ الحق کے بانی حضرت حکیم الامت تھانوی تھے اور اس کے مرکزی مبلغین میں مشاہیر علمار شیخ الاسلام مولانا ظفر احمد عثمانی حضرت مفتی محمد شفیع مولانا مرتضیٰ حسن چاندپوری مفتی محمد حسن امرتسری مولانا شبیر علی تھانوی مفتی عبدالکریم گمتھلوی مولانا عبدالمجید بچرایونی مولانا اطہر علی مولانا خیر محمد جالندھری اور مولانا احتشام الحق تھانوی شامل تھے ان حضرات علمار نے بشب و روز مجلس دعوت الحق کے ذریعے ارباب اقتدار اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ میں تبلیغ دین کا حق ادا کیا اور قائداعظم محمد علی جناح قائد ملت خان لیاقت علی خان سردار عبدالرب نشتر خواجہ ناظم الدین چوہدری محمد علی سر عبدالحلیم غزنوی اور سر عثمان اور دوسرے زعمار لیگ کو دین کی طرف لانا انہی حضرات کا کارنامہ ہے مولانا مرحوم حضرت حکیم الامت تھانوی کی قائم کردہ مجلس صیانۃ المسلمین سے بھی وابستہ رہے اور پاکستان میں مجلس صیانۃ المسلمین کے تبلیغی اجتماعات میں آپ شرکت فرماتے رہے مجلس صیانۃ المسلمین کا صدر دفتر جامعہ اشرفیہ لاہور میں ہے اور پاکستان کے مقتدر علمار کرام اسکی شوریٰ کے اراکین ہیں مولانا تھانوی فرماتے ہیں کہ۔

نئی دہلی میں سنٹرل سیکریٹریٹ کے قریب ایک بڑی جامع مسجد تھی جس میں اسمبلی اور کونسل آف اسٹیٹس کے ممبروں کے علاوہ جی ایچ کیو اور مرکزی دفاتر کے سمجھدار افراد جمع ہوتے تھے میں نے اعزازی طور پر اپنی دعوت و تبلیغ کا مرکز اسی کو ٹھہرایا میں نے نئی دہلی میں ۵۰ رنجیت سنگھ روڈ پر مستقل قیام کیا اور حضرت حکیم الامت تھانوی کے مرتب کردہ تبلیغی پروگرام دعوۃ الحق کے مطابق شب و روز تبلیغی جدوجہد میں صرف کئے جس کا ان حضرات پر بڑا اثر ہوا۔

عالمی تبلیغی دورے:۔ حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کا سب سے نمایاں پہلو آپ کی تبلیغی خدمات ہیں جس کیلئے آپ نے اپنی تمام زندگی وقف کردی تھی آپ نے تبلیغ دین کے لئے پوری دنیا میں تبلیغی دورے کئے جنوبی افریقہ انڈونیشیا فلپائن سعودی عرب افغانستان ایران برما اردن شام امریکہ برطانیہ چین اور ہندوستان کے علاوہ بنگلہ دیش اور پاکستان کے تقریباً ہر حصے میں آپ نے تبلیغ دین کا فریضہ سرانجام دیا متعدد ممالک میں ہزاروں

افراد کو مشرف بہ اسلام کیا اور لاکھوں مسلمانوں کی اصلاح فرمائی سنیکڑوں مسلمان آپ کے دست حق پرست پر بعیت ہوئے غرضیکہ دنیا میں کوئی خطہ یا ملک ایسا نہیں جہاں آپ تبلیغ دین کیلئے نہ پہنچے ہوں آپ نے العلماء ورثۃ الانبیاء کا پورا پورا حق ادا کیا اور اللہ کے دین کا پیغام مشرق و مغرب تک پہنچایا ملک و بیرون ملک لاکھوں دینی اجتماعات جلسوں اور سیرت کانفرنسوں سے آپ نے خطاب فرمایا اور اسلام کی حقانیت کو واضح فرمایا دینی درسگاہوں میں اپنی عالمانہ فصیح و بلیغ تقاریر سے توحید و رسالت کے پروانوں کو شمع ایمانی سے منور کیا اور صحیح معنوں میں ایک عالم دین اور مبلغ کا پورا پورا حق ادا کیا پاکستان میں مولانا کے اہم تبلیغی مراکز میں جامعہ اشرفیہ لاہور دارالعلوم کراچی جامعہ خیرالمدارس ملتان جامعہ اشرفیہ پشاور دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک مدینۃ العلوم سرگودہا جامعہ امدادیہ فیصل آباد جامعہ رشید ساہیوال اور جامعہ احتشامیہ کراچی وغیرہ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

تحریک آزادی ہند اور مولانا تھانویؒ ہندوستان کی آزادی اور اسلام کی سربلندی کیلئے رکابر علماء دیوبند نے بڑی قربانیاں دی ہیں شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی مہاجر مکیؒ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور دیگر اکابر علماء نے ۱۸۵۷ء میں برطانیہ کے خلاف علم جہاد بلند کیا سخت مشکلات اُٹھائیں قید و بند کی مصوبیتں برداشت کیں تکلیفیں اُٹھائیں جاسوسی کے الزامات انگریز قوم نے ان حضرات پر لگائے ملک بدر کئے گئے گولیاں کھائیں شہادتیں پائیں مگر ان حضرات نے جان و مال کی پرواہ کئے بغیر دشمن اسلام کے سامنے کلمۂ حق بلند کرنے سے گریز نہ کیا اور مسلسل جدوجہد آزادی اور اسلام کی سربلندی کیلئے مصورف عمل رہے ہندوستان کے مسلمانوں میں اسلامی روح پھونکی مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی نے شاہ افغانستان حجاز شام اور ترکی کے سلاطین اور گورنروں انور پاشا غالب پاشا وغیرہم کے پاس اپنے نمائندے بھیجے اور خود ممالک اسلامیہ کا سفر کر کے اُن سے ملاقات کی اور ہندوستان پر حملہ آور ہونے اور اسلامی حکومت کے قیام کی تدبیریں اختیار کیں گو ظاہری طور پر ناکامیوں کا سامنا ہوا لیکن ان حضرات کا جذبہ حریت اور حق و صداقت کا حوصلہ ختم نہیں ہوا اس سلسلہ میں شیخ الحدیث مولانا محمد مالک کاندھلوی مرحوم فرماتے ہیں۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں اہل ہند کی ناکامی کے بعد انگریز کے قدم برصغیر میں مضبوط ہو گئے تھے چنانچہ مسلمانوں اور ہندوؤں نے ملکر قومی آزادی کی ایک مہم شروع کی جس کا مقصد انگریز کے طوق غلامی سے نجات حاصل کرنا تھا یہ تحریک خراماں خراماں اپنا سفر طے کرتی ہوئی بسیویں صدی

میں داخل ہوتی ہے اس صدی میں دارالعلوم دیوبند کے فضلاء میدان عمل میں آتے ہیں اور دیوبند کے بہت سے علماء اس تحریک کے ساتھ منسلک ہوجاتے ہیں سولیوں کا بازار گرم ہوجاتا ہے چونکہ تحریک انگریزوں کے خلاف تھی اور ہندو مسلم مل کر اس تحریک کو چلا رہے تھے ہندو تعداد میں زیادہ بھی تھے پھر بھی مسلمانوں کے لیڈروں کو خاص طور پر ظلم وستم کا نشانہ بنایا جارہا تھا چنانچہ اس تحریک پر اور تحریک کے حوالہ سے مسلمانوں کے ذہنوں پر ہندو چھانے لگے شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب جب مالٹا کی اسارت سے رہا ہو کر بمبئی کی بندرگاہ پر پہنچے تو ایک عظیم الشان جلوس حضرت شیخ الہندؒ کے استقبال کے لئے موجود تھا جلوس میں منجملہ اور نعروں کے ایک نعرہ یہ بھی لگایا جارہا تھا کہ شیخ الہندؒ کی جے ہو حضرت شیخ الہندؒ ان نعروں کو سن کر چونکے اور استفسار کیا کہ یہ بیکار الفاظ میں کیا سن رہا ہوں مولانا محمد علی جوہر اور حکیم اجمل خان وغیرہ ہمراہ تھے عرض کیا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ شیخ الہند کی فتح ہو آپ نے اس پر فرمایا کہ لفظی ولغوی مفہوم تو مجھے بھی معلوم ہے میں حیران اس ذہنی انقلاب پر ہوں جو اس دوران رونما ہوچکا ہے اگر جے ہو کہنے میں کوئی نقصان نہیں تو مسلمان کو اللہ اللہ کے بجائے رام رام کہنے میں بھی کوئی مضائقہ محسوس نہ کرنا چاہیئے۔

علامہ سید سلیمان ندوی اس بات کو ایک مثال کے ذریعے واضح فرماتے تھے کہ دو بھائیوں نے چلنا شروع کیا ایک کچھ آگے تھا اور دوسرا کچھ پیچھے پیچھے والے بھائی نے کچھ قدم تیز بڑھا کر آگے والے کو پیچھے کر دیا مراد یہی تھی کہ ہندو سیاست کے میدان میں مسلمان سے پیچھے تھا مگر بعد میں کچھ آگے نکل گیا تحریک کے اس مرحلہ تک تمام علماء دیوبند جن میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ حکیم الامتؒ مولانا اشرف علی تھانویؒ مولانا حسین احمد مدنیؒ مولانا عبداللہ سندھیؒ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی مولانا ظفر احمد عثمانیؒ مفتی محمد شفیعؒ دیوبندی مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ اور مولانا احتشام الحق تھانویؒ وغیرہ علماء کرام متفقہ طور پر تحریک کے ساتھ وابستہ تھے لیکن حکیم الامتؒ مولانا تھانویؒ اور شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ نے یہ محسوس کرنا شروع کیا کہ ہندوؤں کے شانہ بشانہ اس تحریک آزادی ہند میں شمولیت مسلمانوں کو اگر انگریز کی غلامی سے نجات دلائے گی تو ہندوؤں کی غلامی میں مبتلا کر دے گی۔

پاکستان کا اولین نقشہ:۔ چنانچہ حضرت حکیم الامتؒ نے ۱۹۲۷ء میں انگریز اور ہندو کی غلامی سے آزاد ہونے کیلئے ہندوستان میں ایک آزاد اسلامی سلطنت کے قیام کی تجویز پیش کی حضرت حکیم الامتؒ تھانویؒ نے مولانا حسین احمد مدنیؒ اور مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ کے سامنے وسط ماہ

جون ۱۹۲۸ء میں دارالاسلام کے قیام کی تجویز اس طرح پیش کی کہ۔

جی یوں چاہتا ہے کہ ایک خطہ پر خالص اسلامی حکومت ہو سارے قوانین وتعزیرات وغیرہ کا اجراء احکام شریعت کے مطابق ہو بیت المال ہو نظام زکوٰۃ ہو شرعی عدالتیں قائم ہوں آزادی سے عبادات کی جائیں دوسری قوموں کے ساتھ ملکر کام کرنے سے یہ نتائج کہاں حاصل ہوسکتے ہیں اس مقصد کیلئے تو صرف مسلمانوں کی ہی جماعت ہونی چاہیئے اور اسی کو یہ کوشش کرنی چاہیئے اسی نظریہ کے تحت حضرت حکیم الامتؒ نے ہندو کانگریس کی بجائے مسلمانوں کی تنظیم مسلم لیگ کی حمایت فرمائی کیونکہ حضرت حکیم الامتؒ کے سامنے مسئلہ سیاسی نہیں تمام تر دینی تھا وہ صرف خالصتاً اسلامی حکومت چاہتے تھے جس کا نقشہ انھوں نے پیش کر دیا تھا حضرت تھانویؒ نے وسط جون ۱۹۲۸ء میں مسلمانوں کے اسلامی حکومت کے قیام کی جو تجویز پیش کی تھی وہ علامہ ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم نے ۲۹ دسمبر ۱۹۳۰ء میں ایک مطالبہ کی صورت میں الٰہ آباد کانفرنس میں پیش کردی تھی کہ۔ ہندوستان میں اسلام کی فلاح و بہود کیلئے ایک اسلامی ریاست قائم کی جائے

قائداعظم کی دینی تربیت:۔ اسکے بعد حکیم الامت تھانویؒ نے قائداعظم محمد علی جناح کی طرف توجہ کی چونکہ جنگ پاکستان کی کمان قائداعظم کے ہاتھ میں تھی اور وہ انگریزی تہذیب و تمدن کے پروردہ تھے اس لئے حضرت نے تمام تر توجہ قائداعظم کی دینی تربیت پر لگادی اور اس غرض کیلئے اُنھوں نے علماء کی ایک دینی تنظیم مجلس دعوۃ الحق کے نام سے قائم کی جس کے ذمہ زعماء مسلم لیگ کیلئے تبلیغ دین کرنا تھا اور اس مقصد کیلئے مولانا ظفر احمد عثمانیؒ مولانا بشیر علی تھانویؒ مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ مولانا مفتی عبدالکریم گمتھلویؒ مفتی محمد حسن امرتسریؒ مولانا عبدالمجید انویؒ مولانا مرتضیٰ حسن چاند پوریؒ مولانا عبدالغنی پھولپوریؒ مولانا اطہر علیؒ اور مولانا احتشام الحق تھانویؒ کو مجلس دعوۃ الحق کے پروگرام کے مطابق بڑی سرگرمی سے تبلیغ کرنیکا حکم فرمایا اور ان حضرات علماء نے بڑی تندہی و جانفشانی سے شب وروز اِس اہم کام کو سرانجام دیا متعدد بار علماء کے وفود اور خطوط قائداعظم کے پاس بھیجے گئے اور ان کو دین کی طرف توجہ دلائی علماء کی ان کاوشوں کا یہ نتیجہ نکلا کہ قائداعظم کا دل اسلام کی محبت سے معمور ہوگیا اور اکثر وبیشتر پنجگانہ نمازوں کے علاوہ بھی وہ بارگاہ رب العزت میں سر بسجود نظر آنے لگے علماء کی قیام پاکستان کی حمایت اور زعماء لیگ کو دعوت و تبلیغ کا اثر مساجد، دینی مدارس گلی کوچوں اور شہروں میں اتنی جلدی پڑا کہ ہر جگہ یہ نعرے بلند ہونے لگے کہ پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ یہ اس بات کا عہد تھا کہ پاکستان میں صرف حکومت الٰہیہ قائم کی جائے گی حضرت حکیم

الامتؒ کی اسلامی حکومت کے قیام کی تجویز کو عملی جامہ پہنانے کیلئے اور مسلمانوں کو ہندوؤں اور انگریزوں کی غلامی کی آہنی زنجیروں سے نجات دلانے کیلئے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ اور حکیم الامتؒ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے علمی وروحانی جانشین شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ صدر مہتمم دارالعلوم دیوبند منظر عام پر آئے اور پاکستان کے حق میں پورے ہندوستان میں طوفانی دورے کئے مسلمانوں کو علمی وادبی اور مذہبی ومعاشرتی تحریک سے مسلمانوں میں سیاسی بیداری پیدا کی اور مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ وہ کانگریس میں شامل نہ ہوں کیونکہ کانگریس ایک ہندو فرقہ پرست جماعت ہے۔ جو مسلمانوں کے جذبات کی ترجمانی نہیں کرتی شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ نے دو قومی نظریہ کی واضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ ہندوستان میں دو الگ الگ قومیں آباد ہیں جن میں مذہب اور تہذیب وتمدن کا گہرا اختلاف ہے اس لئے ان دونوں کا ایک ہونا ناممکن بات ہے۔

الغرض حضرت حکیم الامتؒ تھانویؒ اور شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ کے ان نظریات اور بیانات سے قومی آزادی کی اس تحریک میں مذہبی روح نمایاں ہوگئی اور علماء کرام کی حمایت وشمولیت نے تحریک آزادی ہند کو ایک مذہبی تحریک بنادیا قائداعظم نے ان علماء کرام کی حمایت اور تحریک پاکستان میں عملی حصہ لینے کو بہت سراہا اور اپنے خطبات میں علماء کی اس جدوجہد آزادی کو خراج تحسین پیش کیا جن علماء کرام نے مسلم لیگ کے شانہ بشانہ میرٹھ مظفر نگر، سہارنپور، امرتسر، لاہور، بنگال اور صوبہ سرحد کے علاقوں میں جو کارہائے نمایاں انجام دیے، تاریخ اسے کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔

دو قومی نظریہ۔پاکستان:-

مولانا احتشام الحق صاحبؒ حضرت حکیم الامتؒ مولانا اشرف علی تھانویؒ اور شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے سیاسی مسلک ونظریات کے ہمنوا تھے اور دو قومی نظریہ، تحریک پاکستان کے بڑے سختی کے ساتھ حامی تھے مولانا کی پوری سیاسی زندگی دو قومی اور نظریہ پاکستان کی نظریاتی سرحدوں کے تحفظ کے گرد گھومتی نظر آتی ہے وہ اس سلسلہ میں کسی قسم کی مفاہمت اور رواداری کے قائل نہیں تھے مولانا کو اپنے اس نظریے کی صداقت پر سختی سے اصرار تھا ہر اس شخص اور جماعت سے مولانا کو سخت اختلاف رہا جس کے بارہ میں اس نظریہ کی مخالفت کا ادنیٰ شبہ بھی ان کو ہوگیا پھر اس اظہار اختلاف میں بھی مولانا نے کبھی کسی کی رورعایت نہیں کی اور اپنے پرائے کا بھی کوئی امتیاز روا نہیں رکھا جس موقف کو صحیح سمجھا بلاخوف لومۃ لائم اس کے اعلانیہ اور برملا اظہار کو مولانا نے اپنا شعار بنائے رکھا مولانا احتشام الحق صاحبؒ ابتداء سے ہی حضرت حکیم الامتؒ تھانویؒ کے نظریہ پاکستان سے وابستہ رہے اور پاکستان کے قیام سے بھی پہلے سے ہی حضرت حکیم الامت کی قائم کردہ

مجلس دعوۃ الحق کے مبلغ کی حیثیت سے دہلی میں تحریک پاکستان کے عمائدین اور زعمار لیگ کو پاکستان کے اصل مقصد قیام اور اس کی روح نظام اسلام کی طرف متوجہ کرتے رہے مولانا تھانویؒ فرماتے تھے کہ۔ ہم نے حکیم الامت تھانویؒ اور شیخ الاسلام علامہ عثمانی کا دامن پکڑا تھا الحمدللہ ابھی تک نہیں چھوڑا ان کی پیروی میں نظریہ پاکستان اور اسلامی نظام کے قیام سے وابستہ ہوں اور انشار اللہ اسی نظریہ پر قائم رہوں گا۔ ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ۔ ہماری سیاست نظریہ پاکستان کا تحفظ اور اسلامی نظام کے قیام جیسے اعلیٰ اور وسیع تر مقاصد کی حد تک محدود ہے نہ کی ذات اور شخصیت سے ہمارا تعلق ہے اور نہ کسی ایسی سیاسی جماعت سے وابستگی جو اس نظریئے کے خلاف ہو۔ بہرحال مولانا تھانویؒ دو قومی نظریہ پاکستان کے زبردست حامی تھے انھوں نے ابتدائے پاکستان کے قیام سے ہی ہر دور حکومت میں اپنی کوششوں کا محور استحکام پاکستان اور قیام نظام اسلام کو بنائے رکھا اور اس سلسلہ میں جس قدر کام اللہ تعالیٰ نے مولانا سے لیا وہ تاریخ پاکستان اور تاریخ دستور اسلام میں سنہری حرفوں سے لکھے جانے کے قابل ہے اور قابل رشک تاریخی کارنامہ ہے مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ فرماتے ہیں کہ۔ مولانا تھانویؒ نظریہ پاکستان اور دو قومی نظریے کے زبردست منّاد تھے وہ کٹر پاکستانی تھے اور اس معاملے میں انھوں نے کبھی کسی مداہنت یا مصالحت کو گوارا نہیں کیا آپ نے زندگی بھر باطل قوتوں اور نظریہ پاکستان کے مخالفین کے ساتھ بڑی جرأت واستقامت سے جہاد کیا ہمیشہ اپنے مسلک دیوبند کی ترجمانی فرماتے رہے اور اپنے اکابر کے مشن پر سختی سے ڈٹے رہے آپ فرماتے تھے کہ ہم نے حضرت حکیم الامت تھانویؒ اور شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کا دامن پکڑا تھا الحمد اللہ ابھی تک نہیں چھوڑا اور اسی مسلک دیوبند پر قائم ہیں الحمد اللہ ہم نے مسلک دیوبند پر سودے بازی یا اکابر علمار دیوبند کے نام پر استخواں فروشی کبھی نہیں کی۔

تحریک پاکستان میں عظیم خدمات:۔ تحریک پاکستان کے سلسلہ میں جب علمار کرام کے کردار پر بحث کی جائے گی اور پاکستان کے بنانے میں علمار کی عملی جدوجہد کا ذکر آئے گا تو قائداعظم جناح اور ان کے سیاسی رفقار کے ساتھ ساتھ جن علمار کرام کا نام لیا جائے گا ان میں دارالعلوم دیوبند کے سرپرست اعلیٰ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ دارالعلوم دیوبند کے صدر مہتمم شیخ الاسلام علامہ شبیر عثمانیؒ شیخ الاسلام ثانی مولانا ظفر عثمانی مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ علامہ سلیمان ندویؒ مفتی محمد حسن امرتسری مولانا شبیر علی تھانوی مفتی سید عبدالکریم گمتھلوی مولانا خیر محمد جالندری مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ مولانا اطہر علیؒ مفتی جمیل احمد تھانوی اور مولانا احتشام الحق تھانوی

کے اسمار گرامی فہرست ہونگے حضرت حکیم الامتؒ تھانوی تحریک پاکستان کو شاہراہ کامیابی پر گامزن چھوڑتے ہوئے ۱۹۴۳ میں عالم آخرت کو تشریف لے گئے مگر حضرت کی جماعت اور ان کے متوسلین خصوصاً مذکورہ بالا علمار کرام مطالبہ پاکستان کی حمایت کرتے رہے خطیب الامت حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی نے اپنے اساتذہ اور بزرگوں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی مولانا ظفر احمد عثمانی مفتی محمد شفیعؒ اور دیگر اکابر کی قیادت میں اس مشن کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کیلئے تحریک پاکستان میں بیش بہا کام کیا اور ہندوستان کے مختلف علاقوں میں اپنی تقاریر اور عملی جدوجہد کے ذریعے تحریک پاکستان کو مقبول عام بنانے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اس سلسلہ میں صاحبزادہ مولانا عبدالرحمن اشرفی مدظلہ فرماتے ہیں۔ مولانا احتشام الحق تھانویؒ پاکستان کے بنانے والے قائدین کے ہراول دستہ میں شامل تھے اور تحریک پاکستان میں علامہ شبیر احمد عثمانی اور مولانا ظفر احمد عثمانی کے دست راست رہے قیام پاکستان کے بعد انھوں نے اپنی زندگی پاکستان کو صحیح اسلامی سلطنت بنانے کیلئے اور اسوۂ رسول اکرم ﷺ کی تبلیغ و ترویج کیلئے وقف کر رکھی تھی۔

قائداعظم کی نظر میں علمار کا مقام:- اس سلسلہ میں بادشاہی مسجد کے خطیب حضرت مولانا سید عبدالقادر آزاد فرماتے ہیں کہ۔ تحریک پاکستان کا ابتدائی زمانہ قائداعظم اور مسلم لیگ کیلئے بڑی آزمائش کا زمانہ تھا اکثر مقتدر علمار نیشلسٹ مسلمان احرار اور خدائی خدمت گا اثر خیوش کانگریس کے پشت پناہ تھے قائداعظم کافراعظم قرار دیئے جاچکے تھے مسلم لیگ سروں خان بہادروں سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کی ایک جماعت بن چکی تھی عوام کو نگو اور پریشانی کی حالت میں تھے ان کی ہر مرتبہ تان اس بات پر آکر ٹوٹتی تھی کہ علمار مسلم لیگ کے ساتھ نہیں جس کا قدرت نے یہ انتظام کیا کہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کو قائداعظم کی طرف متوجہ کیا آپ نے پہلے قائداعظم کی دینی تربیت واصلاح فرمائی پھر اپنی پوری قوت سے قائداعظم کا ساتھ دیا حضرت حکیم الامتؒ کی تائید و حمایت کے بعد اصل میں قائداعظم کو دوسرے علمار کے تعاون کی ضرورت نہ رہی اور اسکا برملا اظہار خود قائداعظم نے کیا اور فرمایا۔ اب مجھے کوئی فکر و پریشانی نہیں کیونکہ مسلم لیگ کے ساتھ ایک بڑا عالم ہے جس کا علم و تقدس و تقویٰ اگر ایک پلڑے میں رکھا جائے اور تمام علمار کا دوسرے پلڑے میں رکھا جائے تو اس کا پلڑا بھاری ہوگا اور وہ مولانا اشرف علی تھانوی ہیں پھر قدرت کی طرف سے قائداعظم کی دوسری امدادیہ ہوئی کہ شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ صدر مہتمم دارالعلوم دیوبند ایسے متبحر عالم متقی و پرہیزگار سیاستدان اور شعلہ بیان مقرر کو قائداعظم کا دستِ راست بنادیا جنھوں نے بڑی سیاست سے کام لیتے ہوئے رائے عامہ کو ہموار اور تیار کرنے کیلئے سب سے پہلے اپنے رفقار کار کے ساتھ ملکر جمیعت علمار

اسلام کی بنیاد رکھی اور اس کی متعدد اور مختلف مقامات پر کانفرنس منعقد کر کے مسلم لیگ کے حق میں فضا سازگار کی جس سے قائداعظم کے ہاتھ مضبوط ہوئے اور انھوں نے عوامی محاذ شیخ الاسلام علامہ عثمانی اور ان کے رفقاء کار کے سپرد کر کے خود آئینی محاذ کو سنبھالے رکھا قائداعظم کے دل میں شیخ الاسلام کی کتنی قدر و منزلت اور اہمیت تھی اس کا ان واقعات سے باسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

۱۹۴۶ء میں مسلم لیگ کے عظیم الشان کنونشن دہلی میں شیخ الاسلام کو جب جائے قیام سے کنونشن پر پہنچنے میں کچھ دیر ہوگئی تو قائداعظم نے شیخ الاسلام کی آمد تک کیلئے کاروائی اجلاس روک دی اور جس وقت حضرت شیخ الاسلام کنونشن میں پہنچے تو ہزاروں کے مجمع میں قائداعظم کچھ دور تک شیخ الاسلام کے استقبال کیلئے بڑھے اور تمام مقتدر حضرات بہ ادب کھڑے ہوگئے جس وقت سہلٹ و سرحد ریفرنڈم سر پر آیا قائداعظم نے شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ سے درخواست کی کہ وہ یہ مہم سر کریں کیونکہ قائداعظم جانتے تھے کہ ان علاقوں کو علماء حق ہی زیر کرسکتے ہیں یہاں کسی دوسرے کا کام نہیں چنانچہ حضرت شیخ الاسلام نے علالت طبع کے باوجود سرحد کے طوفانی اور طولانی دورے کر کے خان برادران اور ان کے سرخپوشوں کو شرمناک شکست دی ریفرنڈم جیتنے کے بعد جب آپ قائداعظم کو مبارکباد دینے لگے تو قائداعظم نے فرمایا۔اس مبارکباد کے مستحق آپ ہیں میں خواہ سیاستدان سہی لیکن آپ نے بروقت مدد کر کے مذہب کی روح لوگوں میں پھونک دی اسی طرح سے سلہٹ ریفرنڈم میں کامیابی کا سہرا علامہ ظفر احمد عثمانی کے سر بندھا اور انھوں نے مسلم لیگ کی حمایت میں جس سرگرمی سے حصہ لیا تاریخ پاکستان میں سنہرے حروف سے لکھا جائیگا قائداعظم نے تحریک پاکستان کی ان عظیم خدمات کی بناء پر کراچی میں کل پاکستان پہلی پرچم کشائی شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ سے کرائی اور مشرقی پاکستان ڈھاکہ میں علامہ ظفر احمد عثمانیؒ سے کرائی خطیب پاکستان حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی ان دونوں اکابر علماء کے جانشین اور ترجمان تھے انھوں نے اپنی پوری زندگی اسلام کی تبلیغ واشاعت اور نظریہ پاکستان کے تحفظ کیلئے وقف کر رکھی تھی مولانا تھانوی نے تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لیا اور ہندوانہ ذہنیت کے خلاف بڑی سرگرمی سے کام کیا قیام پاکستان کے لئے اپنی تقریروں اور تحریروں میں دلائل سے ثابت کیا کہ پاکستان کا قیام مسلمانوں اور احیائے اسلام کیلئے انتہائی ضروری ہے قدرت نے مولانا تھانوی مرحوم کو حسن داؤدی عطا فرمایا تھا انھوں نے اپنی مسحور کن اور دلکش خطابت کے ذریعے ہندوستان کے مختلف علاقوں میں تحریک پاکستان کیلئے راہ ہموار کی اور اپنے اکابر حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی اور مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کے ہمراہ سلہٹ اور سرحد ریفرنڈم میں بھی ان تھک محنت کی جو تحریک پاکستان کی تاریخ میں ایک درخشاں باب ہے۔ الغرض تحریک پاکستان کے سلسلہ میں مولانا

تھانویؒ نے جس جرآت دیباکی کے ساتھ نظریہ، پاکستان اور عوام کے بنیادی حقوق کیلئے جہاد کیااور مجاہدانہ کردار وگفتار سے جو شاندار روایات قائم کیں وہ نہ صرف اس ملک کی تاریخ میں آب زر سے لکھی جائیں گی بلکہ اسلام کا سورخ بھی ان کی ان ناقابل فراموش خدمات کو تاریخ اسلام کے ایک سہنری باب سے تعبیر کرے گا۔

جمعیت علماء اسلام کا قیام:۔ پاکستان کے نام پر لڑے جانے والے الیکشن جب قریب آگئے اور مخالفین کی طرف سے اس قسم کا پروپگنڈہ زوروں پر ہونے لگا کہ مسلم لیگ بے دین امراء کی نمائندہ جماعت ہے اور اسے علماء کی جماعت کی تائید حاصل نہیں ہے چونکہ اسوقت جمعیت علماء ہند جس کے صدر مولانا حسین احمد مدنیؒ تھے کانگریس کا ساتھ دے رہی تھی اور متحدہ قومیت کی حمایت میں نعرے لگا رہی تھی اور مسلمانوں کو مسلم لیگ کی حمایت سے بدظن کررہی تھی تو ایسے حالات میں اگر مسلم لیگ کو مقتدر علماء کی بااثر جماعت کی حمایت وتائید حاصل نہ ہوتی تو الیکشن کا جتینا آسان کام نہ تھااور پاکستان کا قیام ناممکن نہیں تو دشوار ضرور تھااسی نزاکت حال کا احساس کرتے ہوئے تحریک پاکستان کے حامی علماء شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اور مفتی محمد شفیع وغیرہ دیگر مقتدر علماء کرام نے یہ تجویز کیاکہ مطالبہ، پاکستان کے لئے علماء کو اپنا مستقل مرکز قائم کرنا چاہیئے چنانچہ اکتوبر ۱۹۴۵ء کو محمد علی پارک کلکتہ میں زیر صدارت حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ آل انڈیا علماء کانفرنس کے ۲۶، ۲۷ اور ۲۸ اکتوبر ۱۹۴۵ء کی تاریخوں میں چار روز تک مسلسل اجلاس ہوتے رہے پانچ سو سے زائد علماء کرام ومشائخ عظام نے اس میں شرکت کی عام تاثر یہ تھاکہ خلافت کانفرنس کلکتہ کے بعد ایسی کانفرنس منعقد نہیں ہوئی اس کانفرنس میں جمعیت علماء اسلام کی بنیاد رکھی گئی اور مولانا ظفر احمد عثمانی کی زیر صدارت مختلف قراردادیں پاس ہوئیں اور ایک قرارداد میں متفقہ طور پر مسلم لیگ کی حمایت کے اعلان کے ساتھ ساتھ ووٹروں سے اپیل کی گئی کہ مسلم لیگ کے سوا کسی دوسری جماعت کے نمائندہ کو ووٹ نہ دیا جائے کلکتہ کے اس اجلاس میں جمعیت علماء اسلام کا مرکزی صدر شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کو منتخب کیا گیااور نائب صدر مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کو مقرر کیا گیااور مجلس شوریٰ میں اکابر علماء کرام علامہ سید سلیمان ندویؒ، مفتی محمد حسن امرتسریؒ مولانا خیر محمد جالندھری مولانا اطہر علی سلہٹیؒ مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ مولانا شمس الحق فریدپوریؒ مولانا محمد طاہر قاسمیؒ مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی اور مولانا احتشام الحق تھانویؒ جیسے دیگر حضرات علماء شامل تھے ان حضرات علماء کرام نے جمعیت علماء اسلام کے ذریعے قیام پاکستان کیلئے بڑی سرگرمی سے کام کیااور جمعیت علماء ہند کے اثرات کے باعث جو

اکثر مسلمان مطالبۂ پاکستان سے منحرف تھے یا تردد کی حالت میں کھڑے تھے انھیں قیام پاکستان کی جدوجہد میں شریک کیا جمعیت علماء اسلام کے ان اکابرین نے مسلمانوں کو ہندوؤں کی مشرکانہ ریشہ دوانیوں سے آگاہ کیا اور کانگریس کے متحدہ قومیت کے پرفریب نعرے کے خلاف آواز حق بلند کی اور دو قومی نظریہ کی حمایت میں تحریر و تقریر کے ذریعے انتھک کام کیا۔

لیگ کے حق میں طوفانی دورہ:- مولانا احتشام الحق صاحب نے اپنے شیخ و مربی حکیم الامتؒ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور اُستاد گرامی شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی طرح مسلمانوں کی طرف سے مطالبۂ پاکستان کی بھرپور حمایت فرمائی اور جب پاکستان کیلئے جدوجہد کے دوران فیصلہ کن وقت آیا تو مولانا نے اپنی پوری قوت سے قائداعظم اور مسلم لیگ کا ساتھ دیا پھر اپنے اکابر کی قیادت میں قائم ہونے والی جمعیت علماء اسلام میں باقاعدہ شامل ہوکر قیام پاکستان کیلئے مؤثر جدوجہد فرمائی اور پاکستان کے نام پر لڑے جانے والے الیکشن میں ایک اہم کردار کیا مولانا محمد متین خطیب فرماتے ہیں کہ مولانا تھانوی نے ہندوستان کے متعدد علاقوں میں اپنی سحر آفریں خطابت سے تحریک پاکستان کو مقبول عام بنانے میں نمایاں خدمات انجام دیں اور جب انڈین نیشنل کانگریس اور انگریزوں کا گٹھ جوڑ کھل کر سامنے آگیا تو آپ نے شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ اور مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کی معیت میں مردانہ وار اور پروانہ وار مسلم لیگ کے حق میں پورے ہندوستان کا طوفانی دورہ کیا اور سینکڑوں جلسوں سے خطاب کیا اپنی دلآویز خطابت سے عوام و خواص کو بے حد متاثر کیا یہاں تک کہ نواب اسماعیل خان مرحوم اور لیاقت علی خان مرحوم نے مولانا کی تقاریر سے متاثر ہوکر اپنے اپنے حلقۂ انتخاب کے دوروں کیلئے خاص طور سے مولانا احتشام الحق تھانویؒ مرحوم کو مامور کیا تھا اور مولانا کا یہ دورہ بہت کامیاب رہا تھا مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی فرماتے ہیں کہ۔

اللہ تعالیٰ نے مولانا تھانویؒ مرحوم کو مجمع عام میں تقریر خطابت کی بے نظیر صلاحیت و قابلیت عطا فرمائی تھی آپ نے دلنشین اور مدلل تقاریر سے مسلمانوں کو بہت متاثر کیا تحریک پاکستان کے دوران مولانا کی خطابت اور شیریں بیانی کا ہر جگہ چرچا تھا اسی وجہ سے نوابزادہ لیاقت علی خان کے الیکشن میں تھانہ بھون کیرانہ شاملی دیوبند اور مظفر نگر وغیرہ میں دہلی سے مولانا کو بلا کر تقاریر کا پروگرام بنایا گیا تھا جو بہت کامیاب ثابت ہوا تھا۔

۱۹۴۶ء میں جب متحدہ ہندوستان میں عبوری حکومت قائم ہوئی تو عبوری حکومت کے وزیر خزانہ کی حیثیت سے قائد ملت لیاقت علی خان نے مسلم لیگ کی طرف سے بجٹ پیش کیا اس سے کچھ

قبل ایک مسلمان افسر دہلی میں مولانا کے پاس گیا اور کہا کہ وہ قرآن پاک کی ایک ایسی آیت بتائیں جس میں کہا گیا ہو دولت چند خاندانوں میں سمٹ کر نہ رہ جائے چنانچہ مولانا نے اس مسلمان افسر کو ۲۸ ویں پارہ میں سورہ حشر کی ایک آیت بتائی، جب مسلم لیگ کا بجٹ سامنے آیا تو اس میں قرآن پاک کی یہ آیت درج تھی یہ آیت دراصل پاکستان کے بارے میں مسلم لیگ کا معاشی نظریہ تھی کہ جب پاکستان بنے گا تو ہم اس میں اسلام کا معاشی نظام رائج کریں گے اور سرمایہ داری سے نجات حاصل کرلیں گے مسلم لیگ نے اسلام کا یہ معاشی نظریہ پیش کرنے کیلئے مولانا تھانوی مرحوم سے رہنمائی حاصل کی تھی۔

سہلٹ و سرحد ریفرنڈم:- جب قائداعظم محمد علی جناح مرحوم نے شیخ الاسلام علامہ احمد عثمانی اور مولانا ظفر احمد عثمانی سے آب دیدہ ہو کر یہ درخواست کی کہ سرحد و سلہٹ پاکستان کی ریڑھ کی ہڈی ہیں۔ میں دل سے چاہتا ہوں کہ پاکستان اس ریفرنڈم میں کامیاب ہو۔"

اس پر ان دونوں بزرگوں نے فرمایا کہ"

"آپ اعلان کردیں کہ پاکستان میں اسلامی نظام جاری ہوگا"۔

قائداعظم کہنے لگے میں تو اس کا بارہا اعلان کرچکا ہوں اور آپ بخوشی اپنی تحریروں اور تقریروں میں میرے حوالے سے پورے اطمینان کے ساتھ یہ اعلان کرتے رہیں کہ پاکستان کا نظام حیات اسلامی ہوگا اور اس کا دستور قرآن و سنت کے موافق ہوگا۔

اس پر ان بزرگوں نے قائداعظم کو تسلی دی کہ انشاء اللہ یہ دونوں علاقے پاکستان میں شامل ہوں گے چنانچہ سرحد کا محاذ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی مفتی محمد شفیع اور مولانا احتشام الحق تھانوی نے سنبھالا اور سلہٹ کا محاذ مولانا ظفر احمد عثمانی مولانا اطہر علی اور مولانا شمس الحق وغیرہ علماء نے اپنے ذمہ لیا، غرض ان حضرات کی سعی اور جدوجہد سے یہ دونوں علاقے پاکستان کا حصہ بنے اور بھاری اکثریت سے مسلمانوں نے پاکستان کے حق میں رائے دی اس اس کامیابی پر قائداعظم اور قائد ملت نے ان حضرات علماء کو مبارکباد دی اور فرمایا کہ۔

"سلہٹ اور سرحد ریفرنڈم میں کامیابی آپ حضرات علماء کی بدولت ہوئی اور یہ آپ حضرات کی مرہون منت ہے اور ناقابل فراموش کارنامہ ہے"

مولانا محمد متین خطیب مرحوم فرماتے ہیں کہ۔"

"مطالبہ پاکستان منظور ہونے کے بعد جب سرحد و سلہٹ ریفرنڈم کا مرحلہ سر پر آیا تو قائداعظم

نے حضرت شیخ الاسلام سلامہ عثمانی اور حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی کے سامنے یہ درخواست پیش کی کہ وہ یہ مہم سر کریں تو ان حضرات نے دونوں محاذوں کی قیادت سنبھالی، شیخ الاسلام علامہ عثمانی نے صوبہ سرحد اور مولانا ظفر احمد عثمانی نے سلہٹ کا محاذ سنبھالا۔ خطیب پاکستان مولانا احتشام الحق تھانوی نے ان دونوں بزرگوں کی قیادت میں سرحد و سلہٹ کے دونوں محاذوں پر کام کیا، سرحد ریفرنڈم میں شیخ الاسلام عثمانی اور مفتی اعظم مولانا محمد شفیع کے ہمراہ صوبہ بھر میں طوفانی دورے کر کے پاکستان کے حق میں رائے عامہ کی حمایت حاصل کی اور سلہٹ کے محاذ پر حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی اور مولانا اطہر علی سلہٹی کی معیت میں شب و روز محنت کر کے مسلم لیگ کے حق میں فضا سازگار کی، مولانا تھانوی مرحوم کی ہمت بلند نے اپنے اکابر شیخ الاسلام عثمانی اور مولانا ظفر احمد عثمانی کے ساتھ ملکر دونوں محاذوں پر سرخپوش لیڈروں اور کانگریس نوازوں کو شرمناک شکست د اور مولانا کی شبانہ روز مساعی سے عوام مسلم لیگ کی حمایت پر آمادہ ہوگئے اور دونوں محاذوں پر کامیابی حاصل کی۔ اس کامیابی پر قائد اعظم مرحوم نے ان علمار حق کی تاریخی خدمات کے اعتراف کے طور پر پاکستان کی پرچم کشائی کا اعزاز علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا ظفر احمد عثمانی کو بخشا جو تحریک پاکستان کی حامی جمعیت علمار اسلام کے قائدین تھے۔ مفتی محمد شفیع، مولانا اطہر علی اور مولانا احتشام الحق ان دونوں صوبوں کے ریفرنڈم میں ان دونوں عظیم قائدین کے دست راست کی حیثیت سے کام کررہے تھے۔ ان دونوں صوبوں کے ریفرنڈم میں ان علمار حق نے جو مشکلات اور سختیاں برداشت کیں ان کی تفصیلات کو بیاں کرنے کیلئے ایک دفتر کی ضرورت ہے۔

خدمات تفصیلات کیلئے ملاخطہ فرمایئے "(تحریک پاکستان اور علمار دیوبند")

جشن آزادی میں شرکت:۔ علمار حق کی شبانہ روز کاوشیں اور قائد اعظم محمد علی جناح کی فہم و فرست اور تدبر و سیاست آخر رنگ لائی اور ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان کا قیام عمل میں آیا قائد اعظم محمد علی جناح مرحوم نے تحریک پاکستان اور سلہٹ و سرحد ریفرنڈم میں علمار حق کی ان عظیم خدمات کو مدنظر رکھتے ہوئے افتتاحِ پاکستان کی تقریب میں خاص طور پر شرکت کی دعوت دی چنانچہ حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی، حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی اور مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کی معیت میں افتتاح پاکستان کی تقریب میں شرکت کیلئے دہلی سے کراچی تشریف لائے۔ شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثمانی نے ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو قائد اعظم کی درخواست پر کراچی میں افتتاح کی تقریب میں قرآن کریم کی تلاوت کے ساتھ اپنے دست مبارک سے

پاکستان کی پہلی پرچم کشائی فرمائی اور اسی وقت ڈھاکہ میں قائد اعظم کی ہدایت کے مطابق مولانا ظفر احمد عثمانی نائب شیخ الاسلام پاکستان نے قرآن حکیم کی تلاوت کے ساتھ اپنے مبارک ہاتھوں سے پاکستانی پرچم کشائی کی رسم ادا کی، ان لمحات میں تمام وزراء، علماء اور عمائدین مسلم لیگ خاموش وباادب کھڑے رہے۔ بعد ازاں کراچی و ڈھاکہ کے اسمبلی ہال میں تقریب حلف وفاداری منعقد ہوئی جس میں شیخ الاسلام پاکستان مع جماعت علماء شریک رہے۔ ان سب تقریبات میں مولانا احتشام الحق صاحب اپنے بزرگ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی کے ساتھ رہے۔ ریڈیو پاکستان اور اخبارات کے ذریعے شیخ الاسلام پاکستان نے پوری قوم کو ایک آزاد مملکت کے قیام کی مبارکباد دی اور سجدہ شکر ادا کیا۔ یہ بات حقیقت ہے کہ جہاں قیام پاکستان کیلئے علامہ ڈاکٹر محمد اقبال قائد اعظم محمد علی جناح اور لیاقت علی خان کی سیاسی خدمات ہیں وہاں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی مفتی اعظم مولانا محمد شفیعؒ مولانا ظفر احمد عثمانی اور مولانا احتشام الحق تھانوی کی بھی اتنی ہی دینی خدمات ہیں جنھیں تاریخ پاکستان کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔

مہاجرین کی آباد کاری:- قیام پاکستان سے آٹھ روز قبل آپ حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمتہ اللہ علیہ کی معیت میں افتتاح پاکستان کی تقریب میں شرکت کیلئے کراچی پہنچے جہاں قائد اعظم کی درخواست پر ۱۴ اگست کو پاکستان کے پہلے پرچم کشائی کی رسم شیخ الاسلام علامہ عثمانی نے ادا کی اس کے بعد مہاجرین کی آبادی کا مسئلہ درپیش آیا مولانا تھانوی نے اس سلسلہ میں بڑی خدمات انجام دیں۔ آپ نے ہر اُس شخص کی خدمت کی جو آپ سے کوئی تمنا اور درخواست لے کر آیا آپ نے رات دن لوگوں کی خدمت کیلئے اپنے آپ کو وقف کر دیا، آپ لوگوں کی شکایات اور آبادی وغیرہ کے مسائل حکومت پاکستان کے سامنے پیش کرتے۔ عوام کے کاموں کے لئے سفارش کرتے اور بنفس نفیس خود بھی تشریف لے جاتے اور ان کے مسائل حل کراتے آپ نے اس طرح ہزاروں لوگوں کو آباد کرایا لیکن اپنے لئے آپ نے کوئی مکان الاٹ نہیں کرایا۔ اس سلسلہ میں جناب سید ہاشم رضا صاحب سابق وزیر اطلاعات فرماتے ہیں کہ۔

میری ملاقات حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی سے ۱۹۴۷ء میں بہ فیضِ پاکستان ہوئی جب وہ اور شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ جیکب لائنز کے ایک تنگ کوارٹر میں مقیم تھے، میں کراچی میں اُس وقت ڈپٹی کمشنر تھا اور حکومت نے ہندوؤں کی چھوڑی ہوئی املاک کو مہاجرین میں منتقل کرنے کی ذمہ داری مجھے سونپی تھی میں نے دونوں حضرات کی خدمت میں عرض کیا کہ وہ اپنے کوارٹر سے نکل کر کسی

کشادہ مکان میں منتقل ہوجائیں لیکن اُن کے فقرو قناعت کا یہ عالم تھا کہ اُنھوں نے جیکب لائنز کی مسجد کے گوشے کو نہ چھوڑا اور زندگی اسی طرح گذار دی۔

مولانا تھانویؒ مہاجر کمیٹی کے صدر بھی رہے اور قوم و ملک کی بے لوث خدمت کرتے رہے جب تحریک پاکستان میں حصہ لیا اُس وقت بھی اُن کے سامنے کوئی مفاد یا سیاسی عہدہ نہ تھا اور نہ ہی قیام پاکستان کے بعد کوئی سیاسی عہدہ یا مرتبہ یا مفاد حاصل کرنیکی کوشش کی وہ چاہتے تھے کہ پاکستان میں مسلمان خوشحال رہیں اور علاقہ دریت ختم ہوجائے، مہاجر انصار سب بھائی بھائی بن کر رہیں صوبائی تعصب مٹ جائے کوئی پٹھان، پنجابی، سندھی اور بلوچی کا جھگڑا نہ ہونے پائے سب اتفاق و اتحاد سے مل کر رہیں کراچی سے خیبر تک کے تمام مسلمان چٹان کی طرح مضبوط و متحد ہو کر اپنے وطن کو گلزار بنائیں اور سب صرف ایک ملت بن کر زندگی بسر کریں۔ (تذکرہ حاجات الامت ۳۶۔۳۷)

کراچی میں مستقل سکونت:۔ مولانا تھانوی اپنی خود نوشت میں تحریر فرماتے ہیں کہ "۱۹۴۷ء میں جب تقسیم کی منزل قریب آگئی اور کراچی روانگی طے ہوئی تو احباب نے بے انتہا اصرار کیا کہ میں بھی پاکستان چلوں گو میرے لیئے فوری طور پر طے کرنا مشکل تھا اسی لیئے میں نے یہ پروگرام بنایا کہ دو ماہ بعد مجھے حج کے لئے جانا ہے اور بندرگاہ بھی کراچی قرار پائی ہے اس لیئے سرِدست احباب کے اصرار پر میں کراچی چلا جاؤں اور پھر دو ماہ کے قیام کے بعد حج بیت اللہ کے لئے روانہ ہوجاؤں گا اور واپس ہندوستان آکر کوئی قطعی فیصلہ کرونگا اِدھر ۱۴ اگست کو جشن آزادی کی تقریب بھی کراچی میں منعقد ہو رہی تھی جس میں شرکت کے لئے حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی کے ساتھ احصر کو بھی دعوت تھی چنانچہ میں اپنے بچوں کو اپنے نئی دہلی کے مکان پر چھوڑ کر ۶ اگست کو شیخ الاسلام کی معیت میں کراچی پہنچا اور یہ سلامتی کے ساتھ آنے والی گاڑیوں میں غالباً آخری گاڑی تھی ابھی پاکستان کے قیام میں چند روز باقی تھے میں نے اپنے تبلیغی دوست حاجی سعید اللہ ڈائریکٹر پوسٹ اینڈ ٹیلگرافس سندھ کے مکان کراچی میں تقریباً ایک ماہ قیام کیا، اس دوران ہندوستان اور پاکستان کی فضا کافی کشیدہ ہو چکی تھی اور قتل عام کی وجہ سے تبدیلی آبادی کا فیصلہ بھی ہوچکا تھا، میرے بچے اپنے گھر کا کل اثاثہ چھوڑ کر بھائی صاحب کے بچوں کے ہمراہ ہوائی جہاز سے کراچی پہنچے اور کراچی کو وطن بنانا طے ہوا۔ (بحوالہ اخبار جہاں)

دستورِ اسلامی کے لئے عظیم جدوجہد ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو دنیا کے نقشے پر سب سے بڑی اسلامی مملکت کا رنگ اُبھرا، تقسیم ملک کے بعد ہندوؤں اور سکھوں نے جس وحشت اور

بربریت کامظاہرہ کیااور تاریخ کے صفحات میں جس خونی باب کااضافہ کیااس نے وقتی طور پر مسلمانوں کے فکرو ذہن کو مفلوج کردیالیکن جب سات آٹھ ماہ گزرے اور مسلمانوں کو کچھ ہوش آیا تو انھیں فکر ہوئی کہ جس غرض کے لئے پاکستان بنایا تھا جس کی خاطر لاکھوں مسلمانوں نے جان ومال کی قربانی دی، ہزاروں خاندانوں کی بربادی برداشت کی گئی، اب اس مقصد کو بروئے کار لایا جائے وہ مقصد یہ تھا کہ پاکستان کا دستور قرآن وسنت کی اساس پر قائم ہو، اس مملکت خداداد کے کروڑوں مسلمان اسلامی نظام کی برکات کامشاہدہ کریں اس کے ثمرات سے بہرہ ور ہوں اور اس دور کی بھٹکی ہوئی انسانیت کے لئے نشانِ راہ بن سکیں۔

اس عظیم جدوجہد کا آغاز سب سے پہلے شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے کیا جو تحریک پاکستان میں قائداعظم اور جنھیں بانیانِ پاکستان میں سے ہونے کا فخر حاصل تھا۔ علامہ عثمانی نے چند اہل علم ودانش کے مشورے سے یہ فیصلہ کیاکہ پاکستان کادستور کتاب وسنت کی روشنی میں مرتب کرنے کے لئے ایک خاکہ تیار کیا جائے جو دستور ساز اسمبلی کے سامنے پیش کیا جاسکے، باہمی مشورے سے اس کام کی انجام دہی کے لیئے چار علماء کے نام تجویز ہوئے لینے کیلئے مولانا احتشام الحق تھانوی گئے ان علماء میں علامہ سید سلیمان ندویؒ مولانا مفتی محمد شفیع، سید مناظر احسن گیلانی اور ڈاکٹر حمید اللہ شامل ہیں۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع، سید مناظر احسن گیلانی اور ڈاکٹر حمید اللہ شامل ہیں۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ صدر مفتی دار العلوم دیوبند تھے اور حضر مولانا سید مناظر احسن گیلانی "بڑے محقق" اور قانونِ اسلامی کے ماہر تھے حضرت مولانا ڈاکٹر حمید اللہ حید آبادی صاحب بھی بڑے محقق اور ماہرِ قانون تھے لیکن اتفاق سے اس وقت ان میں سے کوئی بھی پاکستان میں موجود نہ تھا، سب کے سب بھارت میں تھے، ان حضرات کو پاکستان آنے کی دعوت دی گئی، سید صاحب تواس وقت نہ آسکے باقی تینوں حضرات کام کی اہمیت کے پیشِ نظر پاکستان آگئے اور وسط ۱۹۴۸ء سے ایک دستوری خاکہ مرتب کرنے میں مصروف ہوگئے، تین ماہ کے مختصر عرصہ میں حضرت شیخ الاسلام علامہ عثمانی کی زیر ہدایت دستوری خاکہ مرتب کیا گیا باقی حضرات بھارت چلے گئے لیکن حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کو کراچی روک لیا گیا کیونکہ ان کا کام تکمیل کیلئے ان کا پاکستان میں رہنا اشد ضروری تھا، علماء اور ارکانِ دستور کے درمیان اسلامی آئین کے ضامن صرف قائداعظمؒ ہی تھے انھوں نے اگرچہ اپنی ایک ملاقات میں شیخ الاسلام علامہ عثمانی اور انکے رفیق خاص مولانا ظفر احمد عثمانی کو یہ یقین دہانی کرائی تھی کہ۔

میں پاکستان کے مقدمے میں مسلمانوں کا وکیل تھا اللہ تعالیٰ نے ان کو اس مقصد میں کامیاب کیا، انھیں پاکستان مل گیا میرا کام ختم ہوا۔ اب مسلمانوں کی اکثریت و جمہوریت کو اختیار حاصل ہے کہ جس طرح کا چاہے نظام قائم کرے اور چونکہ پاکستان میں غالب اکثریت مسلمانوں کی ہے تو اسکے سوا کوئی دوسری صورت ہو ہی نہیں سکتی کہ یہاں نظامِ اسلامی قائم ہو"

عوام اور علماء دونوں کی اُمیدیں قائداعظم کی ذات سے وابستہ تھیں مگر قدرت کو پاکستانی مسلمانوں کا ایک اور امتحان مقصود تھا، قائداعظم ۱۱ ستمبر ۱۹۴۸ء کو خالق حقیقی سے جاملے۔ شیخ الاسلام علامہ عثمانی نے ہی نمازِ جنازہ پڑھائی اور اپنے عظیم ساتھی کی جدائی سے نڈھال ہو گئے لیکن علامہ عثمانی نے ہمت نہ ہاری اگرچہ جو علامہ عثمانی نے پاکستان کے دستور کو قرآن و سنت کے سانچہ میں ڈھالنے کے لئے ابتدائی کام کیا تھا اسکو شدید دھچکا لگا مگر علامہ عثمانی اور اُن کے رفقاء اس حادثے سے تھک ہار کر نہیں بیٹھے انھوں نے اپنا وطن، گھربار اور عزیز و اقارب، ذاتی اغراض کی خاطر نہیں چھوڑے تھے وہ اس ملک میں اسی دستور اور اسی نظام کو سربلند دیکھنا چاہتے تھے جس کے نام پر یہ ملک بنا تھا، شیخ الاسلام علامہ عثمانی دستور ساز اسمبلی میں اس ارادے کے ساتھ داخل ہوئے تھے کہ اپنی طاقت کی حد تک اسلامی دستور کے لئے کوشش کریں گے۔ ایک مرحلہ ایسا بھی آیا کہ اربابِ اقتدار کے مایوس کن طرزِ عمل کے خلاف احتجاجاً مستعفی ہو جائیں"

قراردادِ مقاصد

ایوانِ اقتدار میں جو لوگ ہر گھڑی اسلام کا نام لیتے تھے مگر زیرِ زمین ان کی کوشش یہ تھی کہ اسلام کو ملکی، سیاسی اور عملی زندگی میں آنے سے روکا جائے حضرت شیخ الاسلام علامہ عثمانی کی طبع زیرک اُن سیاستدانوں کے تیور بھانپ گئی تھی، ان کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے کے لئے ۱۰،۹ فروری ۱۹۴۹ء کو ڈھاکہ میں جمعیت علماء اسلام کی ایک کانفرنس بلائی گئی، شیخ الاسلام علامہ عثمانی نے بصیرت افروز خطبہ صدارت پڑھا اور اربابِ حکومت کے عزائم پر سے پردہ اُٹھایا، لیاقت علی خان مرحوم وزیرِ اعظم تھے علامہ عثمانی کو عوام میں جو بے پناہ مقبولیت اور مرکزیت حاصل تھی اُنھیں اپنے الیکشن میں اس کا بخوبی اندازہ ہو چکا تھا خدا نے اُنھیں ایسا سحر آفریں انداز خطابت عطا کیا تھا کہ لاکھوں کے مجمع میں آگ لگا دیتے تھے۔ لیاقت علی خان نے اندازہ لگایا کہ اگر علامہ شبیر احمد عثمانیؒ بگڑ گیا تو ملک میں ایک طوفان اُٹھ کھڑا ہو گا جسے کوئی روکنے والا نہیں ہو گا اور خود علامہ نے اسمبلی کو یہ چیلنج کیا کہ

آپ کُھل کر انکار کردیں کہ ہم اسلامی دستور نہیں بنانا چاہتے ہیں اسمبلی سے استعفار دونگا اور مسلمانوں کو بتاؤنگا کہ تمہیں دھوکا دیا گیا ہے۔ یہ صورت حال دیکھ کر لیاقت علی خان مرحوم نے علامہ عثمانی سے قرار دادِ مقاصد کا مسودہ تیار کرنیکی درخواست کی، شیخ الاسلام عثمانی نے ان کی درخواست پر اپنے رفقار کار مولانا ظفر احمد عثمانی، مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ، مولانا مناظر احسن گیلانیؒ، مولانا محمد ادریس کاندھلوی اور مولانا احتشام الحق تھانویؒ جیسے ماہر علمار کے تعاون سے قرار دادِ مقاصد کا مسودہ تیار کیا جو مختصر ہونے کے باوجود انتہائی جامع تھا، ارباب اقتدار کی بحث و تمحیص کے بعد ۱۲ مارچ ۱۹۴۹ ار کو دستور ساز اسمبلی نے معمولی ترجیحات کے ساتھ پاس کیا، قرار دادِ مقاصد کی منظوری شیخ الاسلام علامہ عثمانی اور رفقار کار کا عظیم کارنامہ رہا جو تاریخ پاکستان میں سنہری حروف سے لکھا گیا۔ مگر یہ ملک کی بد قسمتی تھی کہ قرار دادِ مقاصد کی منظوری کے بعد علامہ عثمانی زیادہ دیر اس دُنیا میں نہ رہ سکے کہ ان کی مساعی سے دستور اسلامی کی تدوین کے اگلے مراحل طے ہوتے، ابھی بنیادی اصول پر غور و فکر جاری تھا کہ علامہ کی صحت خراب ہو گئی اور ۱۳ دسمبر ۱۹۴۹ ار کو آپ نے جان، جانِ آفرین کے سپرد کردی۔

جناب مولانا احترام الحق تھانوی تحریر فرماتے ہیں کہ۔

"پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد سب سے بڑا اور اہم کام اس کے دستور کی ترتیب و تشکیل کا مسئلہ تھا اس کے لئے حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی نے جس مہم کا آغاز فرمایا تھا اس میں سب سے اہم کردار مولانا احتشام الحق تھانویؒ رحمتہ اللہ علیہ کے حصہ میں آیا اور جس مقصد کے لئے پاکستان معرض وجود میں آیا تھا اُس مقصد کو پُورا کرانے کے لئے اُنھوں نے شب و روز محنت کی، یوں تو مولانا کی کتاب زندگی کا ہر ورق تابناک ہے لیکن مملکت خداداد پاکستان میں ان کے جن کارناموں کی وجہ سے ان کے نیک نام کو بقار دوام کی عظمت و شہرت حاصل ہوئی اور اس ملک کی تاریخ جن کے تذکرے کے بغیر ناتمام رہے گی ان میں سب سے بڑا کارنامہ قرار دادِ مقاصد کی منظوری ہے۔ تنہا یہی ایک کارنامہ ان کے تمام کارناموں پر بھاری ہے اور دنیا و آخرت میں ان کی سرخروئی اور سعادت دارین کا ضامن ہے، قیام پاکستان سے قبل پارلیمنٹ کی جامع مسجد نئی دہلی میں ان کو خطابت کا جو زریں موقع ملا تھا اور تمام مسلمان اراکین پارلیمنٹ سے ان کے جو قریبی روابط رہے تھے اور اس اعلیٰ حلقہ میں انھیں جو سیاسی و مذہبی اثر و رسوخ حاصل تھا، اس کا استعمال انھوں نے بہترین طریقہ پر کیا اور اپنے وسیع تعلقات کی بنا پر وہ ایک ایسا مسودہ قانون منظور کرانے میں کامیاب ہو گئے جو اِس ملک کی دستور سازی میں سنگِ میل ثابت ہوا۔ یہ گویا حرفِ آخر تھا اس کتاب دستور کا جسے اس ملک میں نافذ ہونا تھا اور حقیقت یہ ہے کہ وطنِ عزیز میں اسلامی دستور کی طرف جتنی پیش رفت بعد کے

ادوار میں ہوئیں اس میں اسلامی تشخص کا تمام تر سہرا اسی قراردادِ مقاصد کے سر بندھتا ہے بلاشبہ قراردادِ مقاصد کے ذریعہ ملک کی دستوری اور آئینی جہت کو متعین کرنے میں بڑی مدد ملی، ۵۶، ۶۲ء اور ۷۳ء کے دساتیر میں قراردادِ مقاصد کی روح پوری طرح کارفرما رہی۔

تعلیماتِ اسلامی بورڈ قراردادِ مقاصد کی منظوری کے بعد پاکستان کا دستور کتاب و سنت کے مطابق بنانا لازمی ہوگیا اس عظیم کام کے لئے ماہرین کی ضرورت تھی شیخ الاسلام علامہ عثمانی نے ۱۹۴۹ء میں جس بورڈ کی تجویز پیش کی تھی، اربابِ حل و عقد نے اسکی منظوری دے دی بورڈ کی صدارت کے لئے نظرِ انتخاب قدیم علوم کے جامع اور حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کے خلیفہ، خاص علامہ سلیمان ندویؒ پر پڑی سید صاحب اس وقت بھوپال میں قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) کے عہدے پر فائز تھے۔ لیاقت علی خان مرحوم نے سید صاحب سے خط و کتابت شروع کی اسی سال وزیر داخلہ خواجہ شہاب الدین حج کے موقع پر خیر سگالی وفد لے کر حجاز گئے، علامہ سید سلیمان ندویؒ بھی بھارت سے حج کیلئے وہاں آئے ہوئے تھے، خواجہ صاحب نے وہاں سید صاحب سے متعدد ملاقاتیں کیں مگر ان کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا بالآخر لیاقت علی خان نے مولانا احتشام الحق تھانوی کو علامہ سید سلیمان ندوی کو پاکستان آنے اور تعلیماتِ اسلامی بورڈ کی صدارت قبول کرنے پر آمادہ کرنے کے لئے بھوپال بھیجا، مولانا احتشام الحق تھانوی اُس اہم مشن پر بھوپال گئے اور آپ نے حضرت علامہ سید سلیمان ندوئی کو پاکستان میں دستور اسلامی کی تدوین میں تعاون کرنے بلکہ اس کی نگرانی و سرپرستی قبول کرنے پر آمادہ کرلیا۔ سید صاحب جون ۱۹۵۰ء میں پاکستان چلے آئے۔

لیاقت علی خان مرحوم نے مروجہ قوانین کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کے لئے ایک لاء کمیشن مقرر کیا، جسٹس رشید، جسٹس میمن اور سید صاحب رکن منتخب ہوئے۔ ماہر فقہ اسلامی کی حیثیت سے مفتی محمد شفیع صاحب کو بھی کمیشن کا رکن بنایا گیا۔ لیکن بورڈ کی رپورٹ اور سفارشات اربابِ اقتدار کی طبعِ نازک پر گراں گزریں، انھوں نے اسے رازِ سربستہ بنادیا اور اتنی بھی زحمت گوارا نہ کی کہ عمل نہ سہی، کم از کم عوام کی آگاہی کے لئے اس رپورٹ ہی کو شائع کردیا جائے۔ اسلام کے نام لیواؤں کا اصل مقصد تو اسلامی اداروں کی نمائش تھی ان کی دلی خواہش یہ تھی کہ نام اسلام کا رہے مگر کام کوئی اسلام کا نہ ہونے پائے۔ بعض اربابِ اقتدار نے یہ کہنا شروع کیا کہ بورڈ کوئی معقول اور قابلِ عمل رپورٹ پیش نہیں کرسکا۔ اخبارات اور علماء نے مطالبہ کیا کہ اگر یہ دعویٰ صحیح ہے تو تعلیماتِ اسلامی بورڈ کی رپورٹ شائع کی جائے تاکہ عوام خود فیصلہ کرسکیں کہ رپورٹ قابلِ عمل ہے یا نہیں مگر اس

سے اسلام کے نام لیواؤں کا بھرم کھل جاتا اس لئے اُسے شائع کرنیکی اجازت نہیں دی گئی۔ علماء کو یہ بھی طعنہ دیا گیا کہ وہ کسی ایک بات پر متفق نہیں ہیں اس لئے لوگوں کے سامنے کوئی اسلامی دستوری خاکہ پیش کرنا بے سُود ہے۔

مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "

پاکستان کے معرضِ وجود میں آتے ہی پاکستان کو عوامی امنگوں کے مطابق اسلامی سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کا آغاز ہوگیا اور لیاقت علی خان کے ایماء پر شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے اپنے رفقاء کے تعاون سے اسلامی آئین کا خاکہ تیار کرنے کا فیصلہ کیا اسی مقصد کے لئے مجھے ہندوستان بھیجا تاکہ میں علامہ سید سلیمان ندویؒ، مولانا مناظر احسن گیلانی، مفتی محمد شفیعؒ اور ڈاکٹر حمید اللہ کو پاکستان لاسکوں چنانچہ اول الذکر تینوں حضرات فوراً پاکستان پہنچے اور تین ماہ شب و روز کام کرنے کے بعد اسلامی آئین کا خاکہ تیار کر لیا گیا۔ انہی دِنوں مرکزی اسمبلی میں قرار دادِ مقاصد منظور کرائی گئی جس کی تیاری کے لئے شیخ الاسلام علامہ عثمانی اور اُن کے رفقاء نے دن رات ایک کردیئے تھے، مجھے یاد ہے کہ قرار دادِ مقاصد کی مخالفت صرف اقلیتی فرقوں اور سوشلسٹوں نے کی تھی۔ مشرقی پاکستان کا کوئی ایک مسلمان ممبر بھی ایسا نہیں تھا جس نے مخالفت میں حصہ لیا ہو۔ دوسری بڑی کامیابی یہ ہوئی کہ بورڈ آف تعلیمات اسلامیہ کا قیام عمل میں آیا اس کی تشکیل اور ارکان کا انتخاب قطعی طور پر شیخ الاسلام کی مرضی سے ہوا اور بورڈ کی ذمہ داری یہ قرار پائی کہ ملک میں کوئی قانون قرآن و سنت کے منافی جاری نہ ہونے پائے گا اور ہر آئینی سازی اور قانونی مسئلہ کو قرآن و سنت کی روشنی میں جانچ پرکھ کر رائے دے، آئین سازی کا سلسلہ ابھی جاری تھا کہ شیخ الاسلام کا انتقال ہوگیا اور اسی مرحلے پر اسلام اور اسلامی آئین کیلئے لیاقت علی خان کا اضطراب کھل کر سامنے آیا وہ حضرت شیخ الاسلام کے وصال پر سخت پریشان تھے چنانچہ اُنھوں نے علامہ سید سلیمان ندوی کو بلوانے کا فیصلہ کیا جو ابھی تک ہندوستان میں تھے اس غرض کے لئے مجھے منتخب کیا، میں نے کہا کہ شاید ہندوستان مجھے ویزانہ دے تو اُنھوں نے فرمایا کہ ہم آپ کو سفارتی نمائندے کی حیثیت سے بھیجیں گے لیکن میں نے اس طرح جانے سے انکار کیا اور کہا کہ مولانا ندوی اُس وقت جدہ میں ہیں، اگر فوری طور پر پاسپورٹ اور ویزا بنادیا جائے تو میں جدہ میں جاکر انھیں لے آؤنگا، چنانچہ لیاقت علی خان نے متعلقہ حکام کو رات گئے احکام جاری کئے اور دو گھنٹے کے اندر اندر تمام ضروری کاغذات مرے ہاتھ میں تھے مگر اس سے پہلے کہ میں جدہ روانہ ہوتا اطلاع ملی کے مولانا ندوی بمبئی پہنچ چکے ہیں چنانچہ مجھے ہندوستان بھیجا گیا اور میں نے مولانا سید سلیمان ندوی سے

ملاقات کر کے انھیں پاکستان آنے کی دعوت دی جو اُنھوں نے قبول فرمائی اور وہ پاکستان چلے آئے پھر لیاقت علی خان نے مروجہ قوانین کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کے لئے اسلامی تعلیمات بورڈ قائم کیا جسکا صدر مولانا سید سلیمان ندوی کو منتخب کیا گیا اور اراکین میں مولانا مفتی محمد شفیع صاحب جیسے ماہر فقہ اسلامی کو بورڈ میں شامل کیا گیا لیکن بورڈ کی رپورٹ اور سفارشات ارباب اقتدار کو گراں گزریں اور مسودہ اسلامی کو انھوں نے راز سربستہ بنا دیا اور علماء کو باہمی اختلافات کا طعنہ دیا گیا۔ (تذکرہ خطبہ طیب الامت)

تاریخی بائیس ۲۲ نکات

جب علماء کو یہ طعنہ دیا گیا کہ وہ کسی ایک دستور پر متفق نہیں ہو سکتے تو طبقہ علماء میں سے خطیب پاکستان حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس چیلنج کو قبول کیا اور اُنھوں نے مختلف مکاتب فکر کے جید علماء کو اپنی قیام گاہ کراچی میں مدعو کیا تاکہ ایک ایسا دستور مملکت تیار کیا جاسکے جس پر علماء کرام کا ہر فرقہ متفق ہوا اور تین چار دن کے مختصر ترین عرصہ میں بنیادی اصولوں کی تکمیل کے بعد اسے شائع کر کے یہ بتا دیا جائے کہ الحمد اللہ آپس کے اختلافات کے باوجود آج بھی اسلام کے نام لیوا اسی نظام حکومت کو ترجیح دیتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی غرض کے مطابق ہو۔ اِس سلسلہ میں جناب مولانا محمد میاں صدیقی صاحب فرماتے ہیں کہ"

مولانا احتشام الحق تھانوی کی مساعی سے کراچی میں مختلف مکاتب فکر کے علماء کا ایک نمائندہ اجتماع ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴ جنوری ۱۹۵۱ء کو منعقد ہوا جس میں مشرقی و مغربی پاکستان کے ۳۱ جید علماء نے شرکت کی، اس اجتماع میں آئین پاکستان کو قرآن و سنت کے سانچے میں ڈھالنے کے لئے مختلف الخیال علماء کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنا اور انھیں ایک فارمولے پر متفق کرنا بہت مشکل کام تھا مگر مولانا احتشام الحق تھانوی کی ہمت بلند نے اس مشکل کام کو آسان بنا دیا اور وہ ملک کے مختلف الخیال علماء کو یکجا بٹھانے میں کامیاب ہو گئے اس اجتماع میں مشرقی و مغربی پاکستان کے ۳۱ علماء نے شرکت کی اور اس اجتماع کے تمام مکاتب فکر کی ملکی نمائندگی حاصل ہوئی اس اجتماع میں حسب ذیل علماء نے شرکت کی۔

(۱) علامہ سید سلیمان ندویؒ، کراچی (۲) مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی کراچی۔
(۳) مفتی محمد حسن صاحب مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور (۴) مولانا احمد علی لاہوریؒ
(۵) مولانا اطہر علی (۶) مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ (۷) مولانا خیر محمد جالندھری
(۸) مولانا احتشام الحق تھانوی (۹) مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ۔

(۱۰) مولانا شمس الحق فرید پوریؒ (۱۱) مولانا محمد یوسف بنوریؒ

(۱۲) مولانا بدر عالم میرٹھیؒ (۱۳) مولانا شمس الحق افغانیؒ

(۱۴) مولانا قاضی عبدالصمد سربازی (۱۵) مولانا ابو جعفر صالح

(۱۶) مولانا حبیب اللہ گھہڑی (۱۷) مولانا محمد صادق کراچی

(۱۸) مولانا راغب احسن مشرقی پاکستان (۱۹) مولانا محمد حبیب الرحمن مشرقی پاکستان

(۲۰) مولانا محمد علی جالندھری (۲۱) مولانا عبدالحامد بدایونی

(۲۲) مولانا مفتی صاحب داد کراچی (۲۳) پیر محمد ہاشم مجددی سندھ

(۲۴) مولانا محمد داؤد غزنوی (۲۵) مولانا محمد اسماعیل سلفی لاہور

(۲۶) مفتی جعفر حسین مجتہد (۲۷) مفتی کفایت حسین مجتہد

(۲۸) پیر محمد امین الحسنات مانکی شریف (۲۹) حاجی خادم الاسلام محمد امین سرحد

(۳۰) مولانا ظفر احمد انصاری کراچی (۳۱) پروفیسر عبدالخالق کراچی

ملک کے تمام مذہبی مکاتب فکر کے اِن مقتدر رہنماؤں نے متفقہ طور پر اسلامی مملکت کے لئے رہ نما بنیادی اصول مرتب کر کے اتحاد و اتفاق کی بے مثال یادگار قائم کی، جس کام کو ارباب بست و کشاد جن کے پاس تمام وسائل کی فراوانی تھی، چار برس کی مدت میں پورا نہ کر سکے، ان علماء نے جو تمام تر مادی ذرائع سے محروم تھے، صرف چار روز میں مکمل کر کے قوم کے سامنے رکھ دیا وہ لیڈرانِ قوم جو علماء کو سیاست، اور اُمورِ مملکت سے بے بہرہ ہونے کا طعنہ دیتے تھے وہ علماء کی پیش کردہ بنیادی سفارشات پر چونک گئے اور مسٹر بہروہی جیسے دانشوروں کے لئے بھی، جو یہ دعویٰ کرتے تھے کہ "قرآن میں دستورِ مملکت کے لئے ایک لفظ بھی موجود نہیں" غور و فکر کا باب کھل گیا۔

حضرت مولانا خالد محمود صاحب فرماتے ہیں کہ۔

مولانا احتشام الحق تھانوی مرحوم نے ہمیشہ اسلام کی خدمت کی، قیام پاکستان کے بعد جب حکومت نظامِ اسلامی سے گریز پائی کرنے والے مسلمانوں کے باہمی اختلافات کو نظامِ اسلام کے نفاذ کا ایک بہانہ بنا رہی تھی تو مولانا نے حکومت کے اس چیلنج کو قبول کیا اور کراچی میں اپنی قیام گاہ پر مختلف مکاتب فکر کے علماء کی ایک نمائندہ میٹنگ بلائی، کافی بحث و تمحیص اور محنت و عرق ریزی کے بعد وہ مشترکہ دستوری خاکہ تیار ہوا جس پر تمام مکاتب فکر متفق ہوئے۔ یہ اکتیس ۳۱ علماء کا تاریخی فیصلہ کہلاتا اور بارہا چھپ چکا ہے یہ ۲۲ نکاتی خاکہ ان لوگوں کا منہ بند کرنے کے لئے کافی ہے جو فرقہ دارانہ اختلاف کی آڑ میں اسلامی نظامِ زندگی سے بھاگنا چاہتے ہیں۔ اس میٹنگ میں دیو بندی، بریلوی،

اہلحدیث اور شیعہ کے اکابر علماء شامل ہوئے مولانا مودودی مرحوم نے اپنے مکتب فکر کی نمائندگی خود کی علماء کی اس نمائندہ میٹنگ کو بلانے کا سہرا مولانا تھانوی مرحوم کے سر بندھا، مولانا کا یہ تاریخی کارنامہ ہے جو رہتی دنیا تک مثال رہے گا۔

جناب علامہ محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں کہ ":

مولانا احتشام الحق صاحب نظریۂ پاکستان اور دو قومی نظریے کے زبردست مناد تھے وہ کٹر پاکستانی تھے اور اس معاملے میں اُنھوں نے کبھی کسی مداہنت یا مصالحت کو گوارا نہ کیا۔ اُنھوں نے شرعی احکام کی تشریح کے سلسلے میں بھی ہمیشہ تصلب کا مظاہرہ فرمایا اور شریعت میں تحریف و ترمیم کی کسی کوشش و سازش کو قبول نہیں کیا۔ ۱۹۵۱ء میں ۳۱ علماء کا جو شہرہ آفاق اجتماع ہوا اور جس میں تمام مکاتبِ فکر کے علماء نے متفق ہو کر ملک کے بائیس ۲۲ دستوری نکات مرتب کئے نیز ۵۲ء میں انہی علماء کے جس اجتماع نے جو دستوری ترمیمات مرتب کیں وہ ملک میں دینی جدوجہد کی تاریخ کا انتہائی اہم واقعہ تھا، ان دونوں اجتماعات کے داعی مولانا احتشام الحق تھانوی مرحوم تھے اور زیادہ تر مولانا ہی کی مساعی کا نتیجہ تھا حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمتہ اللہ علیہ اپنی خود نوشت سوانح میں فرماتے ہیں کہ

تعلیماتِ اسلامی بورڈ کے قیام کے بعد جب حکومت کی جانب سے پہلا مسودہ آئین سامنے آیا تو وہ قطعاً غیر اسلامی تھا اس پر ملک بھر سے مختلف مکاتب فکر کے ۳۱ علماء کرام کراچی میں جمع ہوئے اور احقر ہی کی دعوت پر یہ اجتماع ہوا تھا انھوں نے ۲۲ نکات مرتب کر کے حکومت کو پیش کئے کہ پاکستان کا دستور ان بنیادوں پر مرتب کیا جائے، علماء کا یہ اجتماع پاکستان کی تاریخ کا ایک اہم باب ہے۔ یہ اجتماع میری دعوت پر منعقد ہوا تھا اور اس اعتراض کا جواب تھا کہ یہاں کونسا اسلام رائج کیا جائے۔ اس کے بعد ہم نے ملک بھر میں نظام اسلام کانفرنس منعقد کیں بعد ازاں حکومت نے نیا دستوری مسودہ شائع کیا۔ اس میں اسلام کے بنیادی اصول بڑی حد تک آگئے تھے مگر کچھ باتیں ترمیم طلب تھیں، علماء دوبارہ میری قیام گاہ کراچی میں جمع ہوئے اور ایک ایک آرٹیکل پر اپنی سفارشات مرتب کر کے حکومت کو بھجوائیں، نتیجتہً ۱۹۵۶ء کا آئین سامنے آیا جس میں یہ واضح کر دیا گیا تھا کہ پاکستان میں اسلام کا معاشی و مالیاتی نظام نافذ کیا جائیگا اور اس سلسلہ میں پانچ سال مہلت رکھی گئی تھی لیکن قوم کی بد قسمتی کہ اس پر عمل نہ ہو سکا اور ۱۹۵۸ء میں اس آئین سے وفاداری کا حلف اٹھانے والے ایوب خان نے اسے منسوخ کر دیا۔

مولانا احترام الحق تھانوی تحریر فرماتے ہیں کہ۔

"مولانا احتشام الحق تھانوی رحمتہ اللہ علیہ کا قرار داد مقاصد کے بعد دوسرا عظیم کارنامہ جو تاریخِ اسلام میں سنہری حروف سے لکھا جائیگا۔ وہ مختلف مکاتب فکر کے نامور اکتیس ۳۱ علماء کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنا تھا جنھوں نے اپنے متفقہ ۲۲۔ نکات کے ذریعہ اسلامی خطوط وضع کئے۔ مغرب زدہ افراد ہمیشہ یہ اعتراض اُٹھاتے تھے کہ ملک میں اسلامی دستور کی بنیاد کیا ہو جبکہ مسلمان بہت سے فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں، اس اعتراض کا دندان شکن جواب مولانا احتشام الحق تھانوی نے اس مثبت انداز میں دیا کہ شب و روز کی کوششوں سے مختلف علماء کا نمائندہ اجتماع کراچی میں بلوایا اور سب علماء نے مل کر اتفاق رائے سے اسلامی آئین کے راہنما اصول وضع کئے۔ اس اجتماع میں ایک بڑی رکاوٹ اسلام کی اجارہ دار ایک سیاسی جماعت کے رہ نما کی انا تھی لیکن مولانا تھانوی مرحوم نے بمصداق

لائے اس بت کو التجا کر کے
کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے

اس مشکل مرحلہ کو اپنے حسن تدبر سے مولانا مرحوم نے حل کیا اور یوں ہمیشہ کیلئے ان لوگوں کا منہ بند کر دیا جو علماء کے اختلاف کو بہانہ بنا کر اسلامی دستور کی گریز کی راہیں تلاش کرتے تھے۔
(تذکرہ خطیب الات ۲۶۰)

نظام اسلام کانفرنس دستور اسلامی کی تدوین و نفاذ کے سلسلے میں ہونے والی کوششوں میں اربابِ اقتدار میں خان لیاقت علی خان پیش پیش تھے۔ کیونکہ علماء کا متفقہ فارمولا ان کی پیش کردہ قرار دادِ مقاصد کے عین مطابق تھا مگر بد قسمتی سے شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمتہ اللہ علیہ سے محرومی کے بعد ۱۶ اکتوبر ۱۹۵۱ء میں قوم خان لیاقت علی خان جیسے مخلص رہنما سے بھی محروم ہو گئی وہ ایک گہری سازش کے تحت شہید کر دیئے گئے ان کی نماز جنازہ کراچی میں مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی ہی نے پڑھائی۔ لیاقت علی خان کی شہادت کے بعد خواجہ ناظم الدین وزارت عظمہ کے منصب پر فائز ہوئے۔ خواجہ ناظم الدین اور سردار عبدالرب نشتر جیسے چند ایک رہنماؤں کے سوا جو ملک، قوم اور مذہب سبھی کے لئے مخلص تھے، زمام اقتدار ایسے ہاتھوں میں آنا شروع ہو گئی جو مذہب کو اپنے محلوں سے بہت دُور رکھنا چاہتے تھے انھیں ملک و قوم کے مفاد سے زیادہ اپنا ذاتی مفاد عزیز تھا بالفاظ دیگر یوں کہیئے کہ پاکستان کے انتظامی ڈھانچے پر نوکر شاہی کی گرفت کا آغاز ہو گیا۔

حالات پر مایوسی کے دبیز پردے گرتے دیکھے تو پھر شیخ الاسلام علامہ عثمانی کے رفقاء سرگرم عمل ہوئے اور ۱۴، ۱۵ نومبر ۱۹۵۲ء کو مولانا احتشام الحق تھانویؒ ناظم اعلیٰ مرکزی جمعیت علماء اسلام

پاکستان کی زیر صدارت ڈھاکہ میں ایک عظیم الشان نظام اسلام کانفرنس منعقد کی گئی۔ اس کانفرنس میں پچاس ہزار علماء اور ایک لاکھ سے زائد مسلمانوں نے شرکت کی، علماء اور مسلمانوں کے اس عظیم اجتماع نے حکومت کو صاف الفاظ میں بتایا کہ "کوئی ایسا دستور قبول نہیں کیا جائیگا جو اسلام کے نام پر بنایا گیا ہو مگر اس کی روح سے خالی ہو"

علماء اور مسلمانوں کے اس نمائندہ اجتماع سے ایوانِ اقتدار میں زلزلہ آگیا ابھی اس کانفرنس کے اجلاس کا تیسرا دن نہیں گزرا تھا کہ خواجہ ناظم الدین وزیر اعظم پاکستان کی طرف سے اکابر علماء کے نام دعوت نامے جاری کئے گئے کہ آپ حضرات جلد از جلد کراچی پہنچیں تاکہ ۲۲ نومبر ۱۹۵۲ء کو جو دستور اسمبلی میں پیش کیا جارہا ہے اس پر غور و خوض کیا جائے" (تعمیر پاکستان و علمائے ربانی)

وزراء علماء مذاکرات چنانچہ وزیر اعظم پاکستان کی دعوت خاص پر ۱۹ نومبر ۱۹۵۲ء کو حسب ذیل علماء کرام گفتگو کے لئے کراچی پہنچے۔

(۱) شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ (۲) حضرت اقدس مفتی محمد حسن امرتسریؒ
(۳) شیخ الحدیث مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ (۴) مفتی اعظم مولانا محمد شفیع صاحبؒ
(۵) خطیب پاکستان مولانا احتشام الحق تھانویؒ (۶) حضرت مولانا اطہر علی صاحب سلہٹیؒ
(۷) حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ (۸) حضرت مولانا شمس الحق فرید پوریؒ
(۹) حضرت مولانا داؤد غزنویؒ (۱۰) حضرت مولانا مفتی دین محمد صاحب اور
(۱۱) حضرت مولانا عبدالحق صاحب رکوزہ ضلع پشاور۔

یہ تمام علماء کرام مقررہ وقت پر رات کے نو بجے (۱۹) نومبر ۱۹۵۲ء پرائم منسٹر ہاؤس پہنچے، خواجہ ناظم الدین وزیر اعظم پاکستان نے باہر آکر علماء کا استقبال کیا، مولانا احتشام الحق تھانوی نے ان علماء کا تعارف خواجہ صاحب سے کرایا، خواجہ ناظم الدین کے علاوہ اسپیکر اسمبلی مولوی تمیز الدین، سردار عبدلرب نشتر اور ان کے علاوہ دو اور مرکزی وزراء اور سیکریٹری مذاکرات میں شریک ہوئے۔ گفتگو کا سلسلہ رات کے دو بجے تک جاری رہا۔ سردار عبدالرب نشتر نے وزراء کی طرف سے گفتگو زیادہ ترکی اور علماء کی ترجمانی کا حق حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی نے ادا کیا۔ سردار نشتر اور مولوی تمیز الدین نے کتاب و سنت کے مطابق دستور مرتب کرنے کے سلسلے میں عملی اشکالات پیش کیں علماء کرام نے ان کے تسلی بخش جواب دیئے اور دستور اسلامی کے سیاسی، معاشی اور اقتصادی فوائد سے آگاہ کیا، تمام گفتگو میں افہام و تفہیم کی فضا قائم رہی۔ آخر میں خواجہ صاحب نے علماء کو یقین دلایا کہ۔

"آپ حضرات بے فکر رہیں انشاء اللہ علماء اور عوام کی خواہش کے مطابق آئین بنایا جائے گا"

خواجہ صاحب کے اس فقرے پر مولانا محمد ادریس کاندھلوی نے فرمایا"

"ہماری بھی دعا ہے کہ خدا آپ کو "ناظم دین" بنائے"

مولانا احتشام الحق تھانوی نے وزراء علماء کانفرنس کے اختتامی کلمات میں کھلے الفاظ میں وزراء کو بتلا دیا کہ اگر انھوں نے دستورِ اسلامی سے ایک انچ بھی انحراف کیا تو پاکستان میں ایک ایسا طوفان آئے گا کہ جس میں آپ کے اقتدار کی کرسیوں کا خاتمہ یقینی ہے۔

وزراء علماء کانفرنس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جس دستوری رپورٹ کو ۲۲ نومبر ۱۹۵۲ء کو پیش ہونا تھا اُسے ۲۲ دِسمبر تک کے لئے ملتوی کر دیا گیا اور پھر ۲۲ دسمبر کو جو دستوری خاکہ اسمبلی میں پیش کیا گیا وہ کافی حد تک اسلامی تھا۔

۱۱ جنوری ۱۹۵۳ء کو پھر اُن علماء کرام کا مولانا احتشام الحق صاحب کی قیام گاہ پر اجتماع ہوا جنھوں نے ۲۲ نکاتی فارمولا مرتب کیا تھا اب ۳۱ کے بجائے ۳۳ علماء جمع ہوئے، مولانا ظفر احمد عثمانی، مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی اور مولانا مفتی دین محمد ڈھاکہ کو بھی شریک کیا گیا، مولانا بدر عالم صاحب مدنیہ منورہ ہجرت کر جانے کے باعث شریک نہ ہو سکے۔ ۱۱ جنوری سے ۱۸ جنوری تک نو اجلاس ہوئے، مختلف اجلاس کی صدارت ان حضرات نے کی۔

۱۔ علامہ سید سلیمان ندوی۔ ۲۔ مولانا ظفر احمد عثمانی۔

۳۔ مفتی محمد حسن امرتسری۔ ۴۔ مولانا سید محمد داؤد غزنوی

۵۔ مولانا ابوالحسنات قادری۔

اس اجتماع میں علماء کرام نے چند اہم ترمیمات کے ساتھ نئے دستور کی تائید کی اس کے بعد دستور سازی کن مراحل سے گزری، دستور یہ توڑی گئی، ۱۹۵۶ء کا آئین پاس ہوا، اسے ناکام بنانے کی سازش ہوئی۔ ۱۹۵۸ء میں مارشل لاء آیا اور پھر تیرہ برس سے بھی زائد ملک پر غیر جمہوری حکومت مسلط رہی۔ یہ ایک طویل داستان ہے یہاں اس کے بیان کا نہ موقع ہے اور نہ گنجائش ہے۔ بہر کیف قیام پاکستان سے لے کر زندگی کے آخری مرحلے تک پاکستان میں اسلامی دستور کی تدوین و نفاذ کی کوئی کوشش اور تحریک ایسی نہ تھی جس میں مولانا احتشام الحق تھانوی نے عملی حصہ نہ لیا ہو، آپ نے علماء کے تمام مشترکہ اجتماعات میں بڑی سرگرمی سے شرکت کی اور تحریر و تقریر کے ذریعہ ہمیشہ کوشاں رہے کہ اس ملک میں اللہ کا قانون نافذ ہو اور اسلام کا بول بالا ہو۔ الغرض پاکستان میں دستور اسلامی کی جدوجہد میں مولانا کی عظیم خدمات تاریخ میں سنہرے حروف سے لکھی جائیگی۔

(تفصیلات کے لیئے حقر کی کتاب تحریک پاکستان اور علماء دیوبند)

دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہ یار کا قیام:- قیام پاکستان کے بعد نظام اسلام کی جدوجہد کے ساتھ ساتھ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے پاکستان میں بھی دارالعوم دیوبند کی طرز پر ایک مرکزی دارالعوم قائم کرنے کا فیصلہ فرمایا اور اس اہم کام کے لئے اپنے دستِ راست حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی کو منتخب کیا۔ ۹ محرم الحرام ۱۳۶۹ ھ مطابق یکم نومبر ۱۹۴۹ ء کے اواخر میں شیخ الاسلام علامہ عثمانی کے ایماء پر مولانا تھانویؒ نے پاکستان کے اہل علم و فضل اور دیندار حضرات کو اس مسئلہ پر سوچنے کے لئے ۲۰ نومبر ۱۹۴۹ ء کو کراچی آنے کی دعوت دی، اس دعوت پر کافی علماء تشریف لائے اور یہ اجتماع پاکستان کے علماء کا نمائندہ اجتماع تھا۔ حضرت شیخ الاسلام نے ایک مجلس شوریٰ ترتیب دی جس کے ممتاز ارکان میں حضرت مولانا عبدالرحمن کاملپوریؒ، حضرت مولانا مفتی شفیع دیوبندیؒ، حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ، حضرت مولانا سید بدر عالم مرٹھی مہاجر مدنیؒ۔ حضرت مولانا شاہ فخر الدین اور حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی شامل ہیں۔ اس اجتماع میں دارالعلوم کی ضرورت اور اس کی نوعیت، دارالعلوم کی بنیاد کے مقام کا انتخاب اور سرمایہ کی فراہمی وغیرہ اُمور پر غور کیا گیا۔ نظام اور مناسب و لائق حضرات کے انتخاب کے لیئے ایک کمیٹی مندرجہ بالا حضرات علماء پر مشتمل مقرر کی گئی۔ اس اجتماع کے بعد دارالعلوم کے عملاً قیام کے لئے صرف چند ماہ باقی رہ گئے تھے کہ اچانک حضرت شیخ الاسلام کی وفات کا ہمت شکن اور روح فرسا حادثہ پیش آگیا۔ اس چراغِ ہدایت اور آفتاب علم و عمل کے غروب ہوجانے سے علمی و دینی حلقے میں جو خلا پیدا ہوا، اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ حضرت شیخ الاسلام کی رحلت کے بعد خطرہ یہ تھا کہ اب دارالعلوم کے قیام میں ضعف پیدا ہوجائے گا اور شیخ الاسلام کی خواہش کو شاید عملی جامہ نہ پہنایا جاسکے گا مگر حضرت شیخ الاسلام کی اِس خواہش کو پورا کرنے کے لئے حضرت مولانا احتشام الحق صاحب میدان میں نکلے اور دارالعلوم کی تکمیل کا بیڑہ اُٹھایا اور الحمد للہ مولانا تھانویؒ کی سعی اور حسنِ تدبر سے بہت جلد حضرت شیخ الاسلام کی یہ خواہش پوری ہو گئی۔ ایک صاحب ثروت جناب حاجی محمد سومار صاحب مرحوم نے ۲۶ ایکڑ اراضی دارالعلوم کی بنیاد کے لئے وقف کرنے کی پیش کش کی جسے مجلس شوریٰ نے بخوشی منظور کر لیا اور اس طرح مولانا تھانویؒ کے ہاتھوں اس مرکزی دارلعلوم کا قیام عمل میں آیا جو پاکستان میں ثانی دارلعلوم دیوبند کی حیثیت اختیار کر گیا۔

اس سلسلہ میں صاحبزادہ مولانا قاری احترام الحق تھانوی فرماتے ہیں کہ"۔

" والد گرامی مولانا احتشام الحق تھانویؒ کے محاسن و کمالات میں ان کا یہ شرف و امتیاز بھی ہے کہ وہ دار العلوم دیوبند سے نسبت تلمذ رکھنے کے سبب دیوبند کے مکتبہ فکر کے بہت بڑے پاسبان تھے اور انھوں نے بھرپور کوشش کی کہ اس عظیم دینی درسگاہ کی روایات کو اس ملک میں زندہ رکھا جائے۔

دارالعلوم دیوبند تقسیم ہند کے بعد ہندوستان میں رہ گیا اور پاکستان میں اس مکتب فکر کی کوئی نمائندہ درسگاہ ملک میں موجودہ نہ تھی، مولانا تھانوی مرحوم کو اولیت کا یہ شرف حاصل تھا کہ سب سے پہلے انھوں نے دارالعلوم دیوبند کی طرز پر ایک عظیم الشان مدرسہ کا سنگ بنیاد رکھا اور حیدر آباد سندھ کے قریب ٹنڈوالہ کی چھوٹی سی بستی میں ایک وسیع و عریض قطعہ زمین پر دارالعلوم کی عمارت قائم ہوئی جہاں عین دیوبند کی روایات کے مطابق ملک و بیرون ملک سے طلبار جوق در جوق اکتساب فیض کے لئے آتے رہے۔ اب تو ایسے کئی دارالعلوم قائم ہو چکے ہیں لیکن قیام پاکستان کے فوراً بعد ۱۹۴۹ء میں اس عظیم درسگاہ کا قیام مولانا تھانوی مرحوم کی سچی لگن اور بے پناہ خلوص کا شاہکار ہے جو اُنھیں مسلکِ دیو بند اور اس مادرِ علمی سے تھا۔ مولانا نے دارلعلوم دیوبند سے اپنی وابستگی کو ہمیشہ اپنے شرف و عظمت کا طرہ افتخار سمجھا اور وہ دل و جان سے چاہتے تھے کہ پاکستان میں مسلک دیوبند کی نیک نامی کا پرچار رہے اور اس سے نسبت کو باعثِ فخر سمجھا جائے۔ ٹنڈوالہ یار کے دارالعوم کو دیوبند کے تعلیمی معیار کے مطابق بنانے کے لئے مولانا کو خاص تگ و دو کرنا پڑی۔ اساتذہ کا انتخاب ایک مشکل مرحلہ تھا جسے مولانا نے بڑی مشکل سے سر کیا اور اس درسگاہ میں برصغیر کے نامور علمار کو یکجا کر دیا ان مقتدر اور نامور علمار میں مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کے صدرالمدرسین حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنی، اُستاذ الحدیث حضرت علامہ مولانا ظفر احمد عثمانی، محدث عصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری، حکیم الامت تھانوی کے خلیفہ ارشد حضرت مولانا اشفاق الرحمن کاندھلوی اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد مالک کاندھلوی جیسے اساطین علم و فضل جمع ہوئے اور یوں دارالعلوم دیوبند کے طرز پر پاکستان میں سچ مچ ثانی دارلعلوم بن گیا۔ محل وقوع کے اعتبار سے وہ بستی جہاں دارلعلوم کا قیام عمل میں لایا گیا تھا۔ شہری ہنگاموں سے دور تھی جہاں پُرسکون تعلیمی ماحول میسر آسکتا تھا۔ اس کا رقبہ خاصا وسیع تھا جو ایک مخیر سندھی بزرگ حاجی محمد سوہار مرحوم نے دارلعلوم کے لئے وقف کیا تھا۔ چنانچہ اس مدرسہ کو مرکزیت کا وہ مقام حاصل ہوا کہ بہت تھوڑے عرصہ میں یہاں مشرقی پاکستان، افریقہ، برما، تھائی لینڈ، انڈونیشیا اور دیگر اسلامی ممالک کے طلبار کی خاصی تعداد داخل ہوئی، مولانا کے حُسن انتظام اور خوبی اہتمام نے اس مدرسہ کی عظمت کو چار چاند لگا دیئے اور دینی مدارس میں دیوبند کے دارلعلوم کی کمی کو اس عظیم درسگاہ نے بہت حد تک پورا کر دیا بلکہ یہاں کے بیشتر اساتذہ ایک حضرت علامہ قاری محمد طیب صاحب قاسمی کے استثنار کے ساتھ دارلعلوم دیوبند کے اساتذہ سے علم و فضل میں کہیں آگے تھے بہرحال یہ دارلعلوم مولانا کا عظیم صدقہ جاریہ ہے۔ (ماخوذ روزنامہ جنگ کراچی ۱۲ اپریل ۸۱ء)

جناب مولانا محمد مرتضیٰ عثمانی تحریر فرماتے ہیں کہ۔

پاکستان کی اولین اور منفرد درسگاہ دارلعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالٰہ یار خطیب الامت حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی نوراللہ مرقدہ کی ایک عظیم علمی و دینی یادگار ہے اور اس مادرِ علمی سے اکتساب فیض کرنے والے علماء نہ صرف پاکستان بلکہ دنیا کے بیشتر ممالک اور دور افتادہ علاقوں میں تبلیغ و اشاعتِ دین کا مقدس فریضہ بڑی خوش اسلوبی سے سرانجام دے رہے ہیں، بنگلہ دیش، افغانستان، ایران، متحدہ عرب امارات، برما، تھائی لینڈ، فلپائن، انڈونیشیا، الجزائر، یمن، حجاز، یوگنڈا، تنزانیہ، آسٹریلیا، یورپ، چین اور امریکہ کے متعدد ملکوں میں اس عظیم دینی درسگاہ سے نسبت تلمذ رکھنے والے علماء کی ایک کثیر تعداد موجود ہے۔ اور حضرت مولانا تھانوی مرحوم کے دور اہتمام میں دارلعلوم کی اکتیس ۳۱ سالہ تعلیمی تدریسی تبلیغی خدمات تاریخ اسلام اور تاریخ پاکستان کا ایک تابناک ورق ہے۔ حق تعالیٰ شانہ مولانا کی اس علمی یادگار کو ہمیشہ قائم و دائم رکھے آمین (ماخوذ تذکرہ خطیب الامت)

جامع مسجد جیکب لائن کراچی خطیب الامت حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی کی باقیات صالحات میں ایک نمایاں جامع مسجد جیکب لائن ہے قیام پاکستان کے فوراً بعد مولانا نے اس مسجد کی خطابت کی ذمہ داری سنبھالی تھی، اس زمانہ میں یہ ایک چھپر نما عمارت تھی جس کا رقبہ بھی محدود تھا اور جس کی ہیئت بھی بوسیدہ اور فرسودہ تھی، مولانا کو خطابت کا جو خداداد ملکہ حق تعالیٰ جل شانہ سے عطا ہوا تھا اس کی کشش نے بہت جلد لوگوں کے قلوب و اذہان کو مولانا کی طرف مائل کر دیا اور جمعہ کے اجتماعات میں یہاں اس قدر ہجوم ہونے لگا کہ دینی مذاق رکھنے والا شاید ہی کراچی کا کوئی ایسا شہری ہو گا جو نماز جمعہ کے لئے جیکب لائنز کی اس جامع مسجد کا رُخ نہ کرتا ہو، دیکھتے ہی دیکھتے مسجد کی کہنہ عمارت کی جگہ ایک خوبصورت تعمیر کا نقشہ اُبھرنے لگا اور آج جیکب لائنز کی مسجد کراچی کی خوبصورت ترین مساجد میں شمار ہوتی ہے، اُس وقت کی مسجد اور آج کی مسجد میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اس کی تعمیر اور توسیع میں مولانا تھانوی نے دن رات ایک کر دیئے تھے۔ مولانا نے اپنے حلقہ احباب اور کارکنوں میں دینی لگن اور خلوص کی روح پھونکی اور یہ مسجد مرجع خاص و عام ہے، مولانا مقناطیسی شخصیت اور سحر آفرین خطابت اور خلوص و للٰہیت کے نتیجہ میں ہی آج پاکستان کی چند عظیم اور شاندار مساجد میں شمار کی جاتی ہے۔

حضرت علامہ محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں کہ۔

" دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہ یار اور جامع مسجد جیکب لائن کراچی مولانا تھانوی کی قابلِ قدر یادگاریں ہیں، قیام پاکستان کے بعد مولانا کی مسجد اور اُن کا مکان مسلسل دینی اور سیاسی سرگرمیوں کا مرکز بنا رہا، ایک زمانے تک شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی حضرت مولانا محمد

حسن صاحب حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب حضرت علامہ سید سلیمان ندوی صاحب، حضرت مولانا خیر محمد جالندھری، حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنی، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی اور دوسرے ممتاز اکابر علماء کی مشاورت اکثر و بیشتر انہی کی قیام گاہ پر ہوتی رہی اور مولانا کی عظیم الشان مسجد میں ایک عجیب و غریب روحانی منظر ہمیشہ قائم رہتا تھا یہ سب مولانا کے خلوص کا ثمرہ تھا، خدا کرے مولانا کی یہ عظیم یادگاریں ہمیشہ باقی رہیں اور حق تعالیٰ ان کی خدماتِ جلیلہ کو شرفِ قبولیت بخشیں۔

(ماہنامہ ابلاغ کراچی)

جناب اقبال احمد صدیقی لکھتے ہیں کہ۔

قیام پاکستان کے بعد مولانا تھانوی مرحوم جیکب لائنز کراچی میں مقیم ہوئے جہاں ایک چھوٹی سی مسجد تھی، حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی اور حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی نے اس مسجد کو آباد کیا اسکی تعمیر و ترقی میں مولانا تھانوی مرحوم نے شب و روز محنت کی اور جلد ہی ایک عظیم الشان مسجد منظرِ عام پر آ گئی یہ سب مولانا کے خلوص کا ثمرہ تھا اِس عظیم الشان مسجد میں لاکھوں مسلمان نماز جمعہ پڑھنے آتے ہیں اور ہزاروں افراد پانچوں وقت اس میں حاضری دیتے ہیں اور ایک نرالا عجیب و غریب روحانی منظر ہمیشہ قائم رہتا ہے رمضان المبارک کی راتوں میں اسکی سج دھج کچھ اور دوبالا ہو جاتی ہے خصوصاً رمضان المبارک کی ۲۷ ویں شب میں تو مولانا کی مسجد میں خاص طور پر اہتمام ہوتا تھا جس میں شرکت کے لئے ہزاروں لوگ دور دراز سے آکر جمع ہوتے تھے اور مولانا کے منتظر رہتے تھے اور جب مولانا رات کو دو ڈھائی بجے میں آکر مختصر خطاب کے بعد اپنے مخصوص انداز میں حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب کے اشعار ذکر اللہ کے عنوان سے پڑھتے تھے تو پوری مسجد کے در و دیوار سے لا الٰہ الا اللہ کی صدائیں آتی تھیں اللہ اللہ کیا سماں ہوتا تھا اس میں شامل ہر آدمی کو اپنے اندر کی برائیاں اور خامیاں نظر آنے لگتی تھیں اور جب مولانا اپنے پروردگار کی بارگاہ میں عاجزی و انکساری سے دُعائیں کرنے لگتے تو ہر آنکھ اشکبار ہو کر اپنے رب سے گناہوں کی معافی اور اسکی رحمتوں اور نعمتوں کی طلب گار ہو جاتی، مولانا نے اپنی زندگی میں ہزاروں نمازیں پڑھائیں اور جمعہ کے ہزاروں اجتماعات میں تبلیغ دین کا حق ادا کیا۔ رمضان المبارک کی تراویح میں پچاسوں مرتبہ قرآن پاک کے ختم کئے۔ آج بھی اس مسجد میں پانچوں مقررہ اوقات میں حسبِ معمول قلب کو اپنی طرف کھینچنے والی اذانیں گونجتی ہیں، اور نمازیوں کی بڑی تعداد کشاں کشاں مسجد کے ہر دروازے سے داخل ہونا شروع کر دیتی ہے، اتنی وسیع و عریض اور عظیم الشان مسجد کی تعمیر میں کتنے دشوار مرحلے آئے ہونگے اس کی تفصیلات کے لئے فرصت و وقت چاہیئے لیکن اتنی کشادہ مسجد میں عام نمازوں میں آناً فاناً لمبی لمبی قطاریں بننے پر کچھ لمحے کے لئے ضرور حیرت

ہوتی ہے کیونکہ مسجدیں قائم کرنے اور تعمیر کرنے میں مسلمان کب ایک دوسرے سے پیچھے رہے لیکن اصل مسئلہ تو مسجدوں کو آباد رکھنے اور ان کی گمشدہ رونقیں لوٹانے کا ہے جس اہتمام کو ہمارے جلیل القدر اسلاف نے بطورِ خاص رکھا تھا لیکن ہم درخشاں ماضی کو تابندہ حال اور روشن مستقبل سے پیوستہ نہ رکھ سکے حتیٰ کہ علامہ اقبال کو بصد غم یہ انداز دل گرفت کہنا پڑا کہ،

مسجد یں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے

مگر حضرت مولانا تھانوی کی محنت کا یہ ثمرہ نکلا کہ آپ کی مسجدیں ہزاروں افراد پانچوں وقت حاضری دیتے ہیں یہ سب کچھ مولانا کی محبت و شفقت اور خلوص و محنت کا پھل ہے آج بھی کراچی شہر کے معروف ترین تجارتی مرکز صدر ایمپرس مارکیٹ سے ذرا اس طرف جیکب لائنز نام کی سرکاری کوارٹروں کی گنجان آبادی میں واقع یہ عظیم الشان جامع مسجد جس کے بلند و بالا مینار دُور و نزدیک نظر آتے ہیں مولانا کی یاد دلاتے ہیں آج مولانا ہم میں نہیں ہیں مولانا کی عظیم الشان یادگار جسے اُن کے صاحبزادے مولانا قاری تنویر الحق تھانوی بڑے عظیم الشان طریقے سے قائم رکھے ہوئے ہیں خدا کرے اسی طرح باقی رہے اور اسے حق تعالیٰ مزید ترقی نصیب کرے۔ آمین۔

(ہفت روزہ اخبارِ جہاں کراچی)

وفاق المدارس العربیہ پاکستان:- وفاق المدارس العربیہ پاکستان دینی مدارس کی ایک تنظیم ہے جو مدارس کے تحفظ کے ساتھ ان کے نصاب میں یکسانیت اور ان کے امتحانات لینے کی ذمہ دار ہے آج سے تقریباً ۴۷ سال قبل ۱۳۷۶ھ میں مدارس کے علماء کرام نے اس بات کی ضرورت محسوس کی کہ چونکہ اس وقت ملک میں دینی مدارس کا ایک جال پھیلا ہوا ہے لیکن ان کا باہمی ربط اور یکسانیت نہیں ہے کیونکہ ان کا کوئی ایسا مرکزی ادارہ نہیں جو کہ ان کے درمیان یکجائی کا باعث ہو، اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ ایک ایسا ادارہ قائم کیا جائے جو کہ مدارس عربیہ دینیہ کو پلیٹ فارم پر جمع کرے اور ان کے نصاب میں یکسانیت پیدا کرنے کے ساتھ اس کو مزید مؤثر بنانے میں اہم کردار ادا کرے اور ان مدارس کے امتحان بھی اسی ادارہ کے تحت ہوں گویا کہ ان علماء کرام کی خواہش تھی کہ دینی مدارس چونکہ آزادنہ اور خود مختارانہ کام کرتے ہیں اور حکومت کا اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا اس لئے رضا کارانہ بنیاد پر انکا ایک بورڈ تشکیل دیا جائے جو ان کے امتحانات اور نصاب و نظم و ضبط کا انتظام کرے۔ اسی تجویز کو تمام علمائے کرام کی منظوری کے بعد جس میں مولانا خیر محمد جالندھری، مولانا شمس الحق افغانی، مولانا احمد علی لاہوری، مولانا مفتی محمد شفیع، مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، مولانا احتشام الحق تھانویؒ، مولانا محمد یوسف بنوری، مولانا مفتی محمود اور مولانا محمد صادق وغیرہ علماء شامل تھے ایسا ادارہ قائم

کر دیا گیا اور اس کا نام وفاق المدارس العربیہ پاکستان تجویز ہوا۔ وفاق المدارس العربیہ پاکستان نے ابتدا ہی سے ایک نصاب ترتیب دیا جو کہ گزشتہ ۲۷ سال سے تمام مدارس میں رائج ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمود صاحب فرماتے ہیں کہ۔

"حفاظتِ دین اور بقاءِ علوم دینیہ کے لئے ضروری تھا کہ تمام مدارس عربیہ کی عملاً ایک تنظیم قائم ہونی چاہئے جو تعلیمی و تنظیمی نقائص کو اجتماعی حیثیت سے دور کرے اور اس قحط الرجال کے دور کو ختم کر کے رجالِ کار پیدا کئے جاسکیں۔ ان مقاصد کے پیشِ نظر مدارسِ دینیہ کی شیرازہ بندی اور ضرورت تنظیم محسوس کی جارہی تھی بلکہ اُن کی شیرازہ بندی اور تنظیم جدید کو وقت کا اہم مسئلہ تسلیم کیا گیا اور ۲۰ شعبان ۱۳۷۶ھ کو جامعہ خیرالمدارس ملتان کی مجلسِ شوریٰ کے سالانہ اجلاس میں مولانا شمس الحق افغانی کی تحریک پر حصولِ مقصد کی خاطر عملی اقدامات کے لئے پانچ اراکین پر مشتمل ایک کمیٹی کی تشکیل عمل میں آئی اور مولانا خیر محمد جالندھری کی تحریک پر اس کمیٹی کا کنویز مولانا احتشام الحق تھانوی کو مقرر کیا گیا۔ مذکرہ بالا کمیٹی کے کنونیر کی حیثیت سے جو ذمہ داریاں مولانا احتشام الحق صاحب پر عائد ہوئی تھیں انہی کے پیشِ نظر مولانا نے ۲۲، ۲۳ شوال ۱۳۷۸ھ کو دارالعلوم الاسلامیہ اشرف آباد ٹنڈوالہ یار سندھ میں مشرقی و مغربی پاکستان کے مشاہیر علماء و صلحاء امت کی ایک نمائندہ تعلیمی و تنظیمی کانفرنس منعقد کی اس کانفرنس میں مسلسل دو دن تک ان تمام مسائل پر تبادلہ خیال ہوا جن کا تعلق مدارسِ علوم دینیہ کے نظم و نسق اور درس و تدریس اور نصاب و تربیت سے تھا بالآخر اتفاق آراء یہ طے پایا کہ آغاز کار کیلئے ایک کمیٹی کی تشکیل عمل میں لائی جائے جس کا نام مجلس تنظیم مدارس عربیہ ہو، کمیٹی کے صدر مولانا خیر محمد جالندھری منتخب ہوئے اور اراکین کمیٹی میں مولانا شمس الحق افغانی، مولانا احمد علی لاہوری، مولانا محمد ادریس کاندھلوی، مولانا محمد یوسف بنوری، مولانا احتشام الحق تھانوی اور مولانا محمد صادق بہاولپوری شامل تھے۔ اس تنظیم کے اجلاس ۱۶، ۱۷ ذی قعدہ ۱۳۷۸ھ مطابق ۲۵، ۲۶ مئی ۱۹۵۹ء، ۱۶، ۱۷ ذی الحج ۱۳۷۸ھ م ۲۴، ۲۵ جون ۱۹۵۹ء میں مدرسہ خیرالمدارس ملتان میں صدر تنظیم حضرت مولانا خیر محمد صاحب کی صدارت میں منعقد ہوئے جس میں مدارس کی تنظیم اصلاح نصاب کیلئے مدارس عربیہ کے وفاق قائم کرنے کا فیصلہ ہوا، اور بالآخر ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۷۹ھ میں وفاق المدارس العربیہ کی ایک وسیع تنظیم کا قیام عمل میں آیا۔ الغرض مولانا احتشام الحق صاحب نے اس سلسلہ میں اہم کردار ادا کیا اور بڑی سرگرمی سے وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی تنظیم میں عملی حصہ لیا، مدارس عربیہ کے احیاء بقاء و قیام، اصلاحِ نصاب اور تعلیماتِ اسلامیہ کی ترویج و نشرواشاعت میں مولانا نے بڑی دلچسپی اور دلجمعی سے کام کیا، دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہ یار، جامعہ احتشامیہ اور جامع مسجد جیکیب لائن

کراچی کے علاوہ ملک کے بہت سے شہروں میں مولانا نے متعدد مدارس قائم فرمائے جہاں سے علوم دینیہ کی روشنی پھیل رہی ہے اور یہ مولانا کے لئے عظیم صدقہ جاریہ ہے۔

تحریک ختم نبوت میں اہم کردار:- دارالعلوم دیوبند کے اکابرین اور متوسلین نے ہر دور میں ہر فتنے کا بڑی جرات سے مقابلہ کیا ہے اور برصغیر کی تحریک میں نمایاں کردار ادا کیا ہے، تحریک آزادی ہو یا تحریک خلافت، تحریک پاکستان ہو یا نظام اسلام، اکابرین دیوبند نے ہر تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے، تحریک آزادی کے عظیم مجاہدوں میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی، حاجی امداد اللہ تھانوی، حافظ ضامن تھانوی سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید شامل تھے، تحریک خلافت میں شیخ الہند مولانا محمود حسن، مولانا سید حسین احمد مدنی، مولانا عبید اللہ سندھی جیسے جرنیل اپنا مجاہدانہ کردار ادا کر رہے تھے، تحریک پاکستان میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا ظفر احمد عثمانی، مفتی محمد شفیع، مولانا اطہر علی اور مولانا احتشام الحق تھانوی جیسے عظیم مجاہد اپنی قربانیاں پیش کرتے رہے۔ اسی طرح تحریک ختم نبوت میں اکابر علماء دیوبند کا کردار سنہری حروف سے لکھا جائیگا۔ اس تحریک کے بانی امام العصر علامہ کشمیری تھے، مولانا سید مرتضیٰ حسن چاندپوری، مولانا مفتی محمد شفیع، مولانا محمد ادریس کاندھلوی، مولانا بدر عالم میرٹھی، مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا قاضی احسان احمد شجاعبادی، مولانا سید محمد یوسف بنوری، مولانا احتشام الحق تھانوی، مولانا لال حسین اختر، مولانا غلام غوث ہزاروی اور مولانا مفتی محمود مجاہدین ختم نبوت ہیں، ان حضرت نے جو دینی علمی اور سیاسی خدمات انجام دی ہیں تاریخ کبھی فراموش نہیں کریگی۔ تحریک ختم نبوت کے بارے میں جناب شورش کاشمیری مرحوم تحریر فرماتے ہیں کہ، "مرزائی جب پاکستان میں اپنے ناپاک عزائم کو پھیلانے کی کوشش کرنے لگے تو مجلس علماء تحفظ ختم نبوت نے فیصلہ کیا کہ پاکستان میں قادیانیوں کے ناپاک عزائم کو ابھرنے نہ دیا جائے اور ان کے غلیظ عزائم سے حکومت کو مطلع کرتے رہنا چاہیے اس غرض کے لئے مجلس عمل تحفظ ختم نبوت نے امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی اور مولانا احتشام الحق تھانوی کو نامزد کیا کہ یہ حضرات قادیانیوں کے ناپاک عزائم سے حکومت پاکستان کو آگاہ کریں چنانچہ علماء حق نے مرزائیوں کے ارادوں سے حکومت کو آگاہ کیا اور عوام کو آگاہ کرنے کے لئے بڑے بڑے شہروں میں ختم نبوت کانفرنس منعقد کیں، تحریک ختم نبوت جوں جوں زور پکڑتی گئی قادیانی بوکھلاتے رہے اور مسلمانوں کے خلاف زہر اگلنا شروع کر دیا، احمدیوں نے آپس میں ایک دوسرے کو قتل کر دیا اور اسکا الزام مسلمانوں پر لگانے لگے، مسلمانوں کو کافر، سور اور ان کی عورتوں کو کتیا کہنے لگے۔ حکومت کی طرف سے ان کے لئے کوئی پوچھ گچھ نہ تھی قادیان میں ایک

متوازی حکومت تھی۔ ۱۵ جون ۱۹۵۲ء میں مرزا محمود نے اعلان کیا کہ مسلمانوں کا آخر وقت آپہنچا ہے ہم اپنے آدمیوں کا قتل کا بدلہ لیں گے۔ جن علماء کے قتل کرنے کا منصوبہ مرزائیوں نے بنایا تھا مرزا محمود نے ان کا نام لے کر اعلان کیا کہ " عطاء اللہ شاہ بخاری، احتشام الحق تھانوی، مفتی محمد شفیع، عبدالحامد بدایونی، اور مودودی کو ہم قتل کر دیں گے"

اس کے بعد ۱۷ مئی ۱۹۵۳ء کو چوہدری ظفر خان قادیانی نے جہانگیر پارک کراچی میں ان علماء حق کے خلاف زبان درازی کی اور کہا کہ"

"احمدیت ایک ایسا پودا ہے جو خود اللہ تعالیٰ نے لگایا ہے اب جڑ پکڑ چکا ہے اگر یہ پودا اکھاڑ دیا گیا تو اسلام ایک زندہ مذہب کی حیثیت سے باقی نہ رہے گا۔

نتیجہ مسلمانوں اور مرزائیوں میں فساد ہوگیا اور اس صورت حال کے پیش نظر کراچی میں آل پاکستان مسلم پارٹیز کانفرنس بلائی گئی، مولانا احتشام الحق تھانوی، مولانا عبدالحامد بدایونی، مفتی جعفر حسین مجتہد، مولانا محمد یوسف کلکتوی اور مولانا لال حسین اختر کے دستخطوں سے دعوت نامے جاری کئے گئے جو مطالبات مرتب کئے گئے وہ یہ تھے۔

۱۔ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔

۲۔ چوہدری ظفر اللہ کو وزارت خارجہ سے علیحدہ کیا جائے۔

۳۔ تمام کلیدی عہدوں سے قادیانیوں کو ہٹایا جائے۔

۴۔ ان مقاصد کو قطعی شکل دینے کے لئے آل پاکستان مسلم پارٹیز کنونشن منعقد کی جائے۔

چنانچہ مولانا احتشام الحق تھانویؒ کی تحریک پر حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ نے اس اجلاس کی صدارت کی اور کنونشن منعقد کرنے کے لئے ایک بورڈ علماء پر مشتمل بنایا گیا، بورڈ کے ارکان حسب ذیل تھے۔

۱۔ علامہ سید سلیمان ندوی ۲۔ مفتی محمد شفیع صاحب ۳۔ مولانا احتشام الحق تھانوی

۴۔ مولانا محمد یوسف کلکتوی ۵۔ مفتی صاحب داد ۶۔ مولانا سلطان احمد

۷۔ مولانا شاہ احمد نورانی ۸۔ مولانا لال حسین اختر ۹۔ مفتی جعفر حسین مجتہد

۱۰۔ الحاج ہاشم گزدر۔ اس بورڈ کے کنونیز مولانا احتشام الحق تھانوی منتخب کئے گئے۔ ۱۲ جولائی ۱۹۵۳ء کو الحاج ہاشم صاحب کے مکان پر بورڈ کا اجلاس ہوا۔ مندرجہ ذیل جماعتوں نے کنونشن میں شرکت کی۔

جمعیت علمار اسلام، جمعیت علمار پاکستان، جماعت اسلامی، جمعیت اہلحدیث، تنظیم اہلسنت، مجلس تحفظ ختم نبوت، ادارہ حقوق شیعہ، مجلس احرار اسلام وغیرہ غرض ۱۹۵۳ ء کی تحریک ختم نبوت میں ۲۹۰ سے زائد جلسے صوبہ بھر میں کیے گئے جو ہر مکتب فکر کی مختلف جماعتوں کیطرف سے ہوتے رہے اور تمام جلسوں میں مندرجہ بالا مطالبات کی تائید کی گئی۔

جنوری ۱۹۵۴ ء کی کانفرنس میں جو علمار کراچی کانفرنس میں شریک ہوئے ان میں جمعیت علمار اسلام کی طرف سے علامہ سید سلیمان ندوی، مفتی محمد حسن امرتسری، مولانا ظفر احمد عثمانی، مولانا مفتی محمد شفیع، مولانا خیر محمد جالندھری، مولانا محمد ادریس کاندھلوی، مولانا اظہر علی، مولانا احتشام الحق تھانوی اور مولانا راغب احسن، ان کے علاوہ دوسری جماعتوں کی نمائندگی جن علمار نے کی ان میں سید عطار اللہ بخاری، مولانا محمد یوسف بنوری، مولانا ابوالحسنات قادری، مولانا احمد علی لاہوری، مولانا شمس الحق افغانی، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا داؤد غزنوی، مولانا عبدالحامد بدایونی، مولانا محمد علی جالندھری اور مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی شامل ہیں۔ اس عظیم الشان کانفرنس کے بعد وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین مرحوم سے ملاقات کے لئے جو وفد ترتیب دیا گیا ان میں بھی مولانا احتشام الحق تھانوی شامل تھے، مولانا تھانوی مرحوم نے خواجہ ناظم الدین وزیر اعظم سے ملاقات کی اور کہا کہ ہمارے مطالبات تسلیم کئے جائیں ورنہ ناموسِ رسالت کیلئے ہم اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے کے لئے بھی تیار ہیں۔

خواجہ ناظم الدین مرحوم نے مولانا سے ایک ماہ مہلت مانگی جب کوئی عمل نہ ہوا تو علامہ سید سلیمان ندوی، مفتی محمد شفیع اور مولانا احتشام الحق تھانوی کراچی میں پھر خواجہ صاحب سے ملے اور انہیں بتایا کہ ایک ماہ کا الٹی میٹم گزر گیا ہے لہٰذا ہمارے مطالبات تسلیم کئے جائیں اس پر خواجہ صاحب نے جب معذرت چاہی تو اس پر غور کرنے کے لئے مولانا سید عطا اللہ شاہ بخاری مولانا احتشام الحق تھانوی، مولانا عبدالحامد بدایونی اور سید نورالحسن بخاری وغیرہ حضرات پھر کراچی جمع ہوئے ابھی علمار اسی صورتِ حال کا جائزہ لے رہے تھے کہ سید عطا اللہ بخاری اور دوسرے حضرات کو گرفتار کر لیا گیا جس سے حالات زیادہ خراب ہوگئے اور پورے ملک میں احتجاجی جلسے اور جلوس شروع ہوگئے اور ایک زبردست تحریک چلی جس میں ہزاروں مسلمان شہید ہوئے۔ بہر کیف مولانا تھانوی مرحوم نے تحریک ختم نبوت میں اہم کردار ادا کیا مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دلوانے کے لئے آپ نے ہمیشہ سرگرمی سے عملی حصہ لیا اور علمار حق کے اس قافلے میں شریک رہے جس کے نتیجے میں بالآخر ۱۹۷۴ ء میں قادیانی غیر مسلم اقلیت قرار پائے اور علمار حق کی جدوجہد رنگ لائی اور مسلمانوں کا یہ دیرینہ مطالبہ پورا ہوا۔

" تفصیلات سوانح سید عطار اللہ شاہ بخاری مصنفہ شورش کاشمیری میں دیکھئے "

رویت ہلال کمیٹی کا قیام:- حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے دوسرے دینی و علمی کارناموں کی طرح مولانا کا ایک بڑا کارنامہ رویت ہلال کی شرعی حیثیت کو سرکاری سطح پر تسلیم کرانا تھا، اسلام میں اس مسئلہ کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ قرآنِ مقدس میں مسائل کو بطور استفسار پیش کیا گیا ان میں چاند کا معاملہ بھی ہے۔ قرآن مقدس میں اس آیت کریمہ سے اس مسئلہ کی اہمیت پر روشنی پڑتی ہے۔ یسئلونک عن الاھلۃ قل ھی مواقیت للناس حضرت مولانا احتشام تھانوی مرکزی رویت ہلال کمیٹی کا پس منظر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ، "حصول پاکستان کے بعد ابتدائی چند سالوں میں سابقہ وزیر داخلہ شہاب الدین نے ایک ہلال کمیٹی کراچی میں بنائی تھی جو شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا مفتی محمد شفیع مولانا بدر عالم میرٹھیؒ، مولانا عبدالحامد مدید بدایونیؒ اور مولانا ابن حسن جارچوی اور راقم الحروف پر مشتمل تھی اس کمیٹی کی حیثیت قانونی اور سرکاری نہیں تھی بلکہ نجی طور پر وزیر داخلہ کی سرپرستی اسے حاصل تھی دو تین سال کے بعد یہ کمیٹی شخصی امتیاز اور جماعتی انفرادیت کی نذر ہوگئی اور وحدت باقی نہیں رہی تاہم حکومتِ پاکستان جامع مسجد جیکب لائن میں ہونے والی رویت ہلال کمیٹی کے فیصلوں کو اہمیت دیتی رہی اور فیلڈ مارشل محمد ایوب خان مرحوم کے دورِ حکومت تک چاند کے مسئلے میں نہ کبھی فرقوں کے مابین کوئی اختلاف رونما ہوا اور نہ حکومت و علماء کے مابین کسی طرح کا اختلاف پیدا ہوا، ایوب خان کے دورِ حکومت میں جب نوکر شاہی کا پورا تسلط ہو گیا اور عائلی قوانین کے نفاذ پر میرا اختلاف ہو گیا تو بے دین نوکر شاہی نے علماء کے فیصلوں کو نظرانداز کرنے کے لئے چاند کا مسئلہ اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے سابق ڈاکٹر فضل الرحمن ہزاروی اور محکمہ موسمیات کے سپرد کر دیا جس کے نتیجے میں حکومت اور علماء کے مابین چاند کے مسئلے میں اختلاف ہوا، اور ملک میں بلکہ ہر شہر میں دو دو عیدیں ہوئیں۔

ایوب خان کی حکومت نے دوسرا قدم یہ اُٹھایا کہ وزیر داخلہ اے آر خان کی سرپرستی میں ایک سرکاری ہلال کمیٹی بنائی جس میں ایک مقامی عالم کو بھی شامل کیا گیا جس کے نتیجے میں پھر اختلاف رونما ہوا، اور سرکاری ہلال کمیٹی کے فیصلے کو اس بنیاد پر علماء نے قبول کرنے سے انکار کر دیا کہ وزیر داخلہ چاند کے بارے میں شرعی فیصلہ کے طریقے سے ناواقف ہیں اور جب تک ثبوت ہلال کا فیصلہ شرعی بنیادوں پر نہ ہو، نہ کسی نجی کمیٹی کا اعلان معتبر ہے اور نہ کسی سرکاری کمیٹی کا پوری ملت نے اس شرعی موقف کا ساتھ دیا اور ہمیں فخر ہے کہ اس موقف کی وجہ سے ہمیں جیل خانے کی سعادت بھی حاصل ہوئی غیر شرعی سرکاری کمیٹی کی مسلسل ناکامی پر حکومت نے اسے توڑ دیا۔ یہاں یہ بات خاص طور پر سمجھنے کی ہے کہ ہمارے اس موقف کی بنیاد اس پر نہیں تھی کہ حکومت کو چاند کے اعلان کا حق

نہیں ہے بلکہ اس امر پر تھی کہ ثبوت ہلال کا فیصلہ شریعت اسلامیہ کے مطابق نہیں ہوا ہے کیونکہ وزیر داخلہ شرعی شہادت جیسے مسائل سے نابلد ہیں، شریعت کے مطابق ثبوت ہلال کا فیصلہ اصلی بنیاد ہے اور اعلان کا مسئلہ ثانوی ہے۔

حصول پاکستان کے چھ سال بعد ۱۹۵۴ء میں رویت ہلال کے مسئلے پر غور کرنے کے لئے ماہرین شریعت علماء کرام اور مفتیانِ عظام کا ایک اجتماع مدرسہ قاسم العلوم ملتان میں ہوا۔ اس پر برصغیر ہند و پاکستان کے ہر مکتب فکر کے علماء کے دستخط ہیں، یہ فتویٰ مفتی رشید احمد صاحب کی ترتیب دی ہوئی کتاب احسن الفتاویٰ میں موجود ہے جو پاکستان میں آسانی سے مل جاتی ہے۔ اس فتوے پر بیالیس علماء کے دستخط ہیں جن میں مولانا ظفر احمد عثمانی، مولانا مفتی رشید احمد صاحب، مولانا احمد علی لاہوریؒ، مولانا مفتی محمود صاحب، مولانا عبدالحق صاحب لکوڑہ، مفتی مسعود صاحب نائب مفتی دورلعلوم دیو بند، مولانا مفتی عبداللہ صاحب، مولانا سعید احمد صاحب ظاہر العلوم سہارنپور، مولانا سید مسعود علی قادری، مولانا ابوالحسنات قادری اور مولانا عبدالمصطفےٰ الازہری قابلِ ذکر ہیں۔ پھر ۱۹۶۸ء میں چار ممتاز علماءِ دین مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب، مولانا محمد یوسف بنوری صاحب اور مفتی رشید احمد صاحب نے اپنے دستخطوں سے ایک تحریر حکومت پاکستان کو بھیجی جو ماہنامہ البلاغ کراچی بابت ماہ ذی قعدہ ۱۳۹۳ھ کی اشاعت میں چھپ چکی ہے اس تحریر میں علماء پر مشتمل ایک مرکزی رویت ہلال کمیٹی کی تشکیل اور پورے ملک میں اس کے فیصلے کے نفاذ کی سفارش کی گئی تھی۔ جس کی بناء پر حکومت کیطرف سے قومی اسمبلی میں مرکزی رویئیت ہلال کمیٹی کا بل پیش ہوا اور قومی اسمبلی میں مذہبی نمائندوں کی رائے سے ہر مکتب فکر کے علماء پر مشتمل مرکزی رویت ہلال کمیٹی وجود میں آئی۔ اس کے نام بھی اراکین اسمبلی نے خود ہی تجویز کئے، اس وقت ملک کے عالم اور کسی مسلمان نے اس پر اعتراض نہیں کیا کہ مرکزی رویت ہلال کمیٹی کا فیصلہ پورے ملک میں کیسے نافذ ہو سکتا ہے۔ چنانچہ مرکزی رویت ہلال کمیٹی نے اجلاس لاہور منعقدہ ۲۸ اگست ۷۴ء میں برصغیر ہند و پاکستان کے اکابر علماء کے متفقہ فیصلے کو اپنے طریق کار کی بنیاد قرار دیا اور یہ بھی اعلان کیا کہ رمضان و عیدین کے چاندوں کے بارے میں ثبوت ہلال کی بنا حسابِ نظام قمری تقویم یا آلات جدیدہ کی تحقیق پر نہیں ہوگی بلکہ عینی روایت اور شہادت کے شرعی اصولوں پر ہوگی"

(اخبار جہاں ۲۳ اکتوبر ۱۹۷۴ء)

اللہ تعالیٰ مولانا احتشام الحق تھانویؒ کے درجات بلند فرمائے کہ ان کی مخلصانہ مساعی سے رویت ہلال کا تصفیہ ہوا، اور مولانا ہی کی کوششوں سے رویت ہلال کا اہتمام سرکاری سطح پر اس طریقہ پر ہونے

لگا کہ تمام شرعی تقاضوں کی تکمیل بھی ہو جائے اور چاند کے مسئلے پر اُمت میں کسی قسم کا اختلاف بھی نہ رہے ورنہ اس سے قبل بارہا ایسا ہوا کہ ایک ہی شہر میں مسلمانوں کے مختلف گروہوں نے عید کے مسئلہ پر دوسرے لفظوں میں رویت ہلال کے مسئلہ پر الگ الگ دنوں میں عید کا اہتمام کیا اور اس طرح اُمت کی مسرت و شادمانی کی تقریبات بھی تفرقہ و انتشار کا باعث بنتی رہیں۔ ایوب خان مرحوم کے دور میں جب رویت ہلال کی شرعی حیثیت کو مشتبہ قرار دینے کی کوشش کی گئی تو مولانا مرحوم اسکی مزاحمت کے لئے سینہ سپر ہو گئے اس موقع پر ان کو حکومت نے گرفتار کرلیا مگر وہ اپنے موقف پر ڈٹے رہے، ایوب خان کے اس ناخوشگوار واقعہ کے بعد پھر کبھی حکومت کو جرات نہیں ہوئی کہ وہ اس خالصتاً دینی معاملہ میں دخل اور معقولات کرے۔ رویت ہلال کی بابت سرکاری انتظام سے پہلے بھی جامع مسجد جیکب لائنز کراچی کو یہ شرف حاصل تھا کہ پورے ملک میں چاند نظر آنے یا نہ آنے کا فیصلہ اسی مسجد سے صادر ہوتا تھا اور جب تک مولانا احتشام الحق تھانوی اس بارے میں کوئی قطعی فیصلہ صادر نہیں فرمادیتے تھے۔ لوگ ان کے فیصلہ کے انتظار میں رہتے تھے اور پورے ملک سے ٹیلی فون کے ذریعہ مولانا تھانوی مرحوم کا رابطہ قائم رہتا تھا۔ پنجاب، سرحد، سندھ اور بلوچستان کے دُور افتادہ علاقوں کے بسنے والے بھی مولانا ہی کے فیصلے پر اسلامی تقریبات کا تعین کرتے تھے الغرض مولانا مرحوم مرکزی رویت ہلال کمیٹی کے صدر کی حیثیت سے آخر لمحہ حیات تک رویت ہلال کا مسئلہ شرعی حیثیت سے بحسن و خوبی حل فرماتے رہے اور بے لوث ملک کی خدمت سرانجام دیتے رہے۔ (روزنامہ جنگ کراچی ۱۰ اپریل ۱۹۸۱ء)

مولانا کا کلمہ۔ حق اور گرفتاری:- جناب مولانا احترام الحق تھانوی فرماتے ہیں کہ ۱۹۴۰ء کی تحریک پاکستان اور پھر ۱۹۴۷ء میں قیام پاکستان سے لے کر میرے والدِ گرامی حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی کی زندگی کے آخری لمحہ تک کا عرصہ ایک انتہائی پُر آشوب اور قیامت خیز دور رہا خاص طور پر ایک ایسے عالم دین کیلئے جو دین کی صحیح اور سچی تڑپ کے ساتھ ساتھ دو قومی نظریہ پاکستان کی ادنیٰ سی مخالفت کو بھی کفر کے مترادف سمجھتا ہو، ان کٹھن حالات میں اپنے نصب العین اور مشن کی تکمیل کیلئے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ وقف کردیا ایک ایسی وادیٔ پُر خار کا سفر تھا جس کیلئے کمر ہمت کس لینا ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہ تھی، ان کی زندگی کی تمام تر خدمات خواہ وہ دینی و مذہبی نوعیت کی ہوں، ملکی و قومی ہوں یا سیاسی و سماجی ہوں خالصتہ لوجہ اللہ تھیں جن میں اپنی ذاتی اغراض اور اپنی نفسانی ہوا و ہوس کا شائبہ تک بھی نہ تھا اُنھوں نے ہمیشہ اعلائے کلمۃ الحق کا پرچم بلند کیا اور

انتہائی نامساعد حالات کے باوجود بڑے صبرو تحمل اور استقامت کے ساتھ اِس علمِ حق کو اپنی پیرانہ سالی میں بھی اپنے سینے سے لگائے رکھا اور ان کے پائے استقلال میں آخر وقت تک ادنیٰ سی لغزش بھی نہ آنے پائی۔ ہمیشہ حق و صداقت کے علمبردار رہے اور کبھی کسی دباؤ و لالچ کے آگے نہیں جھکے۔

حضرت مفتی رشید احمد صاحب فرماتے ہیں کہ۔"

"اللہ تعالیٰ نے مولانا تھانوی کو سب سے بڑی دولت یہ عطا فرمائی تھی کہ حق گوئی میں آپ کے لئے کبھی کوئی امر مانع نہ ہوا، آپ جبل استقامت تھے، مال و منصب کی پیش کش قریب تعلق بڑے سے بڑے جابر حکمرانوں کی گرفت اور عوام و خواص کی ملامت جیسے اسباب جہاں بڑے بڑے شہوار گھٹنے ٹیک دیتے ہیں، ان میں سے کوئی امر بھی آپ پر کبھی شہ بھر بھی کوئی اثر نہ کر سکا۔

موحد چہ برپائے ریزی لرزش

آپ کی شان تھی آپ لایخافون فی اللہ لومتہ لائم کی تفسیر تھے۔

مولانا محمد یوسف قریشی فرماتے ہیں کہ"

مولانا تھانوی ہر موڑ پر کلمۂ حق بلند کرتے رہے آپ نے کسی حکومت کو اسلام کے معاملے میں ٹانگ اڑانے کی اجازت نہیں دی اور ایک مرحلہ ایسا بھی آیا جب ایوب خان کی آمریت کی جبیں شکن آلود ہو گئی اور مولانا کو رویت ہلال کمیٹی کے فیصلے سے اختلاف کے جرم میں جیل جانا پڑا آپ جانتے تھے کہ کلمۂ حق کی پاداش میں گرفتاری بیہ ہو سکتی ہے اور تشدد بھی ہو سکتا ہے ان احباب نے سمجھایا بھی تھا مگر وہ حق کی خاطر ڈٹے رہے کیونکہ وہ تو لایخافون فی اللہ لومتہ لائم کی علی تفسیر تھے۔ خلافِ اسلام کوئی کام دیکھتے یا سُنتے تو تمام مصلحتوں کو بالائے طاق رکھ کر حق کا پرچم بلند کرتے، مولانا کی اس کلمۂ حق کی پاداش میں جب گرفتاری عمل میں آئی تو آپ نے اسے ایک سعادت اور اعزاز سمجھا اور اپنے کو گرفتاری کے لئے پیش کرنے میں ذرا بھی تامل نہ کیا۔ گرفتاری کے موقع پر قوم کے نام اپنے پیغام میں فرمایا کہ۔

" آج مجھے اپنی گرفتاری کے موقع پر ایسا محسوس ہوا کہ حق تعالیٰ نے انبیاء کرام کی اس سنت پر عمل کی توفیق عطا فرمائی جو حق گوئی اور حق پرستی کے راستے میں انھیں پیش آتی ہے۔ اپنے احباب اور دوستوں کو اس موقع پر خوش ہونا چاہیئے کہ قید و بند کی منزل سے مقصدِ حق قریب ہو جاتا ہے اور اُمید ہے کہ اس طرح ہم پاکستان میں اسلام کی عزت و ناموس کی پورے طور پر حفاظت کر سکیں گے"

(مہنامہ صدائے اسلام پشاور)

پروفیسر سعید صاحب فرماتے ہیں کہ۔

"پاکستان میں جب کبھی اور جس طرف سے بھی اسلام یا ملک و قوم کے خلاف کوئی آواز اُٹھی یا کوئی قدم اُٹھایا گیا تو مولانا احتشام الحق تھانوی نے تمام مصلحت اندیشیوں کو بالائے طاق رکھ کر پوری قوت کے ساتھ اسکا مقابلہ کیا۔ جس جرآت ایمانی کے ساتھ مولانا حق و صداقت کی حمایت کرتے رہے اس سے قرونِ اولیٰ کے فرزندانِ اسلام کی یاد تازہ ہو جاتی ہے کوئی دورِ حکومت ایسا نہیں گزرا جس میں مولانا نے جرآت و بیباکی کے ساتھ کلمۂ حق بلند نہ کیا ہو۔ ایک دفعہ عیدالفطر کے موقع پر رویت ہلال کے سلسلہ میں ایوبی حکومت نے جو غیر اسلامی روش اختیار کی مولانا نے اس سے اختلاف کیا اور حکومت کا اعلان تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، حکومت نے اپنی شکست اور بدنامی کو مٹانے کے لئے مولانا کو دو ماہ کے لئے نظر بند کر دیا اور پریس کے اوپر جس قسم کی پابندی عائد کی گئی صحافت کی دنیا میں آج تک اسکی مثال نہیں ملتی۔ مولانا کی ذاتِ گرامی صرف ہند و پاکستان کے لئے ہی نہیں بلکہ دنیائے اسلام کے تمام مسلمانوں کے لئے ایک مشترکہ سرمائے کی حیثیت رکھتی تھی اس وجہ سے مولانا کی گرفتاری پر ہر اسلامی ملک میں حکومت پاکستان کے اس جابرانہ اقدام کے خلاف اپنے رنج و غم و غصہ کا اظہار کیا۔

چھ ہفتہ کی ناجائز نظر بندی کے بعد رہائی کی خبر سے تمام مسلمانوں میں مسرت خوشی کی لہر دوڑ گئی اور ملت اسلامیہ نے اپنے مایہ ناز زعیم اسلام کو اعلائے کلمہ الحق کے لئے ظلم و جبر کے ہر فیصلے پر لبیک کہنے پر شاندار خراجِ تحسین پیش کیا، کراچی، لاہور، راولپنڈی، پشاور، ملتان اور دوسرے بڑے بڑے شہروں میں اہلیانِ شہر کی جانب سے مولانا کے اعزاز میں شاندار استقبالیہ دعوتیں دی گئیں جن میں ممتاز علماء وکلاء، صحافی، ڈاکٹر صنعت کار اور تاجر حضرات نے کثیر تعداد میں شرکت کی، ہر مجلس اور جلسے میں مولانا کی خدمت میں سپاسامے پیش کئے گئے جن میں مولانا مرحوم کی دینی و ملی خدمات کو سراہا گیا اور استقامت علی الدین پر ہدیہ تبرک پیش کیا گیا۔ مولانا نے بڑے بڑے شہروں میں خطاب فرمایا اور ملت اسلامیہ کا شکر ادا کیا۔ (ماخوذ تذکرہ خطیب الامت مرتبہ احقر راقم بخاری)

زندان کی کہانی مولانا ہی کی زبانی

مولانا تھانوی فرماتے ہیں کہ

"جب کوئی نظام جمہوریت سے ہٹ کر آمریت کی بنیادوں پر قائم ہوتا ہے تو پھر اس نظام حکومت کو چلانے والے قدرتی طور پر ہر مسئلے پر دوسروں کی حدود اور ذمہ داریوں میں مداخلت کرنے لگتے ہیں، ایوب خان کے زمانے میں ان کے ساتھیوں نے یہ سمجھ کر کہ رویت ہلال حکومت کا مسئلہ اور یہ کام علماء کرام کے بجائے خود حکومت کو کرنا چاہیے، حکومت کو اس بات پر اکسایا

کہ وہ یہ کام علماء سے لے کر خود انجام دے اگرچہ یہ بات کسی حد تک صحیح بھی ہے کہ چاند ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ خود حکومت کو کرنا چاہیئے لیکن اس سلسلے میں پھر حکومت پر دوسری ذمہ داریاں بھی عائد ہو جاتی ہیں لیکن بہر حال ایوب خان کے حواریوں نے ان ذمہ داریوں کو اہمیت نہ دیتے ہوئے ایک مرتبہ ۱۹۶۸ء میں ہمیں (علماء کرام) کو نظر انداز کر کے اپنے طور پر عید کا چاند نظر آجانے کا اعلان کردیا اور چاند نظر آجانے کی دلیل یہ دی گئی کہ کوہاٹ میں کسی صاحب نے چاند دیکھ کر یہ اطلاع انھیں فراہم کی ہے حالانکہ درحقیقت واقعہ یہ تھا کہ اس روز برصغیر کے کسی بھی شہر میں چاند نظر نہیں آیا تھا مگر حکومت کہتی تھی کہ قبائلی علاقوں میں چاند ہوگیا ہے چنانچہ چاند ہونے یا نہ ہونے کی اسی کشمکش میں مغربی اور مشرقی پاکستان کے تمام لوگ تین چار بجے تک جاگتے رہے، ٹیلی فون پر اور ذاتی طور پر چاند ہونے کی تصدیق کرنے والوں کا تانتا بندھا ہوا تھا، میرے پاس رات تین بجے تک مسرقی پاکستان کے شہروں تک سے فون آتے رہے ان میں ایک ٹیلی فون مشرقی پاکستان کے سابق گورنر عبدالنعم خان کا بھی تھی تھا۔ انھوں نے مجھ سے کہا کہ مولانا ہم کیا کریں؟

چاند تو واقعی نظر نہیں آیا ہے لیکن حکومت نے صبح عید منانے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ میں نے کہا آپ اپنے صدر سے پوچھئے کہ آپ کو کیا کرنا چاہیئے اس پر منعم خان نے کہا کہ میں تو میمن سنگھ چلا جاتا ہوں تاکہ ڈھاکہ میں رہ کر عید ہی نہ منانی پڑے، اس شام خصوصاً کراچی میں مطلع بالکل صاف تھا اس لئے یہاں کے لوگوں کو چاند نظر آجانے کی سرکاری خبر فریب معلوم ہو رہی تھی، جامع مسجد جیکب لائنز شہریوں کے بے پناہ ہجوم میں گھری ہوئی تھی اور ہر شخص چاند نظر آجانے کے سلسلے میں اپنے طور پر تصدیق کرنے کا خواہش مند تھا لہٰذا اس رات میں عوام کی آسانی کیلئے کاغذ کے ٹکڑوں پر یہ عبارت سائیکلو اسٹائل کراکے کہ "آج چاند نہیں ہوا کل کا روزہ ہے" ۔ بمعہ اپنے دستخط جامع مسجد جیکب لائنز سے جاری کرادی، دوسرے دن حکومت کو جب یہ پتہ چلا کہ عوام کی کثیر تعداد نے اس کی حکم عدولی کی ہے اور عید منانے کے بجائے روزہ رکھا ہے تو اسے اپنی اس ناکامی پر بڑا طیش آیا اور نتیجتہ ۲۹ فروری ۱۹۶۸ء کو رات ساڑھے بارہ بجے ڈی۔ پی آر (ڈیفنس آف پاکستان رول) کے تحت اس خاکسار کی گرفتاری کا پروانہ آگیا۔ گرفتاری کے لمحات عموماً یادگار ہوتے ہیں اور پھر ویسے بھی میری زندگی میں یہ پہلا موقع تھا، اس رات جو صاحب میری گرفتاری کے وارنٹ لے کر آئے وہ میرے ایک واقف کار ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ تھے، جس وقت مجھے ان کے آنے کی اطلاع ہوئی تو کچھ دیر کیلئے میں نے سوچا کہ یہ آخر اتنی رات گئے کیوں آئے ہیں، بہر حال جب میں ان سے ملا تو مجھے بتایا گیا کہ ہم آپ کو لینے آئے ہیں، میں نے ان کو برابر کے کمرے میں بٹھا کر کچھ سامان اپنے ساتھ لے جانے کی اجازت چاہی۔ پولیس

انسپکٹر اور ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ صاحبان نے اجازت دیتے ہوئے مجھ سے کہا کہ سامان تو خواہ آپ کچھ بھی لے لیں اسلئے کہ حکومت نے آپ کو ایک علیحدہ بنگلے کا انتظام کیا ہے، لیکن ازراہ کرام اس وقت آپ اپنا ٹیلی فون استعمال نہ کیجئے گا۔

میں بہت بہتر ہے کہہ کر اندر گیا گھر والے وقتی طور پر ظاہر ہے خاصے پریشان تھے، خاص طور پر انھیں یہ تشویش تھی کہ حکومت کہیں مجھے کسی نامعلوم جگہ بھیج کر کوئی نقصان نہ پہنچائے، خیر میں نے سرکاری مہمان خانے جانے کیلئے رختِ سفر باندھا جس میں کتابوں کی تعداد زیادہ تھی اور گھر والوں کو خداحافظ کہہ کر کر باہر آگیا، باہر آکر دیکھا تو ایک پولیس کی وین اور ایک پرائیویٹ ٹیکسی میرے انتظار میں مبہوت کھڑی تھی، ٹیکسی میں سوار ہونے سے پہلے مجھے بتایا گیا کہ مولانا، علماء کے احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے پولیس وین میں لے جانے کے بجائے آپ کیلئے اس ٹیکسی کا انتظام کیا گیا ہے میں اس اہتمام کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ان صاحبان کے ساتھ ٹیکسی میں بیٹھا۔ دونوں گاڑیاں روانہ ہوئیں اور سب سے پہلے مجھے بریگیڈ خانے لے جایا گیا یہاں پہنچ کر پتہ چلا کہ مجھے پہلے سرکار کی طرف سے جاری کئے گئے چند کاغذات پر دستخط کرنے ہیں، میں جیسے ہی اندر پہنچا مذکورہ کاغذات لائے گئے، ان کاغذات کی ابتدائی سطور پڑھنے کے بعد اس سے پہلے کہ میں تعمیل حکم کی اس سند پر دستخط کرتا میں نے یہ کہہ کر ہاتھ روک لیا کہ ان کاغذات کا مجھ سے کوئی واسطہ نہیں، آپ نے مجھے غلط گرفتار کیا ہے، میرا نام مسٹر احتشام الحق نہیں بلکہ میں مولانا احتشام الحق ہوں۔۔۔۔۔۔ میری صحیح بات سن کر یہاں پر موجود ذمہ دار حضرات مسکرائے اور انھوں نے افسران بالا کی اجازت سے مسٹر کی جگہ مولانا کر کے مجھ سے دستخط کی درخواست کی۔ ان کاغذات پر اپنا پورا نام لکھا دیکھ کر میں نے بلا حیل و حجت ان پر دستخط کر دیئے، اس مرحلے سے گزر کر ہم آگے بڑھے اور دوسرے دن کوئٹہ کے قریب نوشکی نامی ایک مقام پر پہنچا دیئے گئے یہاں مقامی ڈپٹی کمشنر کے بنگلے کے برابر میں ایک اور بنگلہ تھا جس میں مجھے ٹھہرایا گیا یہ بنگلہ دراصل وہ ریسٹ ہاؤس تھا جس میں پہلے ایران زاہدان وغیرہ سے آنے والے مسافر ٹھہرا کرتے تھے میرے پہنچنے کے بعد یہاں پولیس گارڈ وغیرہ متعین کر دیئے گئے، رات کو میں نے آرام کیا دوسرے دن نوشکی کے ڈپٹی کمشنر جو یہاں میرے پڑوسی بھی تھے میرے پاس آئے اور کہا "مولانا آپ کے لئے ایک باورچی کا انتظام کیا گیا ہے اس سے آپ جو چاہیں پکوائیں اور ۲۵ روپے یومیہ آپکا الاؤنس مقرر ہوا ہے"۔ میں نے اس کرم فرمائی کا شکریہ ادا کرتے ہوئے موصوف سے کہا کہ بھائی پیسے تو میں اپنے ساتھ لایا ہوں، آپ ناحق میرا الاؤنس مقرر کر کے مجھے شرمندہ کر رہے ہیں۔ بہر حال وہ مسکرا کر چلے گئے، میں مطالعہ میں مشغول ہوگیا۔

یہ قید حبس کی مدت چھ ہفتے تھی اس پولیس افسر کیلئے بھی یادگار ثابت ہوئی ہوگی جو یہاں پر متعین پولیس کے سپاہیوں کو پیچھے نماز نہ پڑھنے کی تاکیدیں کیا کرتا تھا لیکن اس کے ماتحت پولیس والے تھے کہ اس سلسلے میں اس کا کہنا ہی نہیں مانتے تھے، وہ انہیں منع کرتا لیکن اس کے ماتحت سپاہی کبھی میرے لئے لوٹے میں پانی لاتے کبھی مجھے وضو کراتے، ان میں کوئی میری جوتیاں اٹھاتا اور کوئی شریف النفس مجھے جرابیں پہنا کر میری خدمت کرتا، ادھر کراچی میں جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا کہ بچے وغیرہ کچھ پریشان تھے لہٰذا بعد میں مجھے معلوم ہوا مسعود نبی نور جو اس وقت ہوم سیکرٹری ہوا کرتے تھے، انھوں نے میرے بڑے لڑکے کو بتا دیا تھا کہ وہ گھر میں کہہ دیں کہ مولانا نوشکی میں خیریت سے ہیں، یہ اطلاع ملنے کے بعد گھر والوں کو اطمینان ہوگیا۔ داخلِ زنداں ہونے کے بعد میرے روز و شب اس لیئے زیادہ اچھے گزرے کہ میں بہت سی کتابیں وغیرہ اپنے ساتھ لے گیا تھا کیونکہ سچی بات یہ ہے کہ میں اس قید کو چھ سال یا کم از کم چھ ماہ کی قید سمجھ رہا تھا، مطالعہ کے علاوہ خطوط نویسی اور کوئٹہ سے شام کو آنے والے دوست احباب جن میں سرکاری اور غیر سرکاری لوگ شامل تھے، اکثر ملاقات کر کے احساسِ تنہائی مٹا جایا کرتے تھے ان لوگوں سے خاصی آزاد فضا میں گفتگو ہوا کرتی تھی اور وہ سب چاند کے معاملے میں ہمارے ہم خیال تھے۔ نوشکی کے اس زنداں میں رہ کر مجھے واقعی بڑا سکون ملا اور میں نے گھر کی نسبت وہاں قدرے زیادہ مطالعہ کیا، چھ ہفتے کی اس مختصر لیکن طویل مدت میں میرے ساتھ پیش آنے والے واقعات میں ایک واقعہ جو قابلِ ذکر ہے وہ یہ تھا کہ میری لکھی ہوئی وہ ڈاک جسے میں ملفوف کر کے پوسٹ کرنے کیلئے باہر بھیجا کرتا تھا۔ پوسٹ ہونے سے پہلے وہ تمام ڈاک ڈپٹی کمشنر موصوف پڑھتے تھے لیکن مجھے اس سنسر شپ کا علم نہیں تھا، ایک دن ڈپٹی کمشنر صاحب افریقہ بھیجا جانے والا میرا تحریر کردہ ایک خط لے کر میرے پاس آئے اس سے پہلے کہ میں آپ کو یہ بتاؤں کہ انھوں نے کہ اس خط کے بارے میں مجھ سے کیا کہا آپکو اس خط کا پس منظر اور تفصیل بتانا ضروری سمجھتا ہوں، ہوا یوں کہ افریقہ کا ایک نیا ملک بچوانا لینڈ جس کا نام بعد میں تبدیل کر کے بوتس وانا رکھ دیا گیا انہی دنوں رمضان میں آزاد ہوا تھا، یہاں کے مسلمانوں نے ایک مسجد کے افتتاح کیلئے مجھے بوتس وانا آنے کی دعوت دی تھی اس امر کی تکمیل کیلئے انھوں نے تاریخ وغیرہ طے کر کے مجھے بلانے کا ٹکٹ وغیرہ بھی بھیج دیا تھا اور طے یہ پایا کہ میں حج پر جانے کے بعد واپسی میں مسجد کا افتتاح کرنے کی غرض سے بوتس وانا آؤں، چنانچہ میں نے اپنی گرفتاری کا واقعہ پیش آنے کے بعد نوشکی کے اس قید خانے سے مذکورہ مسجد کے منتظمین کو ایک خط میں اطلاعاً یہ لکھا تھا چند ناگزیر وجوہات کی بنا پر میں آپ سے درخواست کر رہا ہوں کہ مقررہ تاریخ کو یا تو کسی اور سے مسجد کا افتتاح کرا لیا جائے یا کچھ عرصے کیلئے یہ پروگرام ملتوی کر دیا جائے کیونکہ فی الحال

میں بوکس درنا آنے سے قاصر ہوں۔ ڈپٹی کمشنر موصوف میرا خط پڑھنے کے بعد میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ کیا آپ کو فلاں ملک میں فلاں تقریب کے سلسلے میں ان دنوں باہر جانا تھا میں نے اثبات میں جواب دیا تو وہ بولے اگر آپ کہیں تو ہم صدر مملکت جناب ایوب خان کو آپ کی طرف سے اس بات کی اطلاع کر دیں۔ یہ اطلاع پاکر ممکن ہے صدر مملکت آپکو افریقہ جانے کی اجازت دے دیں۔ میں نے ان صاحب کو اس کرم فرمائی سے روکتے ہوئے کہا کہ آپ ایسا نہ کریں میں نے اس افتتاحی تقریب کو رکوا دیا ہے اور بالفرض اگر میں چلا بھی گیا تو لوگ سمجھیں گے کہ مولانا حکومت سے معافی مانگ کر باہر آگئے ہیں لہٰذا مجھے باہر جانے سے زیادہ اپنی قید کی مدت پوری کا شوق ہے۔

بہرکیف مختصر یہ کہ میری چھ ہفتے کی وہ مدت جسے آپ وہ میرا دخلِ زنداں ہونا عنوان دیں کے انہی حالات و واقعات میں گزر گئی، رہائی کے وقت مجھے اصرار کر کے ۳۵ روپے یومیہ کے حساب سے میرے الاؤنس کی وہ رقم مجھے دی گئی جو سرکار نے میرے نام کی تھی، لیکن میں نے وہ سب رقم اپنے پاس رکھنے کی بجائے وہیں پولیس والوں میں تقسیم کر دی۔ ہر چند کہ قید خانے میں میرے ساتھ بڑا اچھا سلوک کیا گیا اور مجھے کافی زیادہ سہولتیں دی گئیں لیکن اس سے قطع نظر ہمارے ملک میں سیاسی قیدیوں کے ساتھ آج بھی جو سلوک روا رکھا جاتا ہے۔ وہ نہ صرف یہ کہ غیر جمہوری ہے بلکہ غیر انسانی بھی ہے جب کہ ہونا یہ چاہیئے کہ اگر کسی شخص نے قانون شکنی کی ہے تو حکومت اس کے خلاف مقدمہ چلائے اور عدالت کے ذریعے اُسے اس جرم کی پاداش میں سزا دلوائے لیکن افسوس کہ ہمارے ہاں ایسا نہیں ہوتا۔ شاید یہی وجہ ہے کہ سیاسی قیدیوں کو رکھنے کے اس غلط طریقہ کار کی وجہ سے اپوزیشن کی طرف سے کی گئی مخالفت میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔

نوٹ:۔ مولانا تھانوی کا یہ انٹرویو ہفت روزہ کراچی میں طبع ہوا جسے من و عن درج کیا گیا ہے۔ (پیمان ۱۵ جنوری ۱۹۷۳ء)

کراچی میں مولانا کی معرکتہ الآرا تقریر

خطیب الأمت حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی مرحوم نے یہ معرکتہ الآراء تقریر ناظم آباد میں نظر بندی سے رہائی کے بعد مسلمانوں کے سپاسامے کے جواب میں معرخہ ۲ اپریل ۱۹۶۷ء کو فرمائی تھی اسکا خلاصہ پیشِ خدمت ہے (مولف) خطبہ ماثورہ کے بعد مولانا نے فرمایا۔

"جناب مولانا قاضی عبدالرحمن صاحب، حضرات علماء کرام، معزز حاضرین اور میری اسلامی بہنیں۔ آپ حضرات نے جس گرمجوشی اور محبت کے ساتھ سپاسامہ یا محبت کا وہ تحفہ جو بطور لفظوں کی شکل آپ کی طرف سے پیش کیا گیا میں اس کے لئے صرف یہی نہیں کہ شکر گزار اور ممنون ہوں بلکہ اس کے کچھ اجزاء ایسے بھی ہیں کہ جن کی وجہ سے مجھے کچھ ندامت اور شرمندگی بھی محسوس ہوئی ہے اس لئے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ کی راہ میں قید وبند کی منزل سنت ہے انبیاء کرام اولیاء اللہ اور بزرگانِ دین کی اور حق تعالیٰ جس کو اس سعادت کیلئے منتخب فرماتے ہیں یہ اس کے لئے بڑی خوش بختی اور کامیابی کی بات ہے اور یہ سب اللہ ہی کا بہت بڑا فضل اور احسان ہے کہ دین کے اظہارِ حق کی توفیق نصیب ہوئی یہاں مجھے ایک بات یاد آ گئی کہ ۱۹۵۶ء میں جب برما گیا تو تقریباً ایک ماہ قیام رہا اور وہاں کے لئے ایک مہینہ کی مدت بالکل کافی نہیں تھی اگر اس مجمع میں اُس طرف کے کوئی صاحب ہوں تو انھیں یہ بات معلوم ہوگی کہ وہاں دین کا بڑا شوق ہے وہاں کے لوگ بڑی محبت سے پیش آئے اور انھوں نے مجھ سے کہا کہ آپکا وطن تو چھوٹ ہی چکا ہے کیا اچھا ہو کہ آپ برما میں آجائیں۔ میں نے ان کو جواب دیا کہ بھائی بڑی قربانیوں اور بڑی محنت د کوشش کے بعد ایک اسلامی ملک قائم ہوا ہے گو ہم اس کی خدمت کے قابل نہیں ہیں لیکن جو کچھ دین کی خدمت ہم سے ہو سکتی ہے وہ ہم کر رہے ہیں اور ہمیں کرنی ہے اگر ہم اسی ملک کو چھوڑ کر چلے آئیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہم بھاگ آئے ہیں اور یہاں حضرت مولانا سید سلیمان ندوی کے وہ جملے بھی یاد آ گئے جو نئی دہلی میں تقسیم سے چند مہینے پہلے دورانِ گفتگو ارشاد فرمائے تھے۔ میں نے ان سے پوچھا تھا کہ پاکستان کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے فرمایا ٹھیک ہے خدا کرے پاکستان بن جائے لیکن یاد رکھیئے کہ آپ ایسی جگہ اور ایسی بنجر زمین میں پاکستان بنا رہے ہیں کہ اگر آپ لوگوں نے وہاں محنت نہ کی تو بڑا اندیشہ اور بڑا خطرہ ہے، میں نے اس کی تفصیل پوچھی تو فرمایا کہ دنیا میں یہ ہوتا آیا ہے کہ ہمیشہ پہلے ذہنی انقلاب آتا ہے پھر ملکی انقلاب آتا ہے----- آپ لوگوں نے یہ کیا کہ پہلے ملکی انقلاب لے آئے ذہنی انقلاب اب آپ کو پیدا کرنا ہوگا اس لئے کہ بڑی سے بڑی نعمت بھی اگر کسی ایسے آدمی کے یا کسی قوم یا گروہ کے ہاتھ میں آجائے جو اس کی صحیح

قدرو قیمت کو نہ سمجھتا ہو تو یادر کھیئے کہ وہ نعمت کبھی اس کے پاس باقی رہنے والی نہیں۔ ذہن بھی اس کے مطابق بنائیے، فرمانے لگے کہ جو کام پہلے کرنے کا تھا وہ آپ کو بعد میں کرنا پڑے گا بڑی محنت کی ضرورت ہے"۔

یہ بات میرے دل میں بیٹھ گئی اور یہاں آکر حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمتہ اللہ علیہ کے ایک شاگرد اور ان کے خادم کی حیثیت سے کاموں میں لگے رہے اور شیخ الاسلام سے سیکھا کہ یہاں پر دین کا کام کس طریقہ پر کرنا چاہیئے، حضرت شیخ الاسلام کی ایک مخصوص عادت اور ایک الگ روش تھی، میں اس کی وضاحت بھی کرنا چاہتا ہوں، ایک مرتبہ کراچی میں حضرت شیخ الاسلام کے قیام کیلئے کراچی میں ایک بنگلہ کا الاٹمنٹ ہوا اس لئے کہ شہید ملت لیاقت علی خان کی یہ خواہش تھی کہ مولانا کسی کے پاس قیام نہ کریں بلکہ الگ اپنے مکان میں رہیں ایک مکان الاٹ ہو گیا اتفاق سے اس مکان کی الاٹمنٹ منسوخ ہو گئی، جہاں یہ نیوٹاؤن کی جامع مسجد ہے یہ پہلے میدان تھا وہاں ایک جلسہ ہوا اور حضرت شیخ الاسلام ماشاء اللہ جب بولتے تو بہت خوب بولتے تھے، مولانا نے فرمایا کہ جب بنگلوں کا الاٹمنٹ کینسل ہو سکتا ہے تو وزارتوں کے الاٹمنٹ بھی کینسل ہو سکتے ہیں اور اس زمانہ میں اخبارات کا گلا اس طرح گھٹا ہوا نہیں تھا جس طرح آج ہے۔

اگلے دن اخبارات میں پہلے صفحہ پر موٹی موٹی سرخیوں کے ساتھ یہ بات آئی کہ مولانا شبیر احمد عثمانی نے فرمایا ہے کہ وزارتوں کے الاٹمنٹ بھی کینسل ہو سکتے ہیں۔ صبح کو میں کسی کام سے لیاقت علی خان کے پاس گیا، اخبارات سامنے میز پر پڑے تھے، کہنے لگے آپ نے یہ خبر دیکھی ہو گی۔ میں نے کہا دیکھی کیا میں تو خود جلسہ میں موجود تھا اس پر کہنے لگے کہ اگر مولانا ہمیں اس سے بھی سخت باتیں کہیں تو ہم بُرا ماننے والے نہیں، اس کی وجہ بھی اُنھوں نے بتائی، کہنے لگے کہ ہمیں یقین ہے کہ اگر کہیں کل کو پبلک ہمیں جوتے مارنے لگے تو پھر بچانے والے بھی مولانا ہی ہونگے، کہیئے آپ نے سمجھا؟ پھر اُنھوں نے کہا کہ مولانا اصل میں یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کا دین قائم ہو جائے، مولانا ہماری کرسی نہیں چھیننا چاہتے، مولانا اصول چاہتے ہیں۔ آپ حضرات کو شیخ الاسلام کا یہ تاریخی جملہ بھی یاد ہو گا کہ مولوی حاکم بننا نہیں چاہتے بلکہ حاکموں کو تھوڑا سا مولوی بنانا چاہتے ہیں"۔

شیخ الاسلام کو کسی قسم کی کوئی لالچ و طمع نہیں تھی یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ حضرت شیخ الاسلام کو بعد میں کوئی مکان یا بنگلہ الاٹ نہیں ہوا۔ اس زمانہ میں سب کو یقین تھا کہ حضرت شیخ الاسلام اور اُن کے رفقاء کار علماء کا مقصد اور نصب العین خالصتاً اللہ کا دین ہے وہ خالصتاً حکام اسلام قائم کرانا چاہتے ہیں، نہ کرسی ان کا مقصد ہے نہ سیاسی جوڑ توڑ۔ ان کا نصب

العین ہے نہ پارٹی بازی ان کا مشغلہ ہے نہ کسی خاص شخص سے ان کو دنیاوی واسطہ ہے وہ جانتے تھے کہ یہ سرزمین حاصل کی گئی ہے اللہ کے احکام کے لئے، اس لئے خداہی کے احکام یہاں جاری ہونگے۔
شیخ الاسلام مولانا عثمانی جب بیمار ہوئے تو لیاقت علی خان مرحوم نے مجھ سے فرمایا کہ میری یہ کوشش ہے کہ کسی طرح حضرت شیخ الاسلام کی زندگی میں دستور بن جائے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان جیسا فرضی خیر خواہ عالم پاکستان کو شاید پھر نہ ملے، میں آپ کو یہ بات اس لئے بتا رہا ہوں کہ پاکستان بنانے میں دو قسم کے عنصر شامل تھے، ایک طبقہ تو وہ تھا جس کو منڈیوں کے اندر یہ نظر آتا تھا کہ ہم ہندوؤں اور دوسرے غیر مسلموں سے مقابلہ نہیں کرسکتے، ہماری تجارت ثانوی درجہ کی ہے ہندو اصل تاجر ہے، یا وہ مسلمان باوجود دفتروں میں یہ محسوس کرتے تھے کہ دوسرے اور تیسرے درجہ کے عہدے ہمارے پاس ہیں، اعلیٰ درجہ کے عہدے ہندوؤں یا غیر قوموں کے پاس ہیں غرض ایک طبقہ وہ تھا جو تجارتی منفعت کے لئے، سیٹوں کیلئے، ملازمتوں کیلئے، وزارتوں کیلئے سمجھتا تھا کہ ایک ایسا ملک ہمیں ملنا چاہیئے کہ جہاں ہمارا ہی عمل دخل ہو، دوسرا طبقہ وہ تھا جو حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہید کی تحریک سے متعلق چلا آرہا تھا کہ ہندوستان میں اسلامی حکومت قائم کی جائے، یہاں اللہ کا دین غالب ہو، ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی یا اس سے پہلے بزرگ مجاہدین سے متاثر ہوکر اس دور میں اللہ کے دین سے تعلق رکھنے والوں نے پاکستان کے لئے جد وجہد کی جس میں سب سے پہلا نام حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ملتا ہے، شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی، حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی " حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب " حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب، اور پیر صاحب مانکی شریف وغیرہ حضراتِ علماء کرام پاکستان بنانے کیلئے جد وجہد کر رہے تھے۔

ان کا مقصد صرف دین اسلام تھا۔ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دیکھو پاکستان بننے والا ہے اور جس طبقہ کے ہاتھ میں اقتدار جانے والا ہے اس کو تبلیغ کرو ورنہ ان کے ہاتھوں میں کہیں اقتدار آگیا تو یہ سب سے پہلے اپنے اقتدار کی تلوار اسلام پر چلائیں گے، اس کیلئے حضرت نے مجلس دعوۃ الحق قائم فرمائی اور اس کا مقصد یہ تھا کہ ان لوگوں کو کسی طرح دین کی طرف لانے کی کوشش کی جائے۔ دونوں طبقوں کا یہ فرق آپ کو اس سے نظر آئے گا کہ جب پاکستان کا شجرہ نسب بیان کیا جاتا ہے تو ایک طبقہ اس کا سلسلہ سرسید مرحوم سے ملاتا ہے اور دوسرا طبقہ اس کا شجرہ نسب بیان کرتا ہے تو حضرت شاہ اسماعیل شہید سے ملاتا ہے ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے اور مجھے بڑی خوشی ہے کہ ایک بہت بڑے سرکاری افسر نے ایک مرتبہ دوران گفتگو میں مجھ سے کہا کہ میں انگریزی میں ایک کتاب لکھ رہا ہوں جس کا موضوع یہ ہے کہ پاکستان سرسید کی تحریک سے نہیں بنا بلکہ

خضرت شاہ اسماعیل شہید کی تحریک سے بنا ہے، انھوں نے کہا کہ حقیقت یہی ہے۔

تو میرے دوستو!۔ دونوں طبقے پاکستان بنانے میں مصروف ہیں ایک کے پیش نظر مادی منفعت ہے اور دیندار علماء کے طبقے کے پیش نظر اللہ کا دین اور اللہ کے احکام ہیں، یہ بات اسی وقت ذہن میں آئی تھی کہ ایک وقت اسی سرزمین میں ایسا آنے والا ہے کہ ممکن ہے کہ مادی منفعت کو اپنا نصب العین بنانے والوں اور دین کو نصب العین بنانے والوں میں شاید کوئی تصادم اور رسہ کشی ہو جائے تو تقسیم سے پہلے ہی اس کا اندیشہ تھا، تقسیم سے پہلے کے الفاظ آپ لکھ لیجئے اور اس کی شہادت دینے کیلئے ایسے حضرات ابھی موجود ہیں جن میں ثبوت میں پیش کر سکتا ہوں، مولانا شبیر علی تھانوی صاحب ناظم آباد میں مقیم ہیں اور شاید آجکل علیل ہیں، تقسیم سے پہلے میں اور مولانا شبیر علی صاحب جمعہ کے دن نئی دہلی میں لیاقت علی خان سے اسمبلی بلڈنگ میں جاکر ملے اور علماء کے سلسلہ مین کچھ باتیں ہوئیں، لیاقت علی خان نے یہ بات کہی کہ مولانا ہم ایسے پاکستان کو لیکر کیا کریں گے جس میں اچھے اور اللہ والے علماء موجود نہ ہوں، اور میں یہ بھی بتا دوں کہ یہ کس سلسلہ میں کہا؟ دراصل مولانا شبیر علی صاحب نے یہ بات کہی تھی کہ آپ الیکشن تو جیت چکے ہیں اور جیتنے والا ذرا اچھی طرح بات نہیں کرتا اس لئے ہم ڈرتے ڈرتے آپ کے پاس آئے ہیں کہ شاید آپ علماء سے گفتگو کیلئے تیار نہ ہوں، ہماری خواہش ہے کہ آپ حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی سے گفتگو کرلیں۔ اس پر انھوں نے کہا کہ آپ نے کیسے سمجھ لیا کہ ہم گفتگو کیلئے تیار نہیں ہونگے۔ اس موقع پر انھوں نے کہا کہ میں ایسے پاکستان کو کسی قابل ہی نہیں سمجھتا جس میں علماء دین موجود نہ ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس پاکستان کی تعمیر علماء دین ہی کے ہاتھوں ہوگی۔

جب قرار دادِ مقاصد پیش کرنے کا وقت آیا تو ایک صاحب جو پاکستان میں یہ کہتے کہتے مرگئے کہ یہاں اسلامی حکومت نہیں ہوگی ہم اس کے لئے گولی کھانے کو تیار ہیں، ان سے کسی شخص نے یہ کہا کہ صاحب ایسا کونسا بیوقوف ہے جو اپنی گولی کے پیسے آپ پر خرچ کریگا، اسد ملتانی نے ایک بہت اچھا شعر کہا تھا اور وہ میدانِ حشر میں بھی ان کو سنایا جائیگا وہ شعر یہ ہے۔

حکومت کا آئین دینی نہ ہوگا   یہ کیا کہہ رہا ہے غلام محمد

نام بھی دیکھئے اور کام بھی دیکھئے، وہ صاحب مولانا شبیر احمد عثمانی کے پاس تشریف لائے اور یہ کہا کہ مولانا۔ قرار دادِ مقاصد کیلئے کوشش نہ کریں اس لئے کہ جو یہاں انگریزی دان طبقہ ہے وہ دین سے بھاگتا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ علماء سے متنفر اور بیزار ہو جائے اور کہنے لگے کہ تاریخ کا واقعہ آپ اٹھا کر دیکھئے کہ اسپین میں کیا ہوا؟ مسلمانوں اور علماء کی شدت کیوجہ سے مسلمانوں کا قتل عام ہوگیا کہیں ایسا

نہ ہو کہ یہاں بھی اسپین ہی کی تاریخ دہرائی جائے، اس پر مولانا عثمانی نے ارشاد فرمایا کہ آپ کے ذہن میں اسپین کی مثال ہے اور ہمارے ذہن میں افغانستان کی مثال ہے، جب دین کی مخالفت کی تو امان اللہ خان کو تخت چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔ اور فرمایا کہ ہم تو دین کی جدوجہد جاری رکھیں گے، دیکھتے ہیں کہ اسپین کی مثال آتی ہے یا ان کی طرح آپ کو بھاگنا پڑتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ چشمک اس وقت شروع ہوگئی تھی لیکن لوگ بڑے ہوشیار ہوتے ہیں جیسے کسی گھر میں چوری ہو اور گھر والوں کی آنکھ کھل جائے تو پھر چور بھی ایسا ہی کرتا ہے کہ آواز میں آواز ملا کر خود بھی چلانے لگتا ہے کہ دیکھنا پکڑنا چور کہاں گیا چور کہاں گیا یہ اسلئے ہوتا ہے کہ کوئی شبہ نہ کرے۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ ایک صاحب اسپورٹ کئے گئے اور وزیراعظم بنا دیئے گئے ان کے خلاف میں نے اخباروں میں بڑا شدید اور سخت قسم کا بیان دیا تھا انھوں نے گورنر جنرل سے شکایت کی کہ ان کو جیل کا راستہ دکھانا چاہیئے، اصل میں یہ تجویز جو اتنے سالوں کے بعد آئی، تو چل بہت دنوں سے رہی تھی، گورنر جنرل نے ان وزیراعظم سے کہا کہ تم نے یہ کہا ہی کیوں کہ حکومت اسلامی نہیں ہوگی، یہاں تم بھی یہی کہتے رہو کہ اسلامی ہوگی، اسلامی ہوگی، چاہے اسلام کو مٹاؤ کہتے رہو یہی، آپ نے دیکھا کہ قدم قدم پر اسلام کا نام ہے لیکن آپ یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ اسلام کے ساتھ رفتہ رفتہ کس قسم کا افسوسناک برتاؤ کیا جارہا ہے۔

دستِ گلچیں پھر رہا ہے شاخِ گل پر بے دریغ
کون سنتا ہے چمن میں عندلیب زار کی --

تو میرے دوستو۔ یہ چشمک شروع ہی سے ہوگئی تھی اور پھر ہماری روش شروع سے یہی رہی اور برابر اس کیلئے کوشش کرتے رہے کہ اس سرزمین پر اور اس ملک میں جو اسلام کیلئے حاصل کیا گیا تھا اسلام کے خلاف یہاں کوئی محاذ نہ بنے اس لئے کہ یہاں کسی عالم کا سوال نہیں ہے، ایک احتشام الحق کیا اور پانچ علماء کیا میں کہتا ہوں کہ خدا کی قسم اگر پانچہزار علماء کو بھی آپ پھانسی پر چڑھا دیں لیکن پاکستان کے اندر خدا اور خدا کے رسول کا دین قائم ہوجائے تو میں کہتا ہوں کہ یہ سودا پھر بھی سستا ہے، شخص کا تو کوئی سوال ہی نہیں، سوال اصل میں اس کا ہے کہ کہیں دشمنوں کے سامنے شرمندگی نہ ہو، اس لئے کہ لوگ یہ کہیں گے کہ جن لوگوں نے اسلام کے قائم کرنے کیلئے ملک بنایا تھا انھوں نے اس ملک میں اسلام کو دفن کردیا۔ ہمیں اپنی گرفتاری کا کوئی صدمہ نہیں لیکن صدمہ ہمیں اس دن ہوتا ہے جس دن ہم بھارت کے ریڈیو سے پاکستان کے خلاف اسلام کے خلاف اور مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈہ سنتے ہیں، وہاں کے بعض علماء نے تقریریں کیں اور ہم کو چڑانے کیلئے کیں۔ انھوں نے کہا کہ بھارت سرکار کا مذہب اسلام کے ساتھ یہ رویہ ہے اور علماء کے ساتھ اس کا یہ رویہ ہے اور

پاکستان کا رویہ دیکھئے کہ چاند کے مسئلہ میں ان علمار کو جیل میں ڈال دیا جو چلا چلا کر کہتے تھے کہ یہ اسلامی حکومت و سلطنت ہے۔ یہ جہاد ہے • یہ ثواب ہے۔ آپ ایمان سے بتایئے کہ ہم کو اس سے تکلیف ہوئی یا نہیں؟

میرے دستو۔ یاد رکھیئے کہ ہم نے یہ ملک اللہ کے دین کیلئے حاصل کیا ہے ہمارا نہ کوئی ذاتی مقصد ہے نہ کسی پارٹی سے ہمارا مطلب ہے نہ کسی شخص واحد سے ہمارا تعلق ہے۔ خدا کی قسم میں اعلان کرتا ہوں کہ اگر ہمارا یہ دین صدر ایوب خان کے ہاتھوں قائم ہو جاتا ہے تو انہی کو امیرالمومنین سمجھ کر ان کی امانت میں نماز ادا کرنے کو تیار ہیں لیکن اسی کے ساتھ ساتھ یہ گذارش بھی ہے کہ اگر کچھ لوگوں نے انھیں مشورہ دیا ہے کہ اللہ کے دین کو قائم کرنے والے علمار کو کسی نہ کسی طریقہ سے مٹا دیا جائے تو صاف بات یہ ہے کہ ہمارے پاس کوئی طاقت نہیں ہے ہم آپ کو کوئی دھمکی نہیں دیتے نہ ہم لوگوں سے کہتے ہیں کہ تم اپنی کسی طاقت کا مظاہرہ کرو، لیکن میرے دوستو۔ اتنی بات تو ہم ضرور کہہ دیں گے کہ اگر ہم کچھ کرسکتے ہیں تو ہم اللہ کے دین پر بہر حال عمل کریں گے اور اس میں جان دینے کی ضرورت پیش آئی تو انشاء اللہ جان بھی دیدیں گے آخر ہم نے پاکستان بنایا ہے ہمارے اکابر اور بزرگوں نے اس کیلئے قربانیاں دی ہیں، سالہا سال جیلوں میں رہے ہیں، تکلیفیں اور مشقتیں جھیلی ہیں۔ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، حضرت مولانا گنگوہیؒ، حضرت حافظ ضامن شہید، حضرت شیخ الہند، حضرت حکیم الامت تھانوی، حضرت شیخ الاسلام علامہ عثمانی، حضرت مولانا مدنی، حضرت مفتی کفایت اللہ دہلوی، اور ان کے بہت سے ساتھیوں نے ہندوستان کی آزادی کی جدوجہد میں سختیاں برداشت کی ہیں۔

میرے دوستو۔ ہمارے بزرگوں نے کوئی ڈیڑھ صدی پہلے دین کی خدمات کا سلسلہ شروع کیا تھا، حضرت نانوتوی اور حضرت گنگوہی نے سب سے پہلے ہندوستان میں دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی تھی، ہمارے یہ بزرگ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں بنفس نفیس شریک ہوئے تھے، حضرت حاجی صاحب "سپہ سالار کی حیثیت سے جنگ لڑتے ہیں، حضرت گنگوہی" اور حضرت نانوتوی اور حضرت حافظ ضامن صاحب بھی ساتھ تھے یہ حضرات انگریزوں کا تعاقب کرتے ہوئے کافی دور تک دوسرے قصبے تک پہنچ گئے، انگریز ایک تحصیل کی عمارت میں بند ہوگئے تاکہ ہمیں کوئی کمک نہ پہنچ جائے حضرت حاجی صاحب نے یہ مشورہ کیا تھا کہ اسی تحصیل پر حملہ کر کے ان ان انگریزوں کو یہاں سے ختم کرنا ہے حضرت حافظ ضامن صاحب فرمانے لگے کہ حضرت انشاء اللہ یہ تحصیل تو صبح تک فتح ہو جائیگی لیکن ہم نہیں رہیں گے سب سے پہلے جو حملہ کیا ہے تو گولی حضرت حافظ صاحب کو لگی اور وہیں گر گئے اور

شہید ہوگئے۔ یہی وہ بزرگ ہیں جن کے بارے میں میں نے حضرت حکیم الامت تھانوی سے سنا ہے کہ کوئی شخص ان کی قبر پر فاتحہ پڑھنے گیا تو آواز آئی کہ جا کسی مردے کی قبر پر فاتحہ پڑھ" بہر حال ہمارے انہی بزرگوں نے بڑی بڑی تکلیفیں اُٹھا کر مسلمانوں کے عقائد اور دین اسلام کی حفاظت کی اور یہی وجہ ہے کہ آج جتنا دین ہندوستان و پاکستان کے مسلمانوں میں نظر آتا ہے اتنا دین اور کہیں نہیں ملیگا یہ ہمارے اکابر کی بدولت ہے جنھوں نے بوریوں پر اور چٹائیوں پر بیٹھ کر علم دین کی حفاظت کی ہے ہم نے اپنے انہی بزرگوں کی قائم کردہ درسگاہ دارالعلوم دیو بند سے علم حاصل کیا ہے اس درسگاہ کی خاصیت ہی یہی ہے، الحمد للہ ثم الحمد للہ۔ مجھے بڑی خوشی ہے اس بات کی کہ حریت فکر اور حریتِ ضمیر اس درسگاہ کی سب سے بڑی خصوصیت ہے اور ہم انہی بزرگوں کے شاگرد ہیں" حضرت شیخ الہند اسیر مالٹا کا ایک واقعہ مجھے یاد آیا کہ قبرستان میں کسی طالب علم کی تدفین کیلئے گئے تو حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کی قبر کے پاس جگہ خالی تھی، مولانا عزیز گل صاحب نے فرمایا کہ حضرت شیخ آپ کیلئے یہ جگہ زیادہ موزوں ہے آپ اس کو اپنے لئے محفوظ کرا لیجئے، لوگوں کو تو یہ بات ناگوار گزری مگر حضرت شیخ الہند نے فرمایا کہ یہ تو آپ کی خواہش ہے کہ میں یہ جگہ اپنے لئے محفوظ کرالوں، مجھ سے تو پوچھئے کہ میری کیا خواہش ہے؟ فرمانے لگے، میری تو خواہش ہے کہ میدانِ جہاد میں اس طریقہ پر مارا جاؤں کہ ہاتھ میرا کہیں کٹا ہوا پڑا ہو، سر کہیں کٹا پڑا ہو، پاؤں کہیں کٹے پڑے ہوں، اور فرمایا کہ میں تو اصل میں چاہتا ہی نہیں کہ کسی جگہ میری قبر کا نشان بھی ہو، تو میرے دوستوں الحمد للہ ہم ان اکابر اور بزرگوں کا نام لینے والے ہیں۔

یہ کھیل دل کے لینے کے جو کھیلتے ہیں آپ
مجھ سے نہ کھیلئے ناداں سے کھیلئے

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ پاکستان کے اندر اسلام کا بول بالا کرے اور اللہ تعالیٰ احکامِ اسلام کو پاکستان کے اندر سربلندی عطا فرمائیں اور اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو پاکستان کے استحکام کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(ماخوذ از کتاب کلمہ الحق مطبوعہ کراچی)

راولپنڈی میں استقبالیہ جلسہ سے خطاب

راولپنڈی کے معزین کی طرف سے حضرت مولانا تھانوئی کے اعزاز میں دی گئی دعوتِ استقبالیہ میں مولانا نے ۲۰ جون ۱۹۶۸ء کو جو اہم خطاب فرمایا اس کے اہم حصے یہاں پیش کئے جاتے ہیں۔

خطبۂ مسنونہ کے بعد حضرت مولانا نے معزز حاضرین سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔
حضرات:۔ آپ نے جس محبت اور گرمجوشی سے مجھے استقبالیہ کی دعوت دی، میرے دل میں اسکی بہت زیادہ قدر و منزلت ہے، آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ کسی عالم سے محبت کرنا اس کے گوشت پوشت اور جسم و قالب سے محبت نہیں بلکہ اس مقصد سے محبت کا اظہار ہے جو اس عالم کی ذات سے وابستہ ہے۔ اس لئے میں اگر یہ کہوں تو کچھ بے جا نہ ہوگا کہ اس طرح آپ نے دین اسلام، ایمانی جذبے کی تنظیم و تکریم کی ہے جس کو جتنا ہی سراہا جائے اتنا ہی کم ہے۔ حُسنِ اتفاق سے آج تاریخ اسلام کا وہ اہم دن ہے جس میں سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں تشریف لائے چونکہ آج یہاں ہمارے جمع ہونے کا مقصد اللہ کے دین کے غلبے کے متعلق غور و فکر کرنا ہے اس لئے اس اہم کام کیلئے آج کا دن نہایت موزوں ہے۔
جہاں تک میری نظربندی کا تعلق ہے، جس سے رہائی کی بنا پر آپ نے مجھے یہ استقبالیہ دیا ہے اسکی حقیقت یہ ہے کہ یہ علماء کے سر کا تاج اور ان کی زینت کا باعث ہے، علماء کی تاریخ تو یہ بتاتی ہے کہ اُنھوں نے ہمیشہ حق و صداقت کے اعلان کیلئے تکلیفیں اُٹھائی ہیں، ان سے نہ صرف ان کے مقام کو رفعت اور بلندی نصیب ہوئی ہے بلکہ دین کی عزت اور وقار میں بھی پہلے سے زیادہ اضافہ ہوا ہے اس نظربندی کا ایک پہلو تو یہ ہے کہ اللہ نے ہمیں حضرت یوسف، دیگر انبیاء کرام اور اکابرین اُمت کی سنت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہے اور دوسرا پہلو یہ ہے کہ جب قوم غفلت کی نیند سوجاتی ہے تو فطرت کی طرف سے اُسے جگانے کیلئے کوئی ایسی تکلیف آتی ہے جس سے قوم کے مردہ اور سرد جذبات میں زندگی اور حرارت پیدا ہوجاتی ہے۔ اس واقعے کے بعد میں دیکھ رہا ہوں۔ کہ پورے ملک میں لوگوں میں اسلامی جذبہ زیادہ بیدار ہوچکا ہے۔ ہم سے پوچھا جاتا ہے کہ نظربندی کی اصل وجہ کیا تھی؟ اسمبلیوں کے اندر تو یہ کہہ دیا گیا کہ اس کا بتانا مفادِ عامہ کے خلاف ہے لیکن یہ ایک عجیب مفادِ عامہ تھا جبکہ ہر شخص اس گرفتاری کے پس منظر سے واقف تھا، ہمیں روزِ اول سے معلوم تھا کہ یہ راستہ آسان نہیں بلکہ کانٹوں سے معمور ہے۔ علماء اللہ کے رسول کے جانشین ہیں اسطرح ان کا عہدہ تو بڑا ہے لیکن انھیں مصیبتوں کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے بات دراصل یہ ہے کہ اربابِ اقتدار اپنی طاقت کا مظاہرہ کرنا چاہتے تھے حالانکہ یہ کام ان کے شایانِ شان نہیں یہ گھٹیا کام تو ایک تھانیدار بھی کرسکتا ہے۔
اقتدار والوں کا کام تو ملک کی عزت و وقار بنانا اسکی تعمیر کرنا اور اس کو ترقی کی راہ پر گامزن کرنا ہے اس کا کام مسائل کو سلجھانا ہے، الجھانا نہیں، مسائل کو حل کرنا ہے انھیں تشنہ چھوڑنا نہیں، ہماری نظربندی کا اصل سبب رویت ہلال کا مسئلہ نہیں، بلکہ دین پسندوں اور تجدد پسندوں کی کشمکش ہے، یہ

ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ قیام پاکستان میں دونوں طبقوں نے شانہ بشانہ کام کیا لیکن دونوں کی منزلیں الگ الگ تھیں، تجدد پسندوں کے سامنے جو مسئلہ تھا وہ یہ تھا کہ ہندوستان میں انگریزی سلطنت کے زیر سایہ ہندوؤں کے ہوتے ہوئے ہم نہ اعلیٰ عہدے اور منصب حاصل کر سکتے ہیں نہ ہمیں اسمبلیوں میں شرکت کا موقع مل سکتا ہے وغیرہ۔ ان لوگوں کو اُسی دن اپنی منزل مل گئی جس دن پاکستان عالمِ وجود میں آیا لیکن ایک گروہ وہ بھی تھا جو شاہ اسماعیل شہید کی پیروی میں اللہ کے دین کے غلبہ اور اسکے نفاذ کیلئے جدوجہد میں مصروف رہا تھا، اس گروہ میں شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا ظفر احمد عثمانی، مولانا محمد شفیع اور پیر صاحب مانکی شریف وغیرہ شامل تھے اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے تو بہت پہلے پاکستان کی حمایت کا اعلان کر دیا تھا، ہمیں اس وقت لوگ کہتے تھے کہ تم ایک خطرناک کھیل کھیل رہے ہو، ایک مرتبہ تقسیم سے چند ماہ پیشتر علامہ سید سلمان ندوی نے مجھ سے فرمایا، مولانا آپکو معلوم ہونا چاہیئے کہ ہمیشہ پہلے ذہنی انقلاب آتا ہے اور پھر ملکی انقلاب اور آپ ملکی انقلاف پہلے لا رہے ہیں اور ذہنی انقلاب بعد میں لانا پڑے گا۔ ظاہر ہے کہ جب تک لوگوں کو قرآن و سنت کیلئے تیار نہ کیا جائے اسلامی نظام قائم ہونا محال ہے یہ کام بڑی محنت اور مدت اور ایثار اور قربانی چاہتا ہے۔ ہمیں معلوم تھا کہ ہمارے ساتھیوں کی منزل محض آزادی تھی تاکہ وہ آزاد ہو کر عہدے اور نشستیں حاصل کر سکیں، لیکن دین پسند عناصر کے سامنے ایک دشوار منزل تھی اور وہ ابھی تک حاصل نہیں ہوئی، چنانچہ علماء کی جدوجہد ختم نہیں ہوئی وہ جاری ہے۔ اس میں طریق کار مختلف ہیں مقصد ایک ہے بعض کے نزدیک اصلاح کا موثر ذریعہ اقتدار ہے اس لئے قانونی ذرائع سے اقتدار پر قبضہ ضروری ہے۔ بعض علماء حکومت سے تعاون کو خیر و فلاح کا موجب سمجھتے ہیں لیکن ۱۸ سال میں رونما ہونے والے واقعات و حالات سے صاف ظاہر ہے کہ حکومت کی نظر میں نہ یہ درست نہ وہ، ارباب اختیار نے اپنے طرز عمل سے واضح کر دیا ہے کہ علماء کو ملا ازم کی گالی دے کر ختم کرنا چاہتے ہیں، ایک مرتبہ ملک غلام محمد مرحوم نے شیخ الاسلام علامہ عثمانی سے کہا مولانا آپ کو اپنی روش بدلنا پڑے گی ورنہ نوجوان بھڑک اٹھیں گے اور کہیں پاکستان کا بھی اسپین والا معاملہ نہ ہو، انھوں نے کہا ملک صاحب مجھے اسپین سے نہ ڈرائیے بلکہ افغانستان کے حالات سے عبرت حاصل کیجئے۔ جہاں کے بادشاہ امان اللہ خان نے خلافِ اسلام سرگرمیاں شروع کیں تو اُسے ملک چھوڑنا پڑا، حالات کے مشاہدہ کی بناء پر مجھے اندیشہ ہے، خدا کرے کہ یہ غلط ثابت ہو کہ اس ملک میں مذہب اور اقتدار کی جنگ شروع ہو چکی ہے۔ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ یہ کوئی غیر متوقع صورت حال نہیں۔ ہمارے ذہن اس کیلئے پہلے ہی سے تیار تھے۔ ہمیں معلوم ہے کہ وہ مسلمان رہنما جو پاکستان کی مخالفت کر رہے تھے اور وہ مسلمان تھے یہ رائے

رکھتے تھے کہ مسلمان رہنما اسلام کا سبز باغ دکھا رہے ہیں۔

ایک مرتبہ مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی کے ساتھ نئی دہلی میں ایک سرکاری افسر کے یہاں رات عشار کے بعد بارہ بجے تک پاکستان کے موضوع پر باتیں ہوتی رہیں، اس مجلس میں اسد ملتانی مرحوم کے علاوہ ایک اور صاحب بھی تھے جو اب سرکاری ملازمت سے ریٹائر ہو چکے ہیں، مولانا سیوہاروی مرحوم نے فرمایا کہ قرآن و سنت پر مبنی نظام رائج کرنے کیلئے پاکستان تو بہت بڑا ہے، میں تو ضلع گڑگانواں کو بھی کافی سمجھتا ہوں، لیکن اگر پاکستان میں قرآن و سنت کے علاوہ کوئی اور نظام ہی رائج کرنا ہے تو پھر مرکز کی تقسیم سے کیا فائدہ؟

اگر یہ جانتے چن چن کے ہم کو توڑیں گے تو گل کبھی نہ تمنائے رنگ و بو کرتے ہم نے کہا کہ ہمیں معلوم تھا، صرف لڑنے کے خدشے کی بنا پر پھول کھلے بغیر نہیں رہ سکتے۔ بقولِ شاعر۔

خزاں آتی ہی ہے اور خاک میں ملنا ہی پڑتا ہے
مگر کلیوں کو اس گلزار میں کھلنا ہی پڑتا ہے
جگر کو زخم سے زخموں کو آہوں سے بچاتا ہوں
مگر ہوتے ہی ہیں زخم اور انھیں چھلنا ہی پڑتا ہے۔

جب مجھے سرکاری آدمی گرفتار کرنے آئے تو سچ عرض کرتا ہوں کہ مجھے کوئی رنج یا ڈر نہ تھا کیونکہ

یہ سب سوچ کر دل لگایا تھا ناصح نئی بات کیا آپ فرما رہے ہیں

میں آپ سے ایک اہم بات کہنا چاہتا ہوں کہ جب تک شیدائیانِ اسلام قید و بند کے مرحلوں سے نہیں گزریں گے اسلامی نظام قائم نہیں ہوگا، یہاں سوال صرف پانچ علمار کا نہیں بلکہ اس سرزمین میں ہر حق گو آدمی یا تو قید و بند میں ہے یا سخت مشکلات کا شکار ہے۔ مولانا غلام اللہ خان کا قصور اس کے سوا کیا ہے کہ انھوں نے رقص و سرور کے خلاف آواز اٹھائی اور آج وہ اپنے آبائی قصبے دریا میں نظر بند ہیں بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ ہم بھی قید ہیں اور خوشامدی علمار بھی فرق یہ ہے کہ ہمارا جسم قید میں ہے اور ضمیر آزاد ہے جبکہ ان کا جسم آزاد ہے اور ضمیر قید ہے۔ دراصل حق و صداقت کو طوق و سلاسل سے دبانے سے قاصر ہیں۔

کٹ جائیں گے زنداں میں اسیری کے یہ دن بھی
احساس تو وابستہ زنجیر نہ کیجئے

خواجہ ناظم الدین مرحوم نے ایک مرتبہ شیخ الاسلام علامہ عثمانی سے کہا تھا کہ

مولانا پچھلے دنوں ڈھاکہ یونیورسٹی میں خدا کی ہستی پر رائے شماری ہوئی ہے آج اس ملک میں ہر طرح کی آزادی ہے، کمیونزم، سوشلزم اور رقص و سرور کیلئے آزادی ہے اگر نہیں تو اس دین کیلئے نہیں جس کی اساس پر مملکت پاکستان کی تشکیل کی گئی، کس قدر شرم کی بات ہے یہ۔

یہ حقیقت ہے کہ اس ملک میں اہلِ سنت، اہلِ حدیث کا طبقہ ہی اکثریت رکھتا ہے اور انھوں نے ہی تحریک پاکستان میں بے مثال قربانیاں دیں، باقی گروہوں نے کوئی قربانی نہیں دی خصوصاً پاکستان میں حنفی فرقہ اکثریت رکھتا ہے اگر کسی کو حنفی ضابطہ ناپسند ہے تو وہ اسے ترک کر سکتا ہے لیکن اُسے یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ دوسرے فرقوں اور گروہوں کے عقائد و اعمال میں اصلاح کی بجائے سارا زورِ اصلاح اسی ایک مسلک پر صرف کرنے لگے یہ اس لئے کہ حکومت کسی فرقے کی مخالفت مول نہیں لینا چاہتی، کوئی اپنے رہنما کو خدا بنا رہا ہے، کوئی مصنوعی نبوت چلا رہا ہے لیکن ہر ایک کو چھٹی ہے، کسی پر کوئی قدغن نہیں، صرف حنفی ضابطہ پر چلنے والے ہی کیوں معتوب ہیں۔ کبھی ہم اسلامی نظام کا مطالبہ کرتے تھے لیکن آج؟ میں بطور تنزل ایک بات کہتا ہوں۔

کل تو روتے تھے اپنے دامن کو اے جنوں آج آستیں بھی نہیں

آج تو انگریز کی دی ہوئی مذہبی آزادی بھی برقرار نہیں، ہمارا مطالبہ ہے کہ اگر اس ملک میں ہر قسم کی مذہبی آزادی ہے تو پھر اکثریتی حنفی فرقے کو بھی اپنے مسلک کے مطابق عمل کرنے کی اجازت ہونی چاہیئے ورنہ علماء و مشائخ حسب دستور آج بھی جیلیں بھر دیں گے لیکن حنفی ضابطے میں تبدیلی گوارا نہیں کرنے دیں گے اور حق گوئی ترک نہیں کریں گے۔ حکومت کی خواہش ہے کہ جس طرح سیاست میں بی ڈی سسٹم رائج ہے اسی طرح دین میں بھی بی ڈی سسٹم رائج کر دیا جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ اہل پاکستان کا اعتبار اپنے علماء سے اٹھ جائیگا تو بتائیے قوم ایسے ضمیر فروش علماء سے کیسے مسئلہ پوچھے گی پھر یہ کہ عالم نے قرآن و سنت کی صحیح ترجمانی نہیں کی تو اس نے دراصل حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی رُوح کو تکلیف پہنچائی ہے قرآن و سنت کی ترجمانی اور حق گوئی علماء کا فریضہ ہے اسی ادائیگی میں حکومت کی عزت پوشیدہ ہے رہائی کے بعد میں نے ایک دن جامع مسجد دہلی کی ریڈیائی تقریر سنی جس میں اُنھوں نے ہندوستان میں مذہبی آزادی کے موجود ہونے پر حکومت کا شکریہ ادا کیا اور ساتھ ہی پاکستان کے متعلق بتایا کہ وہاں رویت ہلال کے مسئلہ پر اختلاف کے باعث جید علماء کو گرفتار کر لیا گیا ہے اگر حکومت یا ماہنامہ فکر و نظر کے یتیم الفکر ایڈیٹر کی خواہش کے مطابق پاکستان میں کوئی صاحب کردار عالم باقی نہ رہے تو نتیجہ یہ ہو گا کہ مذہبی قیادت ہندوستان کے علماء کے ہاتھ میں چلی جائے گی۔ دونوں ملکوں کی جنگ کی صورت میں ہندوستان کے علماء تو جہاد کا فتویٰ دینے

سے رہے اور جہاں تک پاکستان کے علماء کا تعلق ہے لوگ ان کی چیخ و پکار بھی نہیں سنیں گے کیونکہ اُن کی نظروں میں بے کردار علماء کا کیا وقار رہ جائیگا خان لیاقت علی خان مرحوم نے ایک مرتبہ حضرت شیخ الاسلام مولانا عثمانی سے کہا مولانا میں حال ہی میں مشرقی پاکستان کا دورہ کر کے واپس آرہا ہوں۔ میں نے دیکھا کہ ہزاروں طلباء علم دین حاصل کرنے کیلئے بھارت دیوبند وغیرہ جاتے ہیں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ جو طالبعلم آٹھ دس سال تک بھارت رہے اس کا ذہن پاکستان سے کیسے مطابقت پیدا کر سکتا ہے ہمیں ایسے عالم کی ضرورت ہے جو ہماری سرزمین ہی پر علم حاصل کرے۔ یہیں پلے پڑھے اور یہیں عالم بنے اسلیئے آپ یہاں ایک عظیم الشان دارالعلوم بنائیں تقریباً اسی قسم کے حالات کا سعودی عرب کی حکومت کو سامنا کرنا پڑے جہاں کے نوجوان جامعۃ الازہر یونیورسٹی سے عالم بن کر آتے تھے لیکن جب مصر اور سعودی عرب کی ٹھن گئی تو سعودی حکومت نے فوراً مدینہ یونیورسٹی قائم کر دی اور آج ہمارا ارباب دوست عربی و دینی مدرسوں کو ختم کرنے پر غور کر رہے ہیں لیکن ہمیں یقین ہے کہ وہ اپنے ان ارادوں میں کبھی بھی کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔

میرا نقش ہستی نہیں ٹلنے والا — بتوں کے مٹانے سے مٹتا نہیں ہے
کہ یہ نقش سجدہ ہے مٹتا نہیں ہے — اسکے مٹنے میں وہ مٹ جائیں گے خود

اگر یہاں سے طالبعلم دوسرے کسی علاقے میں تحصیل علم کیلئے جائیں گے تو بیرون ملک پاکستان کے متعلق یہ بدگمانی پیدا ہوگی کہ پاکستان میں تو علم دین کا نام و نشان تک نہیں۔ اسی لیئے عرض ہے کہ

ذرا رفتار کو بدلو کہ دل پامال ہوتے ہیں — یہ ہم بھی جانتے ہیں آمد فصل جوانی ہے

اگر پاکستان کے علماء کا وقار رہے گا اور ان کا کردار بے عیب ہوگا تو صرف ملک کی اصلاح ہوگی، آخر میں علماء اور عوام دونوں سے کہتا ہوں کہ اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کیجئے اسی میں ہماری فلاح ہے اسی راہ پر چل کر ملک میں اسلامی نظام قائم ہو سکتا ہے۔

(ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک ستمبر ۱۹۶۸ء)

ارباب اِقتدار کے سامنے کلمہ حق

خطیب الامت حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا شمار علمائے حق کے اس قافلہ سخت جان میں ہوتا ہے جنھوں نے اعلائے کلمۃ الحق کیلئے کبھی بھی مصلحت پسندی یا مداہنت سے کام نہیں لیا، قیام پاکستان سے قبل آپ نے تحریک پاکستان اور دو قومی نظریے کی آبیاری کی، پاکستان بنا تو یہاں پر اسلامی دستور کی مہم چلی اس میں بھی مولانا تھانویؒ

حضرت شیخ الاسلام علامہ عثمانی کے پابہ رکاب رہے پھر آئین سازی میں بڑے بڑے نازک مرحلے آئے لیکن مولانا نے دوستی اور رفاقتوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ارباب اقتدار پر کڑی نکتہ چینی کی ہر موڑ پر کلمہ حق بلند کیا اور لادینی تحریکات کے خلاف ہر چیلنج کا مقابلہ کیا اور اپنے اکابر واسلاف کی روایات کے مطابق تمام عمر اظہارِ حق کا فریضہ ادا کیا اور اس میں کبھی بھی کوتاہی نہیں کی۔

قائدِ ملت لیاقت علی خان مرحوم سے مولانا تھانویؒ کے بڑے گہرے ذاتی تعلقات تھے لیکن اصولوں کی خاطر اُنھوں نے ان کی مخالفت مول لینے سے بھی دریغ نہ کیا، جب لیاقت علی خان وزیر اعظم تھے تو اُنھوں نے بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی رپورٹ شائع کی اور اُسے اسلامی قرار دیا اس پر مولانا تھانویؒ نے نہ صرف اس رپورٹ کو غیر اسلامی قرار دیا بلکہ وزیر اعظم کے اس دعویٰ کو چیلنج بھی کیا چنانچہ لیاقت علی خان نے یہ اعلان کیا کہ۔

"علماء بنیادی اصولوں کو غیر اسلامی قرار دے رہے ہیں لیکن یہ نہیں بتاتے کہ اسلامی دستور کیا ہے"

لیاقت علی خان کے اس اعلان کے بعد مولانا تھانوی مرحوم نے وہ تاریخی کارنامہ انجام دیا۔ جس کی وجہ سے اسلامی تاریخ میں مولانا کا نام سنہری حروف سے لکھا گیا، مولانا نے اُس وقت ہر مکتب فکر کے ۳۱ جید علماء کا اجلاس طلب کیا جس میں متفقہ طور پر اسلامی آئین کے ۲۲ نکات مرتب کئے گئے۔ آج بھی اسلامی نظام کے نفاذ کی حامی جماعتیں اس ۲۲ نکاتی اسلامی دستور پر متفق ہیں۔ پھر جب پاکستان کے دوسرے وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین مرحوم نے بنیادی حقوق کے بارے میں رپورٹ پیش کی تو اس میں قانون سازی پر قرآن کی پابندی کا ذکر تو تھا لیکن حدیث اور سنت کا تذکرہ نہیں تھا اس پر مولانا تھانویؒ نے سخت احتجاج کیا بعد میں اس احتجاج میں دوسرے اکابر علماء حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ، حضرت مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ حضرت مولانا خیر محمد جالندھری اور حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ وغیرہ بھی شریک ہو گئے تھے، آخر کار مجبور ہو کر خواجہ ناظم الدین نے اپنی رہائش گاہ پر علماء کا ایک اجلاس طلب کیا جس میں سردار عبدالرب نشتر اور ڈاکٹر محمد حسین بھی شریک تھے، بڑی بحث و تمحیص کے بعد طے پایا کہ رپورٹ میں قرآن کے ساتھ ساتھ سنت کا لفظ بھی بڑھا دیا جائے"

جب سابق گورنر جنرل ملک غلام محمد نے اپنے اختیارات کا ناجائز فائدہ اُٹھاتے ہوئے اسمبلی توڑ دی تو مولانا تھانوی نے گورنر جنرل کے اس غیر قانونی اقدام پر سخت تنقید کی اور اسے غلط اور ناجائز قرار دیا اسی طرح محمد علی بوگرہ اور سکندر مرزا کے زمانے میں بھی مولانا حق بات

کہنے سے کبھی نہیں ہچکچائے۔ سابق صدر پاکستان سکندر مرزا نے اپنے دورِ اقتدار میں ایک مرتبہ علمائے حق کو دھمکی دیتے ہوئے کہا تھا کہ اسلامی دستور کا نام لینے والے یہ علماء کانگریسی ہیں انھیں چاندی کی کشتی میں رکھ کر بھارت کو پیش کردیا جائے گا، اس کے جواب میں طبقہ علماء میں سے صرف ایک ہی آواز بلند ہوئی اور آواز مولانا تھانوی مرحوم کی تھی، مولانا نے جواب میں فرمایا کہ سکندر مرزا اور اس کے ساتھی برطانیہ اور امریکہ کے جاسوس ہیں ہم انھیں عیسائیوں کے تابوت میں بند کرکے سمندر میں بہادیں گے۔ سکندر مرزا کے حق میں مولانا کا یہ ارشاد بالکل الہامی ثابت ہوا۔

بعد ازاں جب تعلیماتِ اسلامی کے ڈائریکٹر فضل الرحمن نے سود کے جواز میں فتویٰ دیا تو مولانا تھانوی نے ایک پریس کانفرنس بلوا کر اس فتویٰ کو لغو اور بیہودہ قرار دیا، اسی طرح مرزائیت و عیسائیت کے خلاف مولانا نے تقریر و تحریر کے ذریعے علم جہاد بلند کیا۔ اور چوہدری ظفر اللہ قادیانی اور مرزا محمود وغیرہ کو وزارتوں سے علیحدہ کرانے میں اہم کردار ادا کیا۔ اسی طرح پرویزیت، دہریت اور دوسرے لادینی فتنوں کے خلاف مولانا تھانوی ڈٹے رہے، صدر ایوب خان نے جب غیر اسلامی طریقہ کی رویت ہلال کمیٹی قائم کی اور رمضان المبارک اور عید کے اعلانات غیر شرعی طور پر ہونے لگے تو مولانا نے ایوب خان کی اس کاروائی کو غلط قرار دیا جس کے نتیجہ میں مولانا کو نظر بند کیا گیا۔ جب صدر یحییٰ خان آئے تو مولانا نے صاف صاف ایک پریس کانفرنس میں کہا کہ ہم کسی غیر اسلامی قانون کو ہرگز ہرگز برداشت نہیں کریں گے اگر اسلامی نظام نافذ کیا گیا تو ہم تعاون کیلئے تیار ہیں ورنہ کسی لادین نظام کو نافذ نہ ہونے دیا جائیگا اور ہم کسی بھی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے۔

لادینی تحریکات کے خلاف جہاد

جناب مولانا سید عبدالقادر آزاد فرماتے ہیں کہ " مولانا تھانوی کو حق تعالیٰ نے اُن تمام اوصاف و کمالات سے مزین فرمایا تھا جو لادینی فتنوں کے سینے سپر ہونے کیلئے درکار ہوتے ہیں، مولانا کی ایمانی حس اتنی تیز تھی کہ نہ صرف دُور سے فتنہ کو محسوس کر لیتی تھی بلکہ اس کی باریک سے باریک رگوں کو بھی ٹٹول لیتی تھی، ایمانی غیرت ایسی پُرجوش تھی کہ انھیں ہمہ دم فتنوں کے خلاف بیقرار اور آتش زیر پا رکھتی، شجاعت و جرآت ایسی تھی کہ بڑے بڑے فراعنہ سے ٹکرا دیتی، حمیتِ دینی کا جذبہ اُن میں اس قوت و شدت کے ساتھ اُبھرتا تھا کہ اس فتنہ کی سرکوبی کے بغیر انھیں چین نہ آتا تھا۔ مرزائیت و عیسائیت کا فتنہ ہو یا پرویزیت کا فتنہ مولانا میدانِ عمل میں آجاتے، انکارِ حدیث کا فتنہ پیدا ہوا تو مولانا اس کے مقابلہ کیلئے سربکف ہوگئے، زبان و قلم سے جو کچھ آپ کر سکتے تھے آپ نے کسی لادینی فتنہ و تحریک کے خلاف جہاد کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں فرمائی بہت سے علماء کو بھی آپ لادینی

فتنوں کے مقابل کھڑا کر دیتے تھے نتیجتہ فتنوں کا سیلاب ضلال رک جاتا اور مولانا ہمیشہ سُرخرو ہوتے، جب پاکستان میں تجدد کے فتنہ نے سر اُٹھایا تو مولانا اس کی سرکوبی کیلئے فوراً کھڑے ہوگئے اور بالآخر اسے میدان چھوڑنے پر مجبور کر دیا، اسی طرح سرکار دو عالم اور صحابہ کرام کے خلاف کوئی بات برداشت نہیں کرتے تھے اور بارہا اپنی تقریروں اور تحریروں کے ذریعے حکومت سے مطالبہ کیا کہ سرکارِ دو عالم اور صحابہ کرام کی شان میں گستاخی اور بے ادبی کو قابلِ تعزیر قرار دیا جائے۔ غرضیکہ مولانا نے زندگی بھر باطل قوتوں اور لادینی تحریکات کے خلاف بڑی جرات و استقامت سے جہاد کیا اور آخر دم تک دینِ اسلام کی سربلندی کیلئے کوشاں رہے"

عائلی کمیشن کے خلاف مزاحمت

مولانا احتشام الحق تھانوی رحمتہ اللہ علیہ کی حق گوئی اور حق پرستی کا ایک اور عظیم کارنامہ ایوب خان کے مقرر کردہ عائلی کمیشن کے بعض غیر اسلامی اور غیر شرعی قوانین کے خلاف ان کا شدید ردِ عمل تھا جس کا اظہار انھوں نے برملا کیا۔ عائلی کمیشن کی رپورٹ کے خلاف مولانا کا اختلافی نوٹ کتابی شکل میں چھپ چکا ہے جس سے مولانا کی فقیہانہ وسعتِ نظر عالمانہ ژرف نگاہی اور اسلام کی تعلیمات میں ان کی بالغ نظری کا اندازہ ہوتا ہے۔ عائلی کمیشن کے خلاف مولانا کے اس دقیع علمی بیان کو پوری دنیا کے مذہبی اور دینی حلقوں میں بہت سراہا گیا حتیٰ کہ برصغیر کے نامور عالم اور صاحب طرز ادیب مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ نے اپنے مشہور اخبار صدق جدید میں مولانا تھانوی کو اس اعلائے کلمتہ الحق پر دادِ تحسین دی اور مولانا کے اس کارنامہ کو حق گوئی کی تاریخ میں نشانِ منزل قرار دیا۔

علامہ خالد محمود صاحب فرماتے ہیں کہ۔

"سابقاً صدر محمد ایوب خان نے اپنے دورِ حکومت میں پاکستان کی چند جدید تعلیم یافتہ خواتین کے مطالبہ پر ایک کمیشن مقرر کیا جس کا نام عائلی کمیشن تھا جس میں مولانا احتشام الحق تھانویؒ کو ایک ممتاز مذہبی رہنما کی حیثیت سے شریک کیا گیا، کمیشن کے باقی تجدد پسند ارکان نے ایک غیر اسلامی اور غیر شرعی رپورٹ پیش کی جس کے ساتھ مولانا کا بڑا مفصل اختلافی نوٹ بھی تھا جس میں کمیشن کی رائے سے اختلاف کرتے ہوئے قرآن و سنت کی صحیح ترجمانی کی گئی۔ مولانا کی اس حق گوئی اور بے باکی پر ملکی پریس نے اچھی رائے کا اظہار کیا اور ہندوستان کے علماء اور مسلم اخبارات نے بھی مولانا کی جرات و بیباکی اور عالمانہ نقطہ نظر کی تحسین کی علامہ محمد تقی عثمانی فرماتے ہیں کہ۔

"مولانا تھانوی مرحوم نے ہمیشہ ایک مجاہد اسلام کی حیثیت سے بڑی جرات و استقامت سے ہر باطل تحریک کا مقابلہ کیا اور کلمہ حق ادا کیا۔ عائلی قوانین پر غور کرنے کیلئے ابتداء جو کمیشن قائم ہوئے اس

میں مولانا تنہا ایک عالم دین تھے جنھوں نے اس میں حق گوئی کا پورا حق ادا کیا چنانچہ ان کا اختلافی نوٹ تاریخی حیثیت اختیار کر گیا مولانا کا یہ اختلافی نوٹ کتاب و سنت کی صحیح عکاسی کرتا تھا اور مولانا کی حق گوئی کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ اسی طرح فیلڈ مارشل صدر محمد ایوب خان کے عہد حکومت میں مولانا مرحوم ڈاکٹر فضل الرحمن کے باطل نظریات کے خلاف ڈٹ گئے اور اخبارات کے ذریعے عوام کو تحریف و ترمیم کے اس فتنے سے خبردار کیا۔ رویت ہلال کے مسئلے میں انھوں نے ہمیشہ شریعت کے مطابق جرات مندانہ مؤقف اختیار کیا اور اس پاداش میں قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں۔ ۱۹۷۰ء کے انتخابات کے موقع پر ملک میں سوشلزم اور کمیونزم کو روکنے اور عوام کو اسکی دینی حیثیت سے آگاہ کرنے کے لئے مولانا تھانوی مرحوم نے جس جانفشانی کے ساتھ ملک کے دورے کئے وہ مولانا کی ناقابلِ فراموش خدمت ہے۔ (ماہنامہ البلاغ کراچی مئی ۸۰ء)

پرویز و مشرقی فتنہ کی سرکوبی

لادینی تحریکات کے خلاف جہاد کے سلسلہ میں مولانا تھانوی مرحوم کا ایک بڑا کارنامہ مسٹر غلام احمد پرویز اور عنایت اللہ خان مشرقی کے خلاف تقریر و تحریر کے ذریعے جہاد کا تھا۔ انگریز کے عہدِ نحوست میں جو تحریکیں اسلام کو مسخ منحرف کرنے کے لئے اٹھیں ان میں سب سے پہلی تحریک نیچریت کی ہے پھر ایک طرف قادیانیت نے نئی نبوت کے روپ میں جنم لیا اور دوسری طرف "چکڑالویت" نے انکارِ حدیث کا فتنہ برپا کیا اس کے بعد خاکسار تحریک نے سر اٹھایا اور پھر ان سب تحریکوں کا سڑا ہوا ملغوبہ مسٹر پرویز کے حصہ میں آیا اور ان سب پر کمیونزم کا تعفن اور مستزاد ہوا چنانچہ لٹریچر میں کمیونزم کا پورا معاشی ڈھانچہ اور اس کی مذہب بیزاری، نیچریت کی مادہ پرستی، قادیانیت کا انکار و جحود، چکڑالویت کا انکارِ سنت، خاکساروں کی تحریف و تاویل سب خرابیاں یکجا موجود ہیں اور مسٹر پرویز کے قلم کی روانی نے ان غلاظتوں میں اور اضافہ کر دیا ہے مسٹر غلام احمد پرویز بدقسمتی سے مرزا غلام احمد قادیانی کا ہم نام بھی ہے اور ہم وطن بھی، اور الحاد و زندقہ میں اس کا ہم مسلک بھی اور بدقسمتی سے انگریزی دورِ اقتدار نے دہلی کے سیکرٹریٹ میں مسٹر پرویز کی ساخت و پرداخت کی تھی، مسٹر پرویز نے اپنے پیشرو داعیانِ ضلال کے افکار و نظریات کو جذب کیا اور انھیں نئے انداز میں اگلنا شروع کیا اس کیلئے انجمن طلوع اسلام کی بنیاد ڈالی، موصوف کے ذہنی خیالات کا خاکہ ابھی غیر مرتب ہی تھا کہ ملک تقسیم ہوا اور مسٹر پرویز کو دہلی سیکرٹریٹ کے بجائے کراچی سیکرٹریٹ میں پناہ ملی یہاں کی لادین افسر شاہی کی آشیرباد سے مسٹر پرویز نے قرآنی نظام ربوبیت کا خاکہ مرتب کیا جس کے دستور اساسی کی پہلی دفعہ یہ تھی کہ"

" قرآن کریم میں جہاں اللہ و رسول کا ذکر آیا ہے اس سے مراد مرکز نظامِ حکومت ہے "

مرزا غلام احمد قادیانی مسکین کو " رسول اللہ " بننے کیلئے وحی والہام کا افسانہ تراشنا پڑا تھا مگر چودھری غلام احمد پرویز کی " قرآنی بصیرت " نے غلام محمد سکندر مرزا اور ایوب خان وغیرہ کو بیک جنبش قلم خدا اور رسول بنادیا، اس قدر افزائی پر ارباب اقتدار کی باچھیں کھل گیئں، پرویز صاحب کے افکار و نظریات کی اشاعت کیلئے سرکاری وسائل کے دھانے کھل گئے۔ مسٹر پرویز نے ارباب اقتدار کے منشار کے مطابق پورے دین اسلام کو بدلنا چاہا اور سلام کے عقائد و عبادات، اخلاق و معاملات اور سیاست و معاشرت میں ردو بدل کرنا چاہیں تو مولانا تھانویؒ اُس پرویزی فتنہ کے خلاف سینہ سپر ہوگئے اور تقریر و تحریر کے ذریعے اس فتنے کا مقابلہ کیا۔ مولانا نے علمار حق کو اس فتنہ کے خلاف کھڑا کیا اور تمام مکاتب فکر کے علمار نے اس فتنۂ انکار حدیث کو خالص کفر قرار دیا اسی طرح سے عنایت اللہ مشرقی کے عسکری اسلام نے ذہنی فضا میں ایک ہیجان پیدا کر رکھا تھا مولانا تھانوی مرحوم نے اسکا مقابلہ بھی بڑی جرات واستقامت کے ساتھ کیا اور جلسوں اور تقاریر سے مشرقی فتنہ کا ناطقہ بند کر دیا۔ اس طرح یہ عظیم فتنے فرد ہوگئے ان فتنوں کی پشت پناہی غلام محمد گورنر جنرل، سکندر مرزا اور ایوب خان کے دورِ اقتدار تک حکومتی سطح پر ہوتی رہی جسکی لپیٹ میں سرکاری ملازمین اور جدید طبقہ کے ناواقف لوگ آئے ہوئے تھے، مولانا نے عام جلسوں، مجلسوں اور صحبتوں میں سرکاری نوکر شاہی کے ان پروردہ فتنوں سے مسلمانوں کو آگاہ کیا اور ان لادینی فتنوں کی سرکوبی کیلئے علم جہاد بلند کیا اور اس معاملہ میں مولانا نے کلمہ حق کہنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔

مولانا سید عبدالقادر آزاد فرماتے ہیں کہ۔ مولانا تھانوی رحمتہ اللہ علیہ لادینی تحریکات کے خلاف ہمیشہ جہاد میں مصروف رہے۔ مرزائیت وعیسائیت کا فتنہ ہو یا پرویزیت کا فتنہ آپ نے ڈٹ کر ان کے خلاف تحریک چلائی، اسی طرح مشرقی فتنے اور دوسرے لادینی فتنوں کے خلاف جہاد کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں فرمائی جب بھی کوئی نیا فتنہ اُبھرا آپ میدانِ عمل میں آجاتے اور تقریر و تحریر کے ذریعے اسکارد فرماتے اور نتیجہ ان فتنوں کا سیلاب ضلل رُک جاتا اور مولانا ہمیشہ سُرخرو ہوتے اللہ اُن کے درجات بلند فرمائے۔ آمین

ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے فتنہ کا سدِباب

مسٹر پرویز کے خلاف مولانا نے جو کام کیا اس کا پس منظر یہ ہے کہ ایوب خان کے دورِ حکومت میں نوکر شاہی اس فکر میں تھی کہ دین میں تحریف و ترمیم کیلئے ایک سرکاری دارالافتار قائم ہونا چاہیے اور اس کا مفتی اعظم مسٹر پرویز کو بنانا چاہیے، مگر علمار حق نے اس فتنہ کے سدباب کیلئے

متفقہ طور پر ایک فتویٰ "پرویز کافر" ہے صادر فرمایا جس سے اس عظیم ترین فتنہ کا مشن خاک میں ملا دیا گیا اور اس فتویٰ سے عام پبلک پر ... ت کی حقیقت واضح ہو گئی اور ارباب اقتدار اندر ہی تلملا کر رہ گئے اب انھوں نے اسکے لئے ایک نیا راستہ اختیار کیا، کراچی میں ایک ادارہ تحقیقات اسلامی قائم کیا اس میں اسلام پر تحقیقات کرنے کیلئے چن چن کر ایسے افراد بھرتی کئے کہ جن میں اکثریت کج رو اور کج ذہن ملاحدہ کی تھی اور پھر اس ادارہ کی تھی اور پھر اس ادارہ کی سربراہی کیلئے میگل یونیورسٹی کے ایک مستشرق کو امریکہ سے درآمد کیا گیا جس کا نام ڈاکٹر فضل الرحمن تھا ڈاکٹر فضل الرحمن نے پاکستان میں آنے کے بعد اسلام اور حاملان اسلام کے خلاف مسلمانوں کے ذہن تبدیل کرنا شروع کر دیئے علماء اسلام کو پاکستان اور ملت کا دشمن قرار دیا گیا۔ ادارہ تحقیقات نے اسلام کو فرسودہ اسلام اور روایتی اسلام جیسی اصطلاحات استعمال کرنا شروع کر دیں اور سود و شراب جیسی لعنت کو جائزہ قرار دیا جانے لگا اور ارباب اقتدار جو کام مسٹر پرویز سے لینا چاہتے تھے وہ ڈاکٹر فضل الرحمن اور ان کے ادارہ سے لینے لگے تو علماء حق خاموش نہ رہ سکے، مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع، حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی اور حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی اس فتنہ کے سدباب کیلئے میدان عمل میں نکل آئے اور ڈاکٹر فضل الحمن کے باطل نظریات کے خلاف علم جہاد بلند کیا۔

علامہ خالد محمود صاحب فرماتے ہیں کہ "

"مولانا تھانوی مرحوم سے حق تعالیٰ نے بڑا کام لیا۔ انکارِ حدیث کا فتنہ ہو یا تجدد پسندی کا قادیانیت کا فتنہ ہو یا سوشلسٹ کا، مولانا ہمیشہ ان کے تعاقب میں پیش پیش رہے، جب ڈاکٹر فضل الرحمن کا فتنہ اُبھرا تو مولانا مرحوم بے خوف و خطر میدان میں نکل آئے اور اپنی ساری توانائیاں اس فتنہ کا سر کچلنے پر صرف کر دیں، مولانا نے جس عزم و ہمت اور جرات و استقامت کے ساتھ اس فتنہ کے خلاف آواز اُٹھائی وہ علماء حق ہی کا خاصہ ہے مولانا نے ہمیشہ حق و صداقت کا پرچم بلند کیا اور باطل نظریات و تحریکات کے خلاف اپنی پوری قوت و توانائی کے ساتھ کلمہ الحق کا فریضہ سرانجام دیا۔ حق تعالیٰ مولانا کی قبر مبارک پر اپنی رحمتوں کی بارش برسائے۔ آمین" (ماخوذ تذکرہ خطیب الأمت)

سوشلزم کے خلاف تحریک

اس سلسلہ میں مولانا احترام الحق تھانوی فرماتے ہیں کہ " والدِ گرامی مولانا احتشام الحق تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک خوبی یا ان کا ایک بڑا کارنامہ یہ ہے کہ جب کبھی ملک و قوم پر بُرا وقت آیا اور اسلام دشمن اور ملک دشمن عناصر نے سازباز کی تو وہ سب سے پہلے میدان عمل میں نکل

آتے تھے اور ایسے کسی بھی فتنہ کی سرکوبی کے لئے اپنے جسم و جان کی پوری توانائی صرف کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے تھے اس معاملہ میں ان کا مسلک شاعر کے اس شعر کے مصداق تھا کہ۔

خیریت تن، راحت جاں، صحت داماں
سب بھول گئیں مصلحتیں اہل ہوس کی

۱۹۵۴ء میں جب مشرق پاکستان میں جگتو فرنٹ بنا اور پہلی مرتبہ علیحدگی پسندوں نے پر پُرزے نکالے تو باوجودیکہ مولانا مسلم لیگ کے رکن نہیں تھے لیکن انھوں نے سردار عبدالرب نشتر اور دوسرے قومی رہنماؤں کے ساتھ مل کر مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے شب و روز تقریریں کیں اور مشرقی پاکستان میں ان ان قوتوں کا بھرپور ساتھ دیا جو وطن عزیز کو متحدہ دیکھنا چاہتی تھیں انھوں نے کھل کر ایسے لوگوں کو بے نقاب کیا جو اس مملکت کی سالمیت کے خلاف مصروف کار تھے۔

اسی طرح جب ۱۹۶۹ء میں پہلی مرتبہ اس ملک کی فضاؤں میں سوشلزم کا نعرہ گونجا تو مولانا نے بلا کسی توقف و تامل کے اس لادینی نظام کے خلاف ایسی معرکہ آرائی جدوجہد فرمائی کہ بالآخر یہ فتنہ اپنی موت آپ مرگیا، بد قسمتی سے سوشلزم کے اس فتنہ کو ہوا دینے میں کچھ نام نہاد علماء بھی پیش پیش تھے، اسلئے اِس محاذ پر مولانا کو جو ملکی لڑائی لڑنی پڑی اور مولانا مرحوم نے اس خطیبانہ بلاغت اپنے عام فہم اسلوب اور اپنی بے پناہ قوت استدلال سے سوشلزم کے اس آتش فتنہ کو اس طرح فرد کیا کہ ہر حامی بھی سوشلزم کے کفر اور باطل ہونے کی حقیقت سے باخبر ہوگیا اور یہ مولانا مرحوم ہی کی مساعی کا ثمرہ ہے کہ جس جماعت نے سوشلزم کو اپنے انتخابی منشور کا ثمرہ بنا کر پیش کیا تھا جب وہ جماعت برسرِ اقتدار آئی اور ملک کا دستور اس کی نگرانی میں بنا تو اس میں سوشلزم کا لفظ تک موجود نہیں تھا۔ ۱۹۷۰ء کے الیکشن کے موقع پر اور اس سے پہلے سوشلزم کے خلاف مولانا مرحوم نے تند و تیز تقریریں کیں اور جس طرح اس مقصد کیلئے طول طویل سفر فرمائے اس میں کوئی دوسرا شخص مولانا کا شریک و ہمسر نہ بن سکا، اور یہ اس امر کا بین ثبوت ہے کہ مولانا مرحوم اسلام پر اور نظریہ پاکستان پر ہلکی سی آنچ بھی برداشت نہیں کرتے تھے اور جہاں معاملہ کفر و اسلام کے درمیان ٹکراؤ اور تصادم کا ہوتا تھا وہاں مولانا مرحوم خم ٹھونک کر میدان میں آتے تھے۔

وہ چونکہ نسبتاً صدیقی تھے اسلئے حضرت ابوبکر صدیق اکبر کا یہ ارشادِ گرامی ان کی زندگی کا دستور العمل بن گیا تھا کہ اَیُنقَص فی الدِین و اَنا حیٌ۔ یعنی

میرے جیتے جی دین میں کمی نہیں کی جاسکتی۔

چنانچہ جب تک وہ زندہ رہے ہر خلاف اسلام نظریہ اور تحریک کیلئے شمشیر

برہنہ بنے رہے اور تمام عمران کی زبان و قلم نے جس جرات و بیباکی کے ساتھ دین اسلام نظریۂ پاکستان ، پاکستان اور عوام کے بنیادی حقوق کیلئے جہاد کیا اور اپنے مجاہدانہ کردار و گفتار سے جو شاندار روایات قائم کیں وہ نہ صرف ملک کی تاریخ میں آب زر سے لکھی جائیں گی بلکہ اسلام کا مورخ بھی اُن کی ان ناقابلِ فراموش اور گرانقدر دینی و مذہبی ملکی و ملی خدمات کو تاریخ اسلام کے ایک سنہری باب سے تعبیر کرے گا۔ انھوں نے اپنی زندگی کا اصول یہ بنایا کہ نہ کسی حکومت یا سربراہ کی ذاتی بنیادوں پر مخالفت کی اور نہ بقول شاعر

اُلجھ پڑوں کسی دامن سے میں وہ خار نہیں
وہ پھول ہوں جو کسی کے گلے کا ہار نہیں

اُنھوں نے ہر دورِ حکومت میں مسائل اور اصولوں پر اتفاق بھی کیا اور مسائل و اصولوں پر زبردست اختلاف بھی، یہاں تک کہ بعض آمروں کے غلیظ و غضب کا نشانہ بھی بنے اور قید و بند کی صعوبتوں کو بھی گلے سے لگایا، مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ گرفتاری کا پروانہ لانے والے پولیس حکام کے سامنے اُنھوں نے فرمایا تھا کہ

"ہمارے خواجہ عزیزالحسن مجذوب رحمۃ اللہ علیہ کا شعر ہے

یہ سب سوچ کر دل لگایا تھا ناصح
نئی بات کیا آپ فرمارہے ہیں

بہرحال حضرت قبلہ والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تقریباً نصف صدی قبل دین اسلام اور ملک و قوم کی خدمت کی جو شمع حق روشن کی تھی وہ انشاء اللہ تعالیٰ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کیلئے صدقہ جاریہ کے طور پر روشن رکھی جائے گی (امروز لاہور)

علمائے حق کا فتویٰ

پاکستان ایک نظریاتی مملکت ہے اسے اسلام کیلئے ہی حاصل کیا گیا تھا اور علماء حق نے اسی مقصد کی خاطر تحریک پاکستان کی حمایت کی تھی کہ اس خطہ ارض میں اسلام کا پرچم سربلند ہوگا لیکن ۱۹۶۹ء میں جب لادینی اور سوشلسٹ عناصر نے سوشلزم کا نعرہ لگایا اور مغالطہ پھیلانے کی کوشش کی سوشلزم اور اسلام دونوں ایک ہی چیز ہیں بس ذرا نام مختلف ہے۔ تو علماء حق اور اسلامیانِ پاکستان اس فریب میں کیسے مبتلا ہو سکتے تھے وہ خوب اچھی طرح جانتے تھے کہ اسلام اور سوشلزم دو متضاد اور انتہائی مختلف طریقہ ہائے زندگی ہے، سوشلزم اور کمیونزم کا تو آغاز ہی انکار

مذہب سے ہوتا ہے اس لئے دینی اور لادینی نظام کیسے ایک ہو سکتے ہیں۔ اسی لئے علمار حق نے اس فتنہ کے خلاف تقریر و تحریر کے ذریعے ملک بھر میں زبردست تحریک چلائی اور مشرق و مغربی پاکستان کے مختلف مکتب فکر اہلسنت دیوبندی، بریلوی، اہلحدیث، شیعہ اثنا عشریہ اکابر علمار نے ایک متفقہ فتویٰ "سوشلزم کفر ہے" کے نام سے جاری کیا جسے پاکستان کے مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے تحریر فرمایا اور مختلف مکاتب فکر کے مقتدر علمار کرام نے اسکی تائید میں دستخط کئے چند ممتاز علمار کے اسمار گرامی یہ ہیں۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ۔ حضرت مولانا اظہر علیؒ، مولانا احتشام الحق تھانویؒ، مولانا عبد الغفور ہزارویؒ، مولانا شاہ احمد نورانی، مفتی محمد حسین نعیم، مولانا خیر محمد جالندھری، مولانا سید محمد گونڈلوی، مولانا محمد یوسف کلکتوی، مولانا عبدالخالق رحمانی، مولانا ابن حسن جارچوی، مفتی جعفر حسین مجتہد، علامہ سید محمد دہلوی شیعہ اثنا عشریہ علامہ شمس الحق افغانیؒ، مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، مفتی جمیل احمد تھانوی، مولانا صدیق احمد چاٹگامی، مولانا سید ابو البرکات قادری، مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری، مولانا محمد یوسف بنوریؒ، مولانا محمد متین خطیب، مولانا محمد اللہ حافظ جی حضور، مولانا سید بادشاہ گل بخاری، مولانا منتخب الحق، مولانا اسرائیل خان زئی، مفتی دین محمد، مولانا محمد شفیع اوکاڑوی، مولانا عبد الغفار سلفی، مولانا سید محمد احمد رضوی، مولانا محمد احمد تھانویؒ، مولانا محمد بخش مسلم، مولانا عبید اللہ امرتسری، مولانا عبدالرحمن اشرفی، مفتی رشید احمد لدھیانوی، مولانا محمد مالک کاندھلویؒ، مفتی محمد وجیہہ، مفتی عبدالشکور ترمذی، مولانا مشرف علی تھانوئی، مولانا علامہ خالد محمود، مولانا عبدالرشید ربانی، مولانا محمد حسن جان، مولانا سلیم اللہ خان، مفتی محمد رفیع عثمانی، مولانا محمد تقی عثمانی، مولانا عبدالقادر آزاد، مولانا قاری فتح محمد پانی پتی اور مولانا عزیز الرحمن سواتی وغیرہ وغیرہ۔ اس فتویٰ پر تین سو سے زائد علمار نے دستخط کئے تھے۔ اس فتویٰ کو کتابی شکل میں ناظم دعوت الحق پاکستان کراچی نے شائع کیا علاوہ ازیں ملک کے مختلف اخبارات و جرائد میں بھی یہ فتویٰ شائع ہوا، یہ فتویٰ تو شائع ہوتی ہی رائے عامہ پر اس کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ اس کے رد عمل کے طور پر فتویٰ دینے والے ان علمار حق کے خلاف ملک کے سوشلسٹ عناصر بہت خفا ہوئے اور ان علمار کے خلاف زہر افشانی اور الزام تراشی میں کسر اٹھا نہ رکھی۔ (بحوالہ تذکرۃ الظفر متفقہ فتویٰ ۹)

فتویٰ کی اہمیت وافادیت

سوشلزم کے خلاف پاکستان کے مقتدر علمائکرام کا متفقہ فتویٰ شائع ہوا تھا اسکی اہمیت وافادیت کے بارے میں مولانا تھانوی مرحوم فرماتے ہیں کہ۔

"ابھی حال میں ملک کے مقتدر اور ہر مکتب فکر کے علمار کرام کے دستخط سے ایک فتویٰ اخبارات میں

شائع ہوا ہے جس میں سوشلزم اور بعض دوسرے لادینی نظریات کو کفر اور اس کی حمایت کو حرام قرار دیا گیا ہے اور ملک کی جو جماعتیں اور افراد جتنا جتنا اسلام سے دُور اور لادینی ازموں سے قریب تھے اتنا ہی وہ فتوے کی زد سے متاثر و مجروح ہوئے ہیں اور اسلام کے نام سے تعمیر ہونے والے بعض لادینی قلعے تو بالکل ہی مسمار ہوگئے، رد عمل اور اسی ایکشن کے عنوان سے فتویٰ کے خلاف جو شور و غوغا بپا ہے وہ دراصل انھیں حلقوں کے واویلا اور ماتم کی آوازیں ہیں جو فتویٰ کی ضرب کاری سے نیم بسمل ہیں، کسی نے سراسیمگی میں فتوے کے خلاف قانونی چارہ جوئی کیلئے ریگولیشن نمبر ۶۰ کی دھائی دی، کسی نے گھبرا کر ایوانِ صدر کو کھٹکھٹایا، کسی نے بدحواسی میں اسے عالم اسلام کے خلاف صیہونی سازش قرار دیا، کسی نے کھسیا کر امریکی سامراج اور سرمایا داروں کی ایجنسی کی مخصوص اشتراک کی گالی دی۔ بعضوں نے میرے اور دیگر علماء کے دستخط و ترمیم کے نہ شائع ہونے کا سہارا لیکر فتوے کو مشکوک اور مشتبہ بنانے کا پروپیگنڈہ کیا اور سب سے زیادہ افسوسناک یہ کہ بعض اشتراکیت کے فریب خوردہ مولوی صاحبان نے فتویٰ دینے والے ان اکابر علماء کو نااہل غیر مستند قرار دینے کی شرمناک کوشش کی جو اُن کی پیدائش سے بھی بہت پہلے سے افتاء کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ جن کے لاکھوں فتوؤں پر حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ، شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی، فقیہہ الاسلام مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ، امام العصر مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری اور شیخ الادب مولانا اعزاز علی امروہیؒ، جیسے آئمہ وقت اپنے اپنے دستخطوں سے توثیق و تصدیق کی مہریں ثبت کر چکے ہیں جن کے فتاویٰ آج بھی ہند و پاک میں حنفی اور دیوبندی مسلک کا قیمتی سرمایہ متصور ہوتے ہیں اور جو ہر مکتب فکر کے اکتیس ۳۱ علماء کے اجتماع میں مرتب ہونے والے اسلامی دستور کے ۲۲ نکات کے بانی بھی ہیں۔ میری مراد حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی شفیع دیوبندیؒ، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، اور حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی جیسے فقیہہ اور جلیل القدر علماء سے ہے جو فتویٰ جاری کرنے والے علماء کی صف اول میں سے ہیں۔ فتوے کی چوٹ سے بلبلا اٹھنے والے ان حلقوں میں سے نہ کسی حلقے کی دھمکیوں کا ہم پر کوئی اثر ہے اور نہ ہم کسی حلقے کی یاد گوئی کا جواب دینا پسند کرتے ہیں کیونکہ جابر و قاہر مسلمان بادشاہوں کے عہد استبداد میں، فرنگیوں کے جابرانہ دورِ اقتدار میں اور سکندر ایوب کی فوجی آمریت میں جو علماء آواز حق بلند کرنے سے کبھی نہیں جھجکے وہ چند غیر ملکی نظریاتِ کا پرچار کرنے والے بے ضمیر افراد کی دھمکیوں سے کیسے مرعوب ہو سکتے ہیں۔ (متفقہ فتویٰ ۱۷ تا ۱۹)

مولانا تھانوی ؒ کا انٹرویو

ملک میں جب کچھ جاگیر داروں اور سرمایہ داروں کی اولادِ ناخلف سوشلزم اور اسلامی سوشلزم کا نعرہ بلند کر رہی تھی تو مولانا تھانوی مرحوم سینہ سپر ہو کر ان باطل قوتوں کے مقابلہ میں نکلے اور اسلام کا پرچم بلند کیا اپنی تقریروں اور تحریروں کے ذریعے مسلمانوں کو اس لادینی نظریے سے آگاہ کیا۔ ذیل میں مولانا مرحوم کا ایک انٹرویو مختصراً پیش کیا جاتا ہے جس سے نظریہ اسلام کی حقیقت واضح ہوتی ہے اور سوشلزم جیسے لادینی نظام کے صحیح خدوخال سے روشنی ہوتی ہے۔ چند اقتباسات ملاحظ فرمائیے۔

مولانا تھانویؒ فرماتے ہیں کہ۔

"نظریہ پاکستان کا منشاء و مدعا اسلام اور صرف اسلام ہے اور چونکہ اسلام دوسرے مذہب کی طرح ضمیمہ زندگی کی حیثیت نہیں رکھتا بلکہ مکمل ضابطۂ حیات اور افراد معاشرہ کے انفرادی اور اجتماعی تقاضوں کو پورا کرنے کا ضامن ہے اس لئیے اسلام اور نظام اسلامی کسی کافر حکومت اور اجنبی نظام مملکت میں قائم نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ اس کا اپنا وطن اپنا ملک اور اپنی سرزمین نہ ہو، بنابریں مسلمان ہر دور میں اسلام کے کامل نفاذ کی خاطر اسلامی سلطنت اور اسلامی حکومت کو ناگزیر سمجھ کر اس کے لئے جدوجہد کرتے رہے اگر اسلام محض عبادات کا مجموعہ ہوتا اور بندگی سے اس غایت پوری ہو سکتی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سرزمین مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف نہ لے جاتے، اسلام کے اسی مزاج اور اسی حیثیت کا اثر تھا کہ مسلمانان ہندوستان نے حکومت اور اقتدار سے محروم ہو جانے کے بعد بھی اسلام حکومت و سلطنت کے قیام کی جدوجہد کو جاری رکھا اور جب خلافتِ عثمانیہ نے بھی دم توڑ دیا تو یہ جدوجہد تیز تر ہو گئی۔ اسی کے نتیجہ میں مسلم لیگ نے تحریک پاکستان کا آغاز کیا جس کا مقصد ایسے خطہ کا حصول تھا جہاں اسلام کے انفرادی اور اجتماعی تقاضوں پر آزاد عمل اور اسلام کا اخلاقی، سیاسی، معاشی اور تعلیمی نظام قائم کیا جاسکے۔ چنانچہ جونہی مطالبہ پاکستان سامنے آیا۔ برِ عظیم پاک و ہند کے مختلف الخیال، مختلف انسان، اور مختلف جغرافیائی حدود میں بٹے ہوئے مسلمان متحد ہو گئے اور تمام گروہی و علاقائی مفادات کو بھول کر اسلامی نظام کے قیام کیلئے ایک ہو گئے اور انھوں نے اپنے گھر کو اُجاڑ کر نیا گھر آباد کرنے کے عزم کا اظہار کیا تاکہ اسلام کا گہوارہ اور وطن وجود میں آجائے بالآخر ان قربانیوں کے نتیجہ میں پاکستان قائم ہوا۔ جو وطن اس اہم اساس پر وجود میں آیا ہو اس میں بنیادی نظریہ اور ملک دو الگ الگ چیزیں نہیں بلکہ ایک حقیقت کی دو تعبیریں ہیں۔ نظریہ پاکستان کی حفاظت دراصل پاکستان کی حفاظت ہے اور اس نظریہ کی مخالفت پاکستان کے وجود کی

مخالفت اور اسے ختم کرنے کی کوشش ہے یہی وجہ ہے کہ لوگ جن کی نظروں میں پاکستان کھٹکتا ہے اور جو اس کی سالمیت و استحکام کو برداشت نہیں کرسکتے۔ ملک میں لادینی نظریات کو فروغ دے رہے ہیں اور لادینی نظام قائم کرنے کے نعرے لگا رہے ہیں۔ یہ عناصر کھل کر پاکستان کی مخالفت تو نہیں کرسکتے البتہ اس ذریعہ سے اسے ختم کرنا چاہتے ہیں کیونکہ جانتے ہیں کہ اگر نظریہ پاکستان یعنی اسلام کو متنازعہ مسئلہ بنا دیا جائے تو پاکستان کے مربوط اجزا منتشر ہو جائیں گے اور پھر ان کا کام آسان ہو جائیگا اس لئے پاکستان کے عوام ارباب اقتدار کو خواہ وہ جمہوری نمائندے ہوں یا فوجی و شہری ملازمین صرف دینی بنیاد ہی پر نہیں بلکہ اس ملک کی بقا اور سالمیت کی خاطر ایک لمحہ کیلئے بھی کسی لادینی نظام اور نظریہ کو برداشت نہیں کرنا چاہیئے۔ اگر اس معاملے میں کوئی کوتاہی سے کام لیا گیا اور اس سے وطن عزیز کو کوئی نقصان پہنچا تو ہم عنداللہ و عندالناس مجرم ہوں گے اور تاریخ اور آنے والی نسلیں ہمیں کبھی معاف نہیں کریں گی۔

سوشلزم محض کسی معاشی یا اقتصادی نظام کا نام نہیں پوری زندگی کا ضابطہ ہے جس کا حاصل مذہب اور خدا کی نفی اور مخالفت ہے۔ دنیا کے تمام مذاہب اور ادیان روحانیت کو اساس قرار دیتے ہیں جس کی ابتدا خدا کے تصور سے ہوتی ہے اور سوشلزم ایک مادی ضابطہ حیات ہے جس کا آغاز انکارِ خدا اور انکارِ مذہب سے ہوتا ہے۔ مذہب یا دین زندگی کا تصور خدا سے حاصل کرتا ہے جب کہ مادی نظام کا موجد اس ضابطہ حیات کو انسانی فکر اور انسانی عقل سے ترتیب دیتا ہے اس لئے یہ سمجھنا یا کہنا کہ سوشلزم صرف اقتصادی یا معاشی نظام ہے حقیقت کے خلاف اور دوسروں کو دھوکہ دینا ہے، سوشلزم کسی مذہب یا دین کا پیوند نہیں بن سکتا بالخصوص اسلام کے ساتھ اس کا کسی نوع کا رشتہ یا کسی قسم کی پیوند کاری ممکن نہیں کیونکہ دنیا کے تمام مذاہب میں اسلام ہی ایسا مکمل دین اور کامل ضابطہ حیات ہے جس کا اپنا سیاسی نظام بھی ہے اور اقتصادی نظام بھی اور اسلام اپنی جامعیت کی بنا پر دنیا کے کسی آسمانی مذہب سے پیوند کاری کی اجازت نہیں دیتا وہ کسی لادین فلسفی یا حکیم کے ایجاد کردہ ازم سے تعلق کیسے برداشت کرسکتا ہے۔

جہاں تک اسلامی سوشلزم کی اصطلاح کا تعلق ہے یہ بجائے خود غلط ہے جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں، سوشلزم سراسر مادی نظام اور کُفر ہے۔ اس صورت میں اسلامی سوشلزم کا مطلب اسلامی کفر کے سوا کچھ نہیں ہوسکتا۔ ظاہر ہے کہ کوئی کفر ایسا نہیں ہوسکتا جس کی اسلام اجازت نہ دیتا ہو، سوشلزم کے داعی طرح طرح کی بولیاں بول اور کہہ رہے ہیں کہ ہمارا سوشلزم قرآن اور سنت کے عین مطابق ہے اور اسلامی سوشلزم کی اصطلاح میں کوئی عیب نہیں۔ سوال یہ ہے کہ اسلام پہلے آیا یا سوشلزم؟ اگر اسلام کی

کوئی بات سوشلزم میں ہے تو وہ اسلام ہی سے لی گئی ہے۔ اسلام کی غیرت یہ گوارا نہیں کر سکتی کہ کسی لادینی نظام کا نام لے کر اسلام کے مطالب اور معانی ادا کیئے جائیں۔ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن جب مالٹا سے آئے تو ہندوؤں اور مسلمانوں نے ان کا زبردست استقبال کیا، استقبال کرنے والوں میں مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی بھی شامل تھے، جلوس میں کسی نے محمود حسن کی جے کا نعرہ لگا دیا، یہ نعرہ سنتے ہی مولانا شیخ الہند نے فوراً جلوس رکوالیا اور مولانا شوکت علی سے کہنے لگے کہ میں تو نعرہ تکبیر چھوڑ گیا تھا یہ جے کارے کب سے لگنے لگے انھوں نے جواب دیا کہ حضرت۔ جے کا مطلب ہے "فتح" شیخ الہند مولانا محمود حسن نے بڑی تلخی سے کہا کہ اگر ترجمہ ہی کرنا ہے تو اللہ کا ترجمہ رام کیوں نہیں کر لیتے؟ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ اسلام اور سوشلزم میں کوئی فرق نہیں نہیں وہ قوم کو دھوکہ دے رہے ہیں، عوام کی حالت بہتر بنانے کا ایک ہی راستہ ہے کہ ملک میں اسلام کا نظام قائم کیا جائے جس میں نہ کسی ارب پتی کی گنجائش ہے اور نہ کوئی اتنا غریب ہوتا ہے کہ نان شبینہ کو ترسے۔ ہم ایمانداری کے ساتھ یہ سمجھتے ہیں کہ سوشلزم اور سرمایا داری دونوں لعنتوں سے نجات حاصل کرنا ضروری ہے لیکن سرمایا داری کی مخالفت میں سوشلزم کی حمایت ایک لعنت سے چھٹکارا حاصل کرکے دوسری کو گلے لگانا ہے۔ ایک دفعہ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے کچھ سربرآوردہ لوگوں نے عرض کیا کہ مولانا اس زمانے میں سود کے بغیر کام نہیں چلتا۔ آپ اس کاغذ پر دستخط کریں کہ سود حلال ہے۔ حضرت حکیم الامت نے کہا "یہ دین" اشرف علی کا دین نہیں ہے اللہ کا دین ہے اگر اس کاغذ پر دستخط کردوں تو فتویٰ اپنی جگہ پر رہے گا لیکن اشرف علی اپنی جگہ پر نہیں رہے گا" ہمارا یہی موقف ہے۔ ہم یہ نہیں کر سکتے کہ ایک برائی کو ختم کرنے کیلئے دوسری برائی کو قبول کرلیں۔ یہ بھی واضح رہے کہ ہم نے پاکستان سوشلزم کیلئے حاصل نہیں کیا تھا۔

مقصد تو متحدہ ہندوستان میں بھی حاصل کیا جاسکتا تھا۔ کیا نہرو پکا سوشلسٹ نہیں تھا؟ سچ یہ ہے کہ پاکستان اسلام کی امانت ہے اور اسلام، نماز، روزہ اور داڑھی کا نام نہیں اور نہ صرف سجدہ اور رکوع کا نام ہے بلکہ ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اور ممکن نہیں کہ اسلام کے پیرو مسجد میں تو اسلام کا نام لیں اور مسجد سے باہر اپنے نفس کی اطاعت کرتے رہیں۔ سجدہ میں تو اللہ کو خالق قرار دیں اور عملی زندگی میں کارل مارکس اور لینن کو راہنما سمجھیں۔

قائداعظم اور لیاقت علی خان کو جو لوگ سوشلسٹ یا اسلامی سوشلسٹ قرار دیتے ہیں وہ ان پر بہتان باندھتے ہیں انھوں نے کبھی سوشلزم کا لفظ استعمال نہیں کیا بلکہ اس کے برعکس قائداعظم نے ہمیشہ اسلامک سوشل جسٹس کا لفظ استعمال کیا جسے آج اسلامی سوشلزم کا غلط نام دیا جارہا ہے۔ اسی طرح

قائد ملت نے بھی کبھی سوشلزم کی حمایت نہیں کی بلکہ ایک اور ملاقات میں جبکہ بعض حلقے ان پر شدید نکتہ چینی کر رہے تھے انھوں نے کہا۔

"مولانا۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ میں اسلام کا نام صرف سیاست کے طور پر استعمال کرتا ہوں لیکن میرا ایمان ہے کہ پاکستان کی بقار اسلام ہی سے وابستہ ہے، اگر یہاں اسلامی نظام کے علاوہ کوئی دوسرا نظام رائج کیا گیا تو یہ قائم نہیں رہ سکے گا"

میں یہ بات محسوس کر رہا ہوں کہ سوشلسٹ حضرات نے اسلام کو جماعت اسلامی کے ساتھ مخصوص کر رکھا ہے وہ اسلام پر براہِ راست حملہ کرنے کی جسارت تو نہیں کر سکتے، اس لیئے جماعت اسلامی کو گالی دے کر اپنے دل کی بھڑاس نکالتے ہیں وہ لوگوں میں یہ تاثر پیدا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ صرف جماعت اسلامی ہی سوشلزم کی مخالفت کر رہی ہے یہ یقیناً ایک بہت بڑا جھوٹ ہے۔ علمار اسلام نے تو شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی زیر قیادت اُس وقت لادینی قوتوں کے خلاف جدوجہد کا آغاز کیا تھا جب جماعت اسلامی کا کہیں نام تک نہ تھا، پاکستان کا ہر صحیح مفکر عالم دین سوشلزم کا مخالف ہے اس سے کوئی بھی سمجھوتہ نہیں کر سکتا وہ علمار جنھوں نے شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی کی قیادت میں پاکستان کے حصول کیلئے جدوجہد کی تھی ان کا فرض ہے کہ اب سوشلزم کے فتنے کو کچلنے کیلئے بھی کمر ہمت کس لیں، اس سلسلہ میں مولانا ظفر احمد عثمانی اور مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کو پہل کرنی چاہیئے کہ جمعیت علمار اسلام میں شیخ الاسلام علامہ عثمانی کے بعد انھی حضرات کی ذات سب سے زیادہ مکرم اور مقتدر ہے۔ جمعیت علمار اسلام کے نام سے جو لوگ سرگرم ہیں انھیں تحریک پاکستان سے دُور کا بھی واسطہ نہیں یہ سب نظریۂ پاکستان کے دشمن تھے، انھی لوگوں سے ہم نے حضرت شیخ الاسلام کی زیر قیادت جنگ لڑی تھی اب انھوں نے جمعیت علمار اسلام کے نام پر ہی قبضہ کر لیا ہے، اس وقت تحریک پاکستان سے بھی زیادہ فیصلہ کن مرحلہ درپیش ہے رب ہمیں نظریۂ پاکستان کے بقار کی جنگ لڑنی ہے، کانگریس علمار نے اس نظریے کی بیخ کنی کیلئے اس وقت بھی کوشش کی تھی جب ہم پاکستان کی جنگ لڑ رہے تھے اور وہ آج بھی اپنا وزن اس نظریے کے مخالفین کے پلڑے میں ڈال رہے ہیں، جمعیت علمار اسلام کے بانیوں اور شیخ الاسلام علامہ عثمانی کے نام لیواؤں کا فرض ہے کہ وہ اس صورت حال کا مقابلہ کرنے کیلئے تیار ہو جائیں۔ انشاالله بہت جلد مختلف مکاتیب فکر کے علمار کا ایک کنونشن طلب کیا جائے گا جس میں اسلامی معاشی نظام کا ایک متفقہ اور مربوط خاکہ پیش کیا جائیگا۔ جس طرح ۱۹۵۱ء میں علمار نے دستوری مسائل پر ایک متفقہ فارمولا تیار کیا تھا اسی طرح اسلامی معاشی نظام بھی مرتب کر لیا جائیگا، ہم سوشلزم کا چیلنج قبول کرتے ہیں اور اسے یہاں دفن کر کے دم لیں

گے۔ یہ ملک اسلام کیلئے بنا ہے اور انشاء اللہ یہاں اسلامی حکومت قائم ہو کر رہے گی اور اسلامی معاشرہ جنم لے کر رہے گا"

(نگہ کی نامسلمانی نومبر ۱۹۶۹ء)

معاشی اصلاحات کا ۲۲ نکاتی خاکہ

سرمایا دارانہ نظام کی ستائی ہوئی دنیا کو اس زمانے میں سوشلسٹ عناصر نے یہ فریب دینے کی کوشش کی ہے کہ اُن کی معاشی مشکلات کا حل اسلام میں نہیں بلکہ سوشلزم میں ہے، علماء کرام کی طرف سے سوشلزم کے کفر ہونے کا فتویٰ ملک میں شائع ہوا تو اسلامی نظام اور تعلیمات سے ناواقف نوجوانوں کے دلوں میں یہ سوال پیدا ہوا کہ اسلامی نظام میں غریبوں کی موجودہ مشکلات کا حل کیا ہے؟ اس لئے مولانا احتشام الحق تھانویؒ نے علماء حق کا ایک کنونشن طلب کیا اور اسلامی معاشی اصلاحات کے متعلق متفقہ مختصر خاکہ پیش کیا یہ پورا خاکہ ہفت روزہ صورت الاسلام لاہور مجریہ ۱۲ جون ۱۹۷۰ء میں شائع ہوا تھا ان اصلاحات پر ۱۱۸ علماء کے دستخطوں کا عکس بھی مذکورہ شمارہ میں شائع ہوا ہے ان علماء میں مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، مفتی محمد شفیع دیو بندیؒ، مولانا اطہر علیؒ، مولانا خیر محمد جالندھریؒ، مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، مولانا محمد متین خطیبؒ مولانا احتشام الحق تھانویؒ، مولانا محمد مالک کاندھلویؒ، مولانا مفتی محمد وجیہ، مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی اور مولانا عبدالرحمن الشرفی وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ علماء کرام کے اس خاکہ میں ارتکاز دولت کے تمام ذرائع مثلاً سُود، سٹہ، انشورنش اور قمار کو قانوناً ممنوع قرار دیا گیا ہے اگر حکومت اس کو ملک میں نافذ کردے تو تمام معاشی الجھنیں جن سے ملت آج دوچار ہے سُلجھ جائیں، ماؤ اور مارکس کے نظریات کے ساتھ سرمایا دارانہ نظام بھی آپ اپنی موت مرجائے اور اقتصادی حالت بہتر ہو کر عام آدمی کی حالت بھی بہتر ہوجائے۔ اس کے علاوہ انہی علماء نے مختصراً اسلامی نظام کے بنیادی اصول کے نام سے ایک خاکہ پیش کیا جو ہفت روزہ "صوت الاسلام" لاہور میں شائع ہوا"
(تذکرہ الظفر مولفہ عبدالشکور ترمذی)

مرکزی جمعیت علماء اسلام کا احیاء

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان نقشہء عالم پر نمودار ہوا اور مسلمانوں کا خواب شرمندہء تعبیر ہوا جس کے بارے میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ اپنی کتابوں کے مختلف صفحات پر تحریر فرما چکے ہیں۔ پاکستان کا یہ قیام کوئی حادثہ نہیں تھا جو یکایک

نمودار ہوگیا بلکہ اس کے پس منظر میں وہ تمام سیاسی جدوجہد تھی جو حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے زمانہ سے لے کر قیام پاکستان تک مختلف ادوار میں کی گئی اور اس کی آبیاری حضرت شاہ اسماعیل شہید، سید احمد شہید، حافظ ضامن تھانوی شہید کی شہادتیں، حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی مہاجر مکی کی ہجرت، مولانا محمد قاسم نانوتوی اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی سیاسی سرگرمیاں، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ اور ان کے ساتھیوں کی مالٹا میں اسیری، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے سیاسی دورے اور مولانا ظفر احمد عثمانی اور اُن کے رفقاء مولانا مفتی محمد شفیعؒ اور مولانا احتشام الحق تھانویؒ کی انتھک محنت اور دوسرے مختلف لوگوں کے خون سے کی گئی، تب کہیں صد سالہ جدوجہد آزادی کا یہ ثمرہ معرضِ وجود میں آیا۔

۱۹۴۵ء میں تحریک پاکستان جس موڑ پر تھی اس موڑ پر اس بات کی اشد ضرورت تھی کہ کچھ ایسے علماء اس تحریک میں گرم جوشی کے ساتھ دلچسپی لیں جو علم و عمل کے اساطین ہوں قوم میں مقتدر اور جانے پہچانے ہوں عوام پر ان کا اثر ہو اور عملی حلقوں میں ان کی اچھی خاصی شہرت ہو، کیونکہ ہندو اپنے سیاسی اسلحہ خانہ کا ہر ہتھیار پاکستان کی تحریک کو ختم کرنے میں استعمال کر رہا تھا اور اس کی تمام کوشش یہ تھی کہ عوام و خواص کے اس سیلاب کو روکا جائے جو اندرون ملک اور بیرون ملک اس تحریک کو کامیاب بنانے اور اس خواب کو شرمندہ تعبیر کرنے کیلئے سردھڑ کی بازی لگائے ہوئے تھا چنانچہ نومبر ۱۹۴۵ء میں کلکتہ جیسے عظیم شہر میں جمعیت علماء اسلام کا قیام عمل میں آیا اور باتفاق رائے شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی اس کے پہلے صدر مقرر ہوئے، جمعیت کے اس قیام سے تحریک پاکستان میں ایک نئی رُوح پیدا ہوئی اور نتیجہ یہ ہوا کہ پونے دو سال کے قلیل عرصہ میں عالم اسلام کی سب سے بڑی اسلامی مملکت معرضِ وجود میں آگئی، قیام پاکستان کے بعد یہ خیال تھا کہ جس مقصد کیلئے یہ ملک معرضِ وجود میں آیا ہے وہ مقصد اول ہی روز پورا ہو جائیگا لیکن قوم کی شومئ قسمت سے کچھ ایسے لوگ بھی اس مملکت میں برسرِ اقتدار آگئے جو انگریز کی معنوی اولاد ہونے کی وجہ سے ایک روز بھی سیاسی پلیٹ فارم پر نہیں آئے تھے اور جنھوں نے ایک لمحہ بھی تحریک آزادی میں حصہ نہیں لیا تھا بلکہ انگریز کے زمانہ میں اقتدار کی کرسی پر بیٹھ کر تحریک پاکستان کی پشت میں چھرا گھونپنے کی کوشش میں مصروف رہے اور اس کو ناکام کرنے میں اپنی تمام توانائیاں صرف کرتے رہے چنانچہ حالات کی نزاکت کے تحت علماء اسلام قیام پاکستان سے بھی زیادہ گرم جوشی کے ساتھ پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام میں مصروف ہوگئے چنانچہ شیخ الاسلام علامہ عثمانی نے قرار دادِ مقاصد کے مسودہ کو تیار کر کے اسے اسمبلی سے منظور کروایا ۱۹۴۹ء میں تعلیماتِ اسلامیہ بورڈ عمل میں لایا گیا اور علامہ عثمانی نے خود اس کی تشکیل اور اس کے ارکان کا انتخاب کیا۔ ۱۹۵۰ء میں لا ر کمیشن میں جمعیت علماء اسلام کے

نمائندگان نے ایک اہم کردار ادا کیا ۱۹۵۱ء میں مرکزی جمعیت علماء اسلام کے قائد مولانا احتشام الحق تھانویؒ نے ۳۱ علماء کو دعوت دی اور ۲۲ نکات پر مشتمل ایک دستوری خاکہ منظور کروایا اور ایک عظیم کارنامہ سرانجام دیا۔

جمعیت کا یہ کارواں اپنی منزل کی طرف رواں

دواں تھا کہ بعض ایسے لوگ اس میں شامل ہوگئے جن کا ماضی پاکستان دشمنی سے داغدار تھا۔ جمعیت میں ان کی شمولیت ایک خاص سازش کے تحت تھی چنانچہ ایک موڑ ایسا آیا جب ان لوگوں نے علامہ عثمانیؒ کی قائم کردہ جمعیت پر غاصبانہ قبضہ کرلیا تاکہ اپنے ناپسندیدہ عزائم کو بروئے کار لاسکیں۔ حضرت شیخ الاسلام کے جانشین ان کی اس نازیبا حرکت پر بعض وجوہ کی بناء پر خاموش رہے ان میں سے ایک وجہ یہ تھی کہ شاید یہ لوگ اپنے ماضی پر اظہار تائف کرتے ہوئے مستقبل کو اپنی اسلامی خدمات سے منور کریں لیکن دیکھنے میں ایسا محسوس ہورہا تھا کہ ان چند مخصوص لوگوں نے ہر مقام پر اسلام اور نظریہ پاکستان کو پس پُشت ڈالا، دکھاوے کیلئے وقت کے بدترین آمر کے مخالف رہے لیکن اپنے افعال و کردار سے اس کے گرتے ہوئے اقتدار کو کندھا دیتے رہے، اسمبلی میں حزب اختلاف کے بنچوں میں بیٹھ کر آمریت کے حق میں تقریریں کرتے رہے اور وقت آنے پر اس کے ظلِ سبحانی کو لوگوں کے سروں پر قائم و دائم رکھنے کیلئے ووٹ بھی دیتے رہے جس کی تفصیل بہت طویل ہے، علامہ عثمانی کے جانشین ان لوگوں کی کاروائیوں پر نہایت مضطرب تھے کہ اسی دوران میں ایک حادثہ پیش آیا جس نے ان لوگوں کے عزائم کو یکایک بے نقاب کردیا، ہوا یہ کہ ایوب خان کُرسی آمریت کے بادوش سے سبکدوش ہوگئے اور محلاتی سازشوں کے تحت "لے پالک" پاکستان میں سوشلزم کا پرچار کرنے لگا، ان لوگوں نے اپنی مفت شہرت کے حصول کیلئے جھٹ اس کا سوانگ کیا اور اس کی تمام غیر اسلامی کاروائیوں اور پالیسیوں کو اسلامی لبادہ پہنانا شروع کردیا اور اسکی تائید میں بیان داغنے شروع کردیئے۔ علماء حق سے دین کی کتر بیونت نہ دیکھی گئی اور انھوں نے ضروری سمجھا کہ شیخ الاسلام علامہ عثمانی کی قائم کردہ مرکزی جمعیت علماء اسلام کا پھر سے احیاء کیا جائے اور اس نازک موقع پر عوام الناس کی دین کی روشنی میں راہنمائی کی جائے تاکہ ہماری اسوقت خاموشی سے سادہ دل لوگ ان لوگوں کے قول و فعل کو اسلام نہ سمجھ لیں چنانچہ ۲۲ اگست ۱۹۶۹ء کو کراچی میں کل پاکستان مرکزی جمعیت علماء اسلام کی مجلس شوریٰ کا اجلاس بلاکر اس کا احیاء کیا گیا اور حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کو جمعیت علماء اسلام پاکستان کا امیر اعلیٰ منتخب کیا گیا۔ کُل پاکستان مرکزی جمعیت علماء اسلام کے دوسرے مرکزی عہدیداران میں نائب امیر اول مولانا اطہر علی صاحبؒ، نائب دوم مولانا متین خطیب، ناظم اعلیٰ مولانا صدیق احمد اور قائد

جمعیت مولانا احتشام الحق تھانوی خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔ مفتیٔ اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کل پاکستان مرکزی جمعیت علمار اسلام کے سرپرستِ اعلیٰ منتخب ہوئے اور مرکزی مجلس شوریٰ کے ارکان میں مشرقی و مغربی پاکستان کے جید علمار کرام خصوصاً حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی، حضرت مولانا خیر محمد جالندھری، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی، حضرت مولانا محمد احمد تھانویؒ، حضرت مولانا سید عنایت اللہ بخاری مولانا عبید اللہ صاحب مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور۔ مولانا صاحبزادہ عبدالرحمٰن اشرفی، مولانا سید مفتی عبد الشکور ترمذی، مولانا محمد مالک کاندھلوی، مولانا مفتی رفیع عثمانی، مولانا محمد تقی عثمانی، عبدالرشید ربانی، علامہ خالد محمود، مولانا مشرف علی تھانوی، مولانا محمد شریف جالندھری اور مولانا نذیر احمد فیصل آبادی وغیرہ شامل ہیں۔ عوام تو پہلے ہی مرکزی جمعیت کیلئے چشم براہ تھے چنانچہ جمعیت کے احیار کا اعلان ہوتے ہی لوگوں نے جوق در جوق جمعیت میں شامل ہونا شروع کردیا چنانچہ قلیل مدت میں مشرقی و مغربی پاکستان کے ہر شہر اور قصبہ میں اللہ کے فضل سے جمعیت کی شاخیں قائم ہوئیں اور نہایت سرگرمی سے علمار حق نے سوشلزم کے سیلاب کو روکنے کیلئے شہر شہر اور بستی بستی جلسے کئے اور قائدِ جمعیت مولانا احتشام الحق تھانوی کے دوروں نے تو قصرِ اشتراکیت کو لرزہ براندام کردیا تھا ان حالات میں ضروری تھا کہ جمعیت کا ایک اپنا ترجمان ہو جس کے ذریعہ ایک طرف تو جمعیت کی مختلف شاخوں کا آپس میں رابطہ قائم ہوگا اور دوسری طرف اپنے نظریات اور خیالات کو عوام تک پہنچایا جائیگا "صوت الاسلام" کے نام سے ایک ہفتہ روزہ مرکزی جمعیت علمار اسلام لاہور کے مرکزی دفتر سے جاری کیا گیا، مشرقی پاکستان سے ایک ہفتہ وار پرچہ "نظام اسلام" جاری کیا گیا۔

مجلسِ شوریٰ میں خطاب

مولانا احتشام الحق تھانوی نے مرکزی جمعیت علمار اسلام کی تشکیلِ نو کے وقت کراچی میں مرکزی جمعیت علمار اسلام پاکستان کی مجلسِ شوریٰ کے سامنے خطاب فرمایا جو مختصراً پیش خدمت ہے۔

چند اقتباسات ملاحظ فرمایئے۔

مرکزی جمعیت علمار اسلام پاکستان وہ جماعت ہے جسے شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمتہ اللہ علیہ اور اُن کے رفقار مولانا ظفر عثمانی صاحب مولانا مفتی محمد شفیع اور مولانا اطہر علی صاحب نے غیر منقسم ہندوستان میں تحریک پاکستان کی جدوجہد کیلئے قائم فرمائی تھی، شیخ الاسلام اور ان کے رفقار نے ہی قیام پاکستان کے بعد یہاں قرار دادِ مقاصد منظور

کرانے اور اسلامی دستور نافذ کرانے کیلئے مؤثر کوششیں کیں، حضرت شیخ الاسلام نے قیام پاکستان کے بعد اُن علمار کو بھی ملکر کام کرنے کی دعوت دی جو قیام پاکستان سے قبل اس جمعیت میں شامل نہیں تھے چنانچہ ایسے مقتدر علمار حضرات نے بجیاس کے ساتھ پُر خلوص تعاون کیا اور ماضی کے خیالات سے کنارہ کش ہوگئے۔ شیخ الاسلام کی رحلت کے بعد مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی، حضرت مولانا سید سلیمان ندوی اور حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب اس جمعیت کے مرکزی صدر اور سرپرست رہے، شیخ الاسلام کے ان ہی رفقار کی مساعی سے ۱۹۵۱ء میں ۲۲ نکات پر مشتمل اسلامی دستور کا خاکہ مرتب کیا گیا جو مختلف مکاتب فکر کے علمار کو ایک پلیٹ فارم پر اکھٹے کرنے کا خاکہ مرتب کیا گیا جو مختلف مکاتبِ فکر کے علمار کو ایک پلیٹ فارم پر اکھٹے کرنے کی ایک مثالی جدوجہد تھی، اور مختلف مکاتب فکر کے علمار کا یہ اجتماع پاکستان کی تاریخ کا ایک اہم باب ہے اس کے علاوہ ان بزرگوں کی سرپرستی میں ہم نے مشرقی و غربی پاکستان کا دورہ کر کے ملک کے تمام حصوں میں جمعیت کو مستحکم کیا اور نظام اسلام کانفرنسیں منعقد کیں جس کے نتیجہ میں ۱۹۵۶ء میں ایک ایسا دستور منظور ہوگیا جسے ملک کے تمام دینی حلقوں نے بحیثیت مجموعی سراہا لقرض جمعیت اپنے دستور اور اغراض و مقاصد کے مطابق تمام دینی و اسلامی کاموں میں بڑی سرگرمی سے حصہ لیتی رہی لیکن اکتوبر میں بعض ایسے حضرات نے ملتان میں ایک کنونشن منعقد کیا جو تقسیم سے قبل جمعیت علمار ہند سے وابستہ تھے اس اجتماع میں جمعیت علمار اسلام کے اکابرین اور ذمہ داروں میں سے کسی نے شرکت نہیں کی، اس اجتماع کے بعد یک بیک یہ فیصلہ سامنے آیا کہ وہاں ایک نئی جماعت قائم ہوگئی ہے اور اس نے جمعیت علمار اسلام ہی کا نام استعمال کیا اس کنونشن کی مطبوعہ روئیداد اس بات کی گواہ ہے کہ یہ سراسر نئی تنظیم ہے اس کا شیخ الاسلام علامہ عثمانی کی قائم کردہ جمعیت علمار اسلام سے کوئی تعلق نہیں تھا روئداد میں علامہ عثمانی کی جمعیت کا کوئی ذکر نہیں ہے اور اس نئی جماعت کا دستور بھی الگ تھا اس عجیب و غریب طرز عمل کے جواب میں ہم نے علمار کے افتراق سے بچنے کیلئے فوراً آئینی کاروائی کرنے کے بجائے افہام و تفہیم کی کوشش کی جس کا جواب معاہدہ شکنی کی صورت میں نمودار ہوتا رہا اس دوران اس نئی تنظیم نے جداگانہ انتخاب کی مخالفت کر کے جمعیت علمار اسلام کے بنیادی نظریات پر ضرب لگائی تو اس مسئلے پر مجبور ہو کر ہم نے اس نئی جماعت سے اپنی برات کا اعلان کیا۔

مگر یہ نئی جماعت بدستور جمعیت علمار اسلام کا نام استعمال کر کے کام کرتی رہی، ۱۹۵۸ء کے مارشل لار میں چار سال جماعتوں پر پابندی لگانے کے بعد

۱۹۶۲ء میں جماعتوں کو بحال کرنے کی اجازت ملی تو بعض دوسری جماعتوں کی طرح جنھوں نے اپنی بحالی کو جمہوریت کی بحالی کے بغیر بے معنی سمجھ کر بحال کار کا اعلان نہیں کیا تھا ہماری جمعیت نے بھی بحالی کا اعلان نہیں کیا خصوصاً اس وجہ سے کہ یہ نئی متوازی جمعیت علماء اسلام علماء کے افتراق سے بے نیاز ہو کر اپنے ناقابلِ فہم موقف سے ہٹنے کیلئے تیار نہیں اس لئیے دو جماعتوں کے ایک ہی نام سے چلتے رہنے سے علماء کے درمیان اختراق بڑھتا جائے گا جو کسی طرح پسندیدہ نہیں اس وقت یہ خیال نہ تھا کہ یہ نئی متوازی تنظیم کوئی ایسا اقدام کریگی جو اسلام کے مفادات کے صریح طور پر خلاف ہو یا جس کی ضرب پاکستان کے وجود اور اسکے نظریے پر پڑیگی چنانچہ اس کے بعد اگرچہ تنظیم نے جمعیت علماء اسلام کے مزاج کی صریح خلاف ورزیاں کیں مثلاً یہ کہ شیخ الاسلام علامہ عثمانی کی جمعیت ہمیشہ تمام مسلمان مکاتب فکر کو ساتھ لیکر اسلام کے وسیع ترفعاد کیلیے باہمی تعاون سے کام کرنیکی پالیسی پر کار بند رہی تھی، اور اسی بنیاد پر ۱۹۵۱ء، ۱۹۵۲ء میں شیخ الاسلام علامہ عثمانی کے رفقاء علامہ سید سلیمان ندوی، مفتی محمد شفیع صاحب، مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب، مفتی محمد حسن صاحب، مولانا خیر محمد جالندھری صاحب مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ صاحب اور احقر نے ۳۱ علماء کے دو کنونشن دستوری جدوجہد کیلئے منعقد کئے تھے جس میں تمام مکاتب فکر کے باہمی اختلافات پر اپنی توانائیاں صرف کیں جس کے نتیجہ میں اسلام دشمن عناصر کو تقویت پہنچنا بدیہی امر تھا بہرحال ایک طویل عرصہ تک اس قسم کی خلاف ورزیوں پر صرف اسلئے صبر کیا گیا کہ علماء کے درمیان مزید تفریق و انتشار پیدا نہ ہو لیکن اب پانی سر سے گزر چکا ہے اب یہ متوازی تنظیم اشتراکی جماعتوں کے ساتھ اشتراکِ عمل اور مسلمانوں کی صفوں میں جنگ و جدل برپا کر کے ملک میں مسلسل اسلام کے مستقبل کو نقصان پہنچا رہی ہے، اس وقت یہ جمعیت ہر معاملے میں ان عناصر کی حمایت اور ہمنوائی کر رہی ہے جو پاکستان کو ختم کرنا چاہتے ہیں اور سوشلزم جیسے لادینی فتنے کو قوم پر مسلط کرنا چاہتے ہیں، ان حالات کے پیش نظر ہم سے مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ ہم شیخ الاسلام علامہ عثمانی کی قائم کردہ جمعیت علماء اسلام کو دوبارہ سرگرم عمل کریں چنانچہ ہم اس مرحلے پر سکوت کو مداہنت اور ملک وملت سے غداری سمجھتے ہیں کہ صریح لادینی نظریات کی حمایت ہوتی رہے۔ پاکستان کی سالمیت پارہ پارہ ہو اور ہم خاموش تماشائی بنے رہیں، اسلئے اس جمعیت کو مستحکم انداز میں سرگرم عمل کرنے کیلئے آپ حضرات کو یہاں تکلیف دی گئی ہے الحمد اللہ ابھی شیخ الاسلام کے یہ رفقاءِ حضرات اکابر علماء حیات ہیں انہی کی سرپرستی میں مرکزی جمعیت علماء اسلام کا احیاء عمل میں لایا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کی خدمت کی توفیق عطا فرمائیں۔

(بحوالہ صوت الاسلام، لاہور)

مولانا تھانویؒ بحیثیت قائد جمعیت

یہ بات کسی سے مخفی نہیں ہے کہ تقسیم ہند سے قبل علمار کی دو بڑی طاقتور تنظیمیں سرگرم عمل تھیں، ایک کانگریس اور متحدہ قومیت کی حامی جمعیت علمار ہند تھی اور دوسری طرف جداگانہ نظریۂ قومیت کی داعی جمعیت علمار اسلام جو مسلم لیگ کے ساتھ تھی، جمعیت علمار ہند کے سربراہ شیخ الحدیث مولانا سید حسین احمد مدنیؒ تھے، اور جمعیت علمار اسلام کے صدر شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی تھے، مسلم عوام میں کانگریس اور مسلم لیگ کو متعارف کرانے والے یہی علمار حضرات تھے اور پاکستان کی تاسیس کا اولین سہرا بھی علمار حق کے سر ہے۔ جمعیت علمار اسلام کے اکابرین نے تعمیر پاکستان میں جو شاندار خدمات انجام دیں وہ اہل علم و نظر اور اصحاب سیر سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ یہ بھی کسی باخبر سے مخفی نہیں ہے کہ جمعیت علمار اسلام کے یہی رہنما قیام پاکستان کے بعد بھی نظام اسلام کے قیام کیلئے ہمیشہ کوشاں رہے اور دستور اسلام کے سلسلہ میں جمعیت کے ان رہنماؤں نے بڑی شاندار خدمات انجام دی ہیں، جمعیت کے پہلے صدر شیخ الاسلام علامہ عثمانی کی مساعی اور سرگرمیوں کے نتیجہ میں ہی ۱۹۴۹ء میں قراردادِ مقاصد کا عظیم وثیقہ ملت اسلامیہ پاکستان کو حاصل ہوا، پھر اسی جمعیت کے مجاہد رہنما مولانا احتشام الحق تھانویؒ کی انتھک محنت و کاوش سے ۱۹۵۱ء میں ۲۲ نکات پر مشتمل دستورِ اسلامی پاس ہو کر حکومت کو بھیجا گیا، قیام پاکستان کے بعد مولانا احتشام الحق تھانویؒ۔ حضرت شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ کے دستِ راست کے طور پر کام کرتے رہے۔ تقسیم ملک کے بعد پہلے کراچی میں جمعیت علمار اسلام قائم ہوئی اور مولانا احتشام الحق صاحبؒ، صدر منتخب ہوئے پھر کل پاکستان کی بنیاد پر اسکی تشکیل ہوئی۔ حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ کو صدر اور مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کو نائب صدر اول اور مولانا احمد علی لاہوریؒ کو نائب صدر دوم منتخب کیا گیا۔ حضرت مفتی محمد حسن صاحبؒ بوجہ علالت و نقاہت زیادہ عرصہ صدارت کے فرائض انجام نہ دے سکے تو حضرت مفتی محمد شفیع صاحب مستقل صدر منتخب ہوئے اور ۱۹۶۹ء تک جمعیت کے صدر رہے۔

جب ۱۹۶۹ء میں سوشلزم کا فتنہ اُبھرا تو علمار حق خاموش نہ رہ سکے اور جمعیت کے صدر حضرت مفتی شفیع صاحب نے جمعیت کو مستحکم انداز میں سرگرم عمل کرنے اور سوشلسٹ عناصر کو دبانے کیلئے باقاعدہ تحریک چلانے کیلئے جمعیت کی شوریٰ کا اجلاس بلایا اس میں مشرقی و مغربی پاکستان کے جید علمار کرام شریک ہوئے اور مرکزی جمعیت کا احیار کیا گیا حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ صدر منتخب ہوئے اور مولانا احتشام الحق تھانویؒ قائد جمعیت مقرر ہوئے۔ مشرقی و مغربی دونوں بازوؤں کے بڑے بڑے شہروں میں مرکزی جمعیت علمار اسلام کی کانفرنس منعقد کی گئیں اور نظام اسلام کیلئے بھرپور جید جہد

کی گئی اور یہ تقاضا شدید طور پر اُبھر کر سامنے آیا کہ قومی اسمبلی میں مرکزی جمعیت کے نمائندے منتخب ہو کر جائیں مگر دشواری یہ تھی کہ منتخب ہو کر جائیں مگر دشواری یہ تھی کہ بعض بزرگ علمار انتخاب لڑنے کے مخالف تھے اس کا حل کیا گیا کہ مرکزی جمعیت علمار اسلام کے تحت نظام اسلام پارٹی کے نام سے ایک انتخابی بورڈ تشکیل دیا جو ۱۹۷۰ء کے الیکشن میں بھرپور حصہ لے سکے چنانچہ مرکزی جمعیت علمار اسلام کی نگرانی میں اس پارٹی کا قیام عمل میں لیا گیا اور کل پاکستان مرکزی جمعیت علمار اسلام و نظام اسلام پارٹی کا قائد مولانا احتشام الحق تھانوی کو مقرر کر کے اسلامی نظام کیلئے شب و روز کام کیا گیا الیکشن میں پارٹی کے کئی نمائندے کامیاب ہوئے۔ مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذی فرماتے ہیں کہ۔

" ۲۲ اگست ۱۹۶۹ء کو کراچی میں مشرقی و مغربی پاکستان کے مقتدر علمار کرام پر مشتمل مرکزی جمعیت علمار اسلام کی مجلس شوریٰ کا اجتماع ہوا جس میں مرکزی جمعیت کا احیار عمل میں آیا اور مولانا ظفر احمد عثمانی کو جمعیت کا امیر مولانا احتشام حق تھانوی کو قائد جمعیت منتخب کیا گیا ان حضرات نے یہ ذمہ داری محض سوشلزم اور دوسرے لادینی نظریات کا مقابلہ کرنے کیلئے قبول فرمائی اور مولانا احتشام الحق تھانوی نے اُس وقت مرکزی جمعیت علمار اسلام کے امیر اعلیٰ مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کی قیادت میں وہی کردار ادا کیا جو قیام پاکستان کی جدوجہد میں مولانا ظفر احمد عثمانی نے شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی کی قیادت و نیابت میں ادا کیا تھا علامہ شبیر احمد عثمانی جمعیت علما اسلام کے صدر تھے مگر بوجہ ضعفِ مرض زیادہ کام کے متحمل نہیں تھے اس لئے عملی طور پر تمام کام مولانا ظفر احمد عثمانی انجام دیتے تھے اور اس وقت مولانا ظفر احمد عثمانی ضعیف العمر تھے تو مولانا احتشام الحق تھانویؒ نے ملک کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک طوفانی دورہ کر کے اعلانِ حق کا فرض انجام دیا اور حقِ نیابت ادا کر دکھایا غیر ضیکہ مولانا تھانوی مرحوم نے اپنی قوت سے بڑھ کر شب و روز اظہارِ حق میں حصہ لیا اور ملک بھر کے طویل طویل سفر کر کے مشرق و مغرب میں رائے عامہ کو اسلام کے حق میں ہموار کرنیکی جدوجہد میں بھرپور عملی حصہ لیا۔

مولانا محمد یوسف قریشی تحریر فرماتے ہیں کہ

" مولانا احتشام الحق تھانویؒ ان چند رہنماؤں میں سے تھے جو اس دورِ استبداد میں بھی کلمہ رحق کہنے اور ہر موڑ پر باطل نظریات سے ٹکراتے رہے، ۶۹ء میں ملک کی بعض سیاسی جماعتوں نے تحریک بحالی جمہوریت کو سوشلزم کے مخصوص مقاصد کیلئے استعمال کرنا چاہا تو سب سے پہلے مولانا احتشام الحق تھانویؒ بحیثیت قائدِ مرکزی جمعیت علمار اسلام میدان میں نکلے اور اس خطرے کو بھانپتے ہوئے قوم کو خبردار کیا، شہر شہر قریہ قریہ جا کر مسلمانوں کو اس فتنے سے آگاہ کیا اور اپنی سحر آفریں سے خطابت سے سادہ

لوے اور آن پڑھ عوام اور نئی تعلیم کے پروردہ لوگوں کو سوشلزم جیسے لادینی نظریات سے روشناس کرایا جہاں آپ جاتے سوشلزم کے مدعی گھبراجاتے تھے۔ آپ فرماتے تھے کہ جب تک ہم زندہ ہیں اسلام کا پرچم سربلند رہے گا اور نظریہ پاکستان کا تحفظ ہر صورت میں کیا جائیگا"

(ماہنامہ صدائے اسلام پشاور)

مولانا کے طوفانی دورے

قائد مرکزی جمعیت علماء اسلام و نظام و اسلام پارٹی کی حیثیت سے خطیب اسلام حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ نے پشاور سے لیکر کراچی اور چاٹگام تک کئی طوفانی دورے کئے ہر شہر اور بستی میں سوشلزم کے فتنہ کو جو ایوب خانی دور میں ایوبی حکومت کے زیر سایہ حکومت کے ایوانوں میں پنپا، بے نقاب کیا اور ان کے طاغوتی عزائم سے عوام کو روشناس کرایا اور ہم یہ بات کہنے میں حق بجانب ہوں گے کہ سوشلزم کو جس طرح پاکستان میں مولانا احتشام الحق تھانویؒ نے ننگا کیا اتنا کوئی دوسرا لیڈر نہیں کر سکا۔ مولانا نے ہر پڑھے لکھے اور جاہل کے ذہن کی اتھاہ گہرائیوں میں اس کے خلاف نفرت کا جذبہ پیدا کیا یہی وجہ تھی کہ اس فتنہ کے بانی، مولانا تھانویؒ کی شخصیت کو لوگوں کی نظروں میں کم کرنے کیلئے طرح طرح کے حربے اختیار کیا کرتے تھے۔ بہرحال مولانا کے دورے کی مختصر روداد پیش ہے۔

پشاور میں جلسہ عام

۲۲ مئی ۱۹۷۰ء کو مولانا تھانویؒ زمبیا (افریقہ) تشریف لے گئے تھے، ۴ جون کو وہاں سے واپس تشریف لائے، ۵ جون کو پشاور میں جلسہ عام سے خطاب فرمایا، پشاور ہوائی اڈہ پر مرکزی جمعیت علماء اسلام کے اراکین اور معزز شہریوں نے مولانا کا پُرتپاک استقبال کیا اور نعرہ تکبیر، اسلام زندہ باد، پاکستان زندہ باد، خطیب اسلام زندہ باد کے نعروں سے ایک روح پرور اور وجد آفرین سماں پیدا ہو گیا تھا۔ آپ نے جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ "نوجوانوں کو پاکستان کی تحریک سے روشناس ہونا ضروری ہے آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اسلام اور تحفظ نظریہ پاکستان کیلئے میدان میں نکلیں۔ آج ملک جس نازک دور سے گزر رہا ہے یہ سب نوکر شاہی اور سرکاری افسران کی بدعنوانیوں اور غلط پالیسوں کا نتیجہ ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ ایک طرف سرمایہ داری کی عفریت ملک کو تباہ کرنے کیلئے اپنے جبڑے کھولے ہوئے ہے اور دوسری طرف اشتراکیت اور سوشلزم جیسی لعنت نے اس ملک کو گھیرے میں لے رکھا ہے، لیکن جب تک مسلمان زندہ ہیں اور

اسلام کی دولت لازوال سے ان کا تعلق قائم ہے دنیا کی کوئی طاقت ان کو نقصان نہیں پہنچا سکتی اگر ہم نے اپنے دینی نظریات اور عقائد کی حفاظت نہ کی تو یہاں غیر ملکی نظریات کی بالا دستی ہوگی اور ملک ختم ہو جائے گا"

خطاب کے بعد معززین شہر نے مولانا کے اعزاز میں عشائیہ دیا اور بھرپور تعاون کا اعلان کیا۔

ملتان میں اتحاد کانفرنس

۶ جون کو بذریعہ خیبر میل آپ پشاور سے ملتان پہنچے ملتان چھاؤنی اسٹیشن پر مرکزی جمعیت کے ہزاروں ارکان کے علاوہ اراکین جمعیت اہلحدیث اور متحدہ اسلامی محاذ اور معزز شہریوں نے مولانا کا زبردست استقبال کیا ساری فضاء مختلف نعروں سے گونج رہی تھی اور مولانا پر پھولوں کی پتیاں نچھاور کی جارہی تھیں، اسی روز ۴ بجے دن خان گڑھ میں مولانا کا خطاب ہوا جو نوابزادہ نصراللہ خان کا آبائی وطن ہے۔ خانگڑھ ٹھیک چار بجے جب مولانا کی موٹر کار پہنچی تو ہزاروں لوگ خطیب الامت کیلئے چشم براہ تھے نوابزادہ سعدالدین خان نے مہمان نوازی کے فرائض سرانجام دیئے۔ خان گڑھ خطاب کے بعد مولانا مع رفقاء سفر بذریعہ کار ساڑھے آٹھ بجے ملتان پہنچے۔ مولانا کے اعزاز میں الحاج شیخ محمد سعید نے عشائیہ دیا اور سینکڑوں معززین شہر نے اس میں شمولیت کی ۲۲ جون کو بعد نماز عشاء خطیب الاُمت مولانا تھانویؒ کا خطاب ملتان قلعہ پر تھا۔ مولانا کی آمد سے پہلے متعدد مقررین نے جلسہ سے خطاب کیا صدارت کے فرائض اُستاذالعلماء حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمتہ اللہ علیہ بانی جامعہ خیرالمدارس ملتان نے سرانجام دیئے۔ تقریباً ۱۱ بجے رات کو مولانا سٹیج پر تشریف لائے اور ملتان کے عوام نے جس گرم جوشی اور محبت سے ان کا استقبال کیا وہ منظر دیدنی تھا، ہر طرف اسلام زندہ باد، پاکستان پائندہ باد اور خطیب اسلام زندہ باد کے نعرے گونج رہے تھے۔ یہ اجتماع ملتان کی تاریخ میں فقیدالمثال اور عدیم النظیر اجتماع تھا ایک اندازہ کے مطابق ایک لاکھ سے زیادہ محبان اسلام نے شمولیت کی اور مولانا نے تقریباً دو گھنٹے خطاب فرمایا۔ آپ نے فرمایا کہ"

"پاکستان کے قیام کے وقت جس طرح محنت کی گئی تھی آج بھی اسی طرح پاکستان کے استحکام کیلئے کوشش کی جانی چاہیئے آج یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ آشیانہ بجلیوں کی زد میں آچکا ہے اسکی حفاظت کرنا ہمارا نہ صرف اخلاقی فرض ہے بلکہ اسلامی اور ملکی فریضہ ہے جو لوگ اسلام اور نظریۂ پاکستان کے خلاف ملک میں کام کر رہے ہیں وہ ملک کے دشمن ہیں ہم نے قربانیاں دے کر اسلام کی سربلندی کیلئے یہ وطن حاصل کیا ہے ہم ہرگز ہرگز یہاں لادینی نظام برداشت نہیں کریں گے اور

اسلام کیلئے کسی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے"

مولانا تھانوی مرحوم جب کبھی ملتان تشریف لائے تو قیام عموماً جامعہ خیر المدارس میں ہوتا چنانچہ حسب معمول خطاب کے بعد رات کو دو بجے خیرالمدارس تشریف لے گئے اور رات کو حضرت مولانا خیر محمد صاحب کے ہاں ہی قیام فرمایا۔ ۷ جون کو مظفر گڑھ جتوئی وغیرہ میں مولانا کا خطاب ہوا۔ مظفر گڑھ میں مرکزی جمعیت علماء اسلام پاکستان کا یہ پہلا عظیم الشان جلسہ عام تھا جس میں علماء وکلاء طلباء اور شہر کے ہزاروں تعلیم یافتہ طبقہ نے شرکت کی جلسہ میں مرکزی جمعیت کے متعدد علماء نے بھی تقریریں کیں۔

ڈیرہ غازیخان میں عظیم الشان جلسہ عام

۸ جون کو بعد نماز عشاء عید گاہ ڈیرہ غازیخان میں مرکزی جمعیت علماء اسلام کے زیر اہتمام ایک عظیم الشان جلسۂ عام کا اہتمام کیا گیا عید گاہ کا صحن بہت وسیع ہے۔ ڈیرہ غازیخان کے احباب نے مولانا قاضی عبید اللہ صاحب کی قیادت میں نہرمانکہ پل پر مولانا کا شاندار استقبال کیا ہزاروں افراد کے علاوہ سینکڑوں موٹر کاریں ٹرک وغیرہ جلوس میں شامل تھے، جونہی مولانا کی کار پل پر پہنچی ہزاروں لوگوں نے انتہائی گرمجوشی سے مولانا کا استقبال کیا۔ جلوس کے خاتمہ کے بعد ٹھیک ۲ بجے آپ نے وکلاء سے خطاب فرمایا آپ نے فرمایا کہ۔ " تحریک پاکستان میں وکلاء اور قانون طبقہ کا بھی بڑا حصہ ہے آج بھی وکلاء اس ملک کو مضبوط اور مستحکم بنانے میں اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔

رات کو دس بجے اسٹیج پر تشریف لائے اتنے میں عید گاہ کا سارا صحن بھر چکا تھا کمپنی باغ کی سڑکیں بھری ہوئی تھیں اور ڈیرہ غازیخان کی تاریخ میں اتنا بڑا راجن پور اجتماع کبھی نہیں دیکھا گیا تھا۔ راجن پور، جام پور، فاضل پور، تونسہ، جتوئی، شاہ صدر دین اور ڈویژن بھر کے دیگر شہروں اور قصبات کے کثیر تعداد میں لوگوں نے شرکت کی کوئی اسی ہزار کے قریب اجتماع ہو گا۔

مولانا نے اپنے خطاب میں فرمایا کہ:۔

" آج تاجر کا پاکستان بن چکا ہے کیونکہ اسے تجارت میں کامیابی نصیب ہو چکی ہے اس کا مقصد پورا ہو گیا زمیندار کا پاکستان بن چکا ہے اسے اپنی زمینداری میں کامیابی نظر آئی، صنعت کار کا پاکستان بن چکا اسے ملک میں کارخانوں اور فیکٹریوں کا مالک بنا دیا گیا لیکن افسوس کہ علماء و مشائخ کا پاکستان نہیں بنا کیونکہ جو اُن کا مقصد تھا وہ ابھی تک حاصل نہیں ہوا"

۹ جون کو کوٹ ادو میں آپ نے جلسہ عام سے خطاب کیا جس میں مولانا خیر محمد جالندھری اور دیگر علماء

نے بھی شرکت کی۔ کوٹ ادو میں مولانا خیر محمد صاحب کی صدارت میں جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ "

"پاکستان کی حیثیت ایک مسجد کی سی ہے اور اس کی حفاظت ہم پر فرض ہے مگر افسوس کہ بعض افراد نے اسے مسجد کی حیثیت نہیں دی بلکہ رقص گاہ بنادیا ہے اور اس طرح پاکستان کے تقدس کو مجروح کردیا ہے جو لوگ پاکستان کی عظمت کا احساس نہیں رکھتے وہ ملک کے بد ترین دشمن ہیں آج اس ملک میں سرمایہ داری اور اشتراکیت کی لعنت پھیل رہی ہے ہمیں ان دونوں لادینی نظاموں کے خلاف جنگ کرنی ہے"

بہاولپور میں کانفرنس

مرکزی جمعیت علماء اسلام بہاولپور ڈویژن نے محبت اسلام کا ثبوت دیتے ہوئے باشندگانِ بہاولپور کی روح کو ایمان افروز جذبہ سے مالا مال کرانے کیلئے خطیب الامت حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ کو ۹ جون کو دعوت دی، زندہ دلانِ بہاولپور نے تپتی ہوئی لو اور کڑکتی دھوپ میں معزز مہمان کے استقبال کیلئے شہر سے باہر کوئی ایک میل دور انتظار کیا، جوں ہی کار پر ۲۲ نکاتی جھنڈا لہراتا نظر آیا، فضاء نعرہ تکبیر سے گونج اٹھی لوگوں کا کثیر ہجوم بشرف زیارت کار اردگرد جمع ہو گیا بڑے جلوس کی صورت میں رہائش گاہ پر پہنچایا گیا۔ ریاست بہاولپور میں یہ تاریخی علماء کانفرنس ہوئی جس میں بہاولپور کے عوام و خواص نے بڑے جوش و جذبہ سے شرکت کی، بہاولپور ڈویژن کے علماء نے کثیر تعداد میں مولانا سے ملاقات کی اور بھرپور تعاون کا یقین دلایا، رات کو بہت بڑے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے مولانا تھانویؒ نے فرمایا کہ"

"جو ملک لاکھوں قربانی دے کر دین اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا ہے اس میں کانگریسی ذہنیت کے لوگ سوشلسٹ عناصر سے ملکر لادینیت مسلط کرانا چاہتے ہیں۔ ۲۲ سال میں بڑے تاجر اور صنعت کار لیڈرے بن گئے ہیں اس سرمایا دارجنہ نظام کو ختم کرنے کیلئے سوشلزم کو لانا حماقت ہے سوشلزم کا نعرہ لگانے والے ملک کی سالمیت کو ختم کرنا چاہتے ہیں، اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اور ایک ایسا لائحہ عمل ہے جس میں ہمارا معاشی اور اقتصادی نظام موجود ہے۔"

اس عظیم الشان علماء کانفرنس میں صادق آباد، رحیم یار خان، خانپور، لودھراں اور دیگر بڑے بڑے شہروں اور قصبات کے لوگوں نے محبت کے جذبہ راسلام سے شمولیت کی۔

مرکزی جمعیت علماء اسلام کانفرنس سرگودھا ڈویژن

۱۰ جون کو سرگودھا ڈویژن کے محبانِ اسلام اور مولانا کے معتقدین نے

مرکزی جمعیت علمار اسلام کانفرنس کا انعقاد کیا جس میں سرگودھا اور مضافات کے ممتاز علمار نے کثیر تعداد میں شرکت کی، خصوصاً سرگودھا ڈویژن کے مشہور عالم دین اور جامعہ حقانیہ ساہیوال ضلع سرگودھا کے بانی و مہتمم حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی مدظلہ اور مدینۃ العلوم سرگودھا کے منتظمین و مدرسین نے مرکزی جمعیت علمار اسلام کانفرنس میں بڑے جوش و جذبہ سے شرکت کی۔ مولانا کا شاندار استقبال کیا گیا، سٹیج سیکرٹری نے سپاسنامہ پیش کرتے ہوئے آپ کی دینی تبلیغی اور ملی خدمات، نظریہ پاکستان کی حفاظت اور اس پیرانہ سالی میں جرأت و استقلال کو سراہا، سٹیج پر مولانا کا تشریف لانا تھا کہ ٹھاٹھیں مارتا ہوا سامعین کا سمندر جو کافی وقت سے اپنے جذبات پر قابو رکھے ہوئے تھے، نعرہ تکبیر اللہ اکبر خطیب پاکستان زندہ باد اور اسلام زندہ باد کے نعرے فضا میں بلند کرنے لگے، مولانا نے سامعین کی محبت کا شکریہ ادا کیا اور دو اڑھائی گھنٹے کانفرنس سے خطاب کیا۔ آخر میں علمار کو تلقین کی علمار کرام اسلامی نظام نافذ کرنے کیلئے اپنی جد وجہد تیز کر دیں اور تحریک پاکستان کی حامی جماعت مرکزی جمعیت علمار اسلام سے بھرپور تعاون کریں۔

فیصل آباد میں جلسۂ عام

اسی روز مولانا نے فیصل آباد میں ایک عظیم الشان جلسہ سے خطاب فرمایا جو مرکزی جمعیت علمار اسلام کیطرف سے منعقد کیا گیا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ "

" جو لوگ اسلامی سوشلزم اور اسلامی مساوات کا نام استعمال کر کے مسلمانوں کو دھوکہ دے رہے ہیں دراصل انھیں اسلام سے کوئی واسطہ نہیں، کسی بھی سوشلسٹ ملک میں مساوات کا نام تک نہیں، صرف اسلام ہی ایسا مذہب ہے جس میں امن سلامتی اور بھائی چارہ ہے، خدا کے قانون کے مقابلہ میں کسی انسان کا قانون بہتر نہیں ہو سکتا اور یہاں پر اسلام کے علاوہ کوئی دوسرا نظام نہیں آسکتا" (ماخوذ ہفت روزہ صوت الاسلام، لاہور)

لاہور میں عظیم الشان جلسۂ عام

مولانا کے افریقہ کے دورے سے قبل ہی سوشلزم کے خلاف تحریک کے اوائل میں ۱۶ مئی ۱۹۷۰ء کو مرکزی جمعیت علمار اسلام پاکستان کے زیر اہتمام موچی دروازہ لاہور کے عظیم الشان جلسہ عام میں اشتراکیت کی ہوا نکل گئی تھی اور علمار حق کی یلغار نے سوشلسٹ عناصر کے ناپاک عزائم کا جنازہ نکال دیا تھا موچی دروازہ میں لوگوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر بتا رہا تھا کہ

سرخوں کے پاؤں اکھڑ گئے ہیں اور لوگ ان کے فریب سے کما حقہ آشنا ہو چکے ہیں، اِس عظیم الشان جلسہ میں مرکزی جمعیت علماء اسلام پاکستان کے اکابرین نے شرکت فرمائی تھی۔ بہت بڑا اسٹیج بنایا گیا تھا ایک طرف پریس کی کرسیاں اور دوسری طرف معزز سامعین کیلئے نہایت اعلیٰ انتظام اس بات کی غمازی کر رہا تھا کہ خانقاہوں میں پلنے والی تھانوی جماعت اب اللہ کے فضل و کرم سے رسم شبیر ادا کرنے کیلئے سر پر کفن باندھ کر میدانِ عمل میں کود پڑی ہے، مرکزی جمعیت علماء اسلام پاکستان کے عظیم الشان اسٹیج پر اُستاذ الاساتذہ حضرت مولانا رسول خان صاحبؒ، مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ، خطیب الاسلام حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، فقیہ العر حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی، مجاہد اسلام حضرت مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری، حضرت مولانا قاضی شمس الدین صاحبؒ، مولانا عبدالخالق رحمانی، مولانا عبدالوہاب صاحب چاٹگامی، حضرت مولانا اظہر علی صاحب سلہٹیؒ، مولانا امین الاسلام صاحب ڈھاکہ، مولانا سید بادشاہ گل بخاریؒ، مولانا عبید اللہ امرتسری، مولانا محمد تقی عثمانی اور مولانا صاحبزادہ عبدالرحمن اشرفی تشریف فرما تھے اور سب ایک بزرگ عظیم ہستی کی آمد کے منتظر تھے پورے دس بجے وہ بزرگ ہستی یعنی تحریک پاکستان کے مجاہد شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ تشریف لائے اسٹیج پر تمام اکابر علماء احتراماً کھڑے ہو گئے اور پھر آپ کرسی صدارت پر رونق افروز ہوئے، سب سے پہلے مرکزی جمعیت کے پرچم کا افتتاح شیخ الاسلام مولانا عثمانی کے ہاتھوں ہوا، اور افتتاح کے وقت مولانا احتشام الحق تھانویؒ نے حضرت مولانا عثمانی کا تعارف کرایا اور فرمایا کہ"

"یہ مولانا ظفر احمد عثمانی جنھوں نے شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی قدس سرہ کے دوش بدوش تحریک پاکستان میں ایک نمایاں کردار ادا کیا ہے، آج اس وقت کے تقاضے کے تحت اس پیرانہ سالی میں پھر میدانِ سیاست میں قدم رنجہ فرمائی کرنا پڑی ہے۔ جمعیت کے پرچم سے متعلق مولانا تھانویؒ نے فرمایا کہ اس میں بائیس پٹیاں رکھی گئی ہیں، گیارہ سبز اور گیارہ سفید، یہ بائیس پٹیاں اُن ۲۲ نکات پر دلالت کرتی ہیں جو ۱۹۵۱ء میں مختلف مکتب فکر کے ۳۱ علماء کی میٹنگ میں بالاتفاق پاس کئے گئے تھے۔ مولانا عثمانی کرسی صدارت پر جلوہ افروز ہوئے اور جلسہ کی کاروائی کو باقاعدہ شروع کیا گیا، مولانا محمد متین خطیبؒ نے اسٹیج سیکرٹری کے فرائض سرانجام دیئے کبھی کبھی مولانا بہاؤ الحق قاسمی بھی ان کی دستگیری فرمادیتے۔

جلسہ کی افتتاحی تقریر مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے ارشاد فرمائی، آپ نے اپنی تقریر میں سوشلزم کے فتنہ کو بے نقاب کیا اور پاکستان کے قیام کی غرض و غایت بیان فرمائی۔

مفتیٔ اعظم کی تقریر کے بعد مولانا عبدالخالق رحمانی نے اپنے خیالات سے سامعین کو نوازا اور اپنی پُرجوش تقریر سے لوگوں کے دلوں کو گرمایا۔ مولانا رحمانی کے بعد جمعیت کے ناظم اعلیٰ حضرت مولانا صدیق احمد صاحب چاٹگامی نے مشرقی پاکستان کی سیاسی حالت پر روشنی ڈالی اور بھاشانی اور مجیب کی میدانِ سیاست میں پسپائیوں کو تفصیل سے ذکر کیا۔ ان کے بعد ڈھاکہ کے مولانا امین الاسلام صاحب نے مشرقی پاکستان سے ہندوؤں کی سازشوں کو بے نقاب کیا۔ بعد میں پاکستان کے ممتاز عالم دین اور سوشلزم کے مقابلہ میں اسلام کے مجاہد حضرت مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری مائیک پر تشریف لائے اور آپ نے مرکزی جمعیت علماء اسلام کی روز افزوں ترقی پر روشنی ڈالی، ۱۱۳ علماء کے فتوی کی حمایت کرتے ہوئے فتویٰ کے مخالف علماء پر تنقید کی، حضرت شاہ صاحب کی تقریر کے بعد قائد جمعیت مولانا احتشام الحق تھانویؒ مائیک پر تشریف لائے اس وقت پونے بارہ بجے کا وقت تھا اگرچہ رات کافی گزر چکی تھی لیکن ہر شخص مولانا تھانویؒ کی تقریر کے نلیئے بے تاب تھا تقریباً ڈیڑھ دو لاکھ کا مجمع بحرِ خاموشی میں اسقدر غرق تھا کہ انگریزی محاورہ میں اگر پن بھی زمین پر گرے تو اس کی آواز سنائی دے ہر طرف خاموشی اور ہر شخص ہمہ تن گوش پریس والوں نے ۱۱ بجے جلسہ والوں کو الٹی میٹم دے دیا تھا کہ ۱۲ بجے کے بعد چلے جائیں گے لیکن مولانا تھانویؒ کی تقریر نے انھیں دنیا ومافیہا سے بالکل بے خبر کر دیا اور برابر دو بجے رات تک جلسہ گاہ میں بیٹھے مولانا تھانویؒ کی تقریر کو پوری توجہ سے سُنتے رہے۔ مولانا تھانویؒ نے اپنی تقریر میں پہلے تو تحریک پاکستان کے پس منظر کو بیان فرمایا اور ساتھ ہی حکومت کے اُن مختلف ادوار پر بحث کی جن میں سے پاکستان ۲۲ سال کے عرصہ میں گزرا ہے۔ مولانا نے سرمایا داری نظام اور اشتراکی نظام پر بھرپور تنقید کی اور فرمایا کہ جب اربابِ اقتدار اور تاجر گٹھ جوڑ کرلیں تو سرمایا داری نظام پیدا ہوتا ہے اور جب اقتدار والوں اور سیاستدانوں میں گٹھ جوڑ ہوجائے تو نتیجے میں اشتراکی نظام وجود میں آتا ہے، آپ نے اشتراکیت پر مفصل تبصرہ فرمایا"

جلسہ رات ۲ بجے ختم ہوا لیکن ہر شخص کی یہ خواہش تھی کہ مولانا تھانوی اپنی تقریر کو ابھی اور لمبا کردیں، لوگوں کی اس گرم جوشی اور اشتراکیت کے خلاف جذبات کے اظہار سے معلوم ہورہا تھا کہ یہ ملک اشتراکیت کا مدفن تو ہوسکتا ہے لیکن اشتراکیت اس میں پنپ نہیں سکتی بہرحال لاہور شہر میں کل پاکستان مرکزی جمعیت علماء اسلام و نظام اسلام پارٹی کا یہ عظیم الشان جلسہ عام ایک تاریخی جلسہ تھا اور مولانا تھانویؒ کی یہ معرکتہ الآراء تقریر بھی تاریخی تقریر تھی، اسی روز پارک لگژری ہوٹل لاہور میں انجمن شہریان لاہور کی جانب سے مرکزی جمعیت علماء اسلام پاکستان کے اکابرین شیخ الاسلام مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ، حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ، حضرت

مولانا اطہر علی صاحبؒ، حضرت مولانا صدیق صاحب اور دیگر مہمان علماء کرام کے اعزاز میں ایک عصرانہ ترتیب دیا گیا تھا۔ شہریان لاہور ان اکابر کی زیارت وارشادات سے محظوظ ہو رہے تھے اور اس دن کو لاہور کیلئے اللہ کی رحمت کا خاص انعام قرار دے رہے تھے۔ (ہفت روزہ صوت الاسلام لاہور)

مولانا کا تاریخی خطاب

۱۶ مئی ۱۹۷۰ء کو مرکزی جمعیت علماء اسلام پاکستان کے زیر اہتمام ہونیوالی ایک روزہ عظیم الشان کانفرنس لاہور میں قائد مرکزی جمعیت علماء اسلام حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی کا ایمان افروز خطاب۔

جناب صدر حضرات علماء کرام اور معزز حاضرین جلسہ۔

آج میں مغربی پاکستان کے ایک ایسے مشہور شہر میں اپنے دوستوں سے خطاب کر رہا ہوں جس کو پاکستان کا قلب کہنا صحیح ہے اور صرف یہی نہیں بلکہ زندہ دلانِ لاہور کو اللہ تعالیٰ نے یہ خصوصیت عطا فرمائی ہے کہ جس تحریک کا آغاز لاہور سے ہوا، اس میں صرف نوجوانوں کے جذبات ہی شامل ہوئے بلکہ اللہ کا فضل اور اس کی نصرت بھی شامل ہو جاتی ہے چنانچہ پاکستان کی تحریک کی ابتداء بھی آپ کے اسی شہر لاہور سے ہوئی جب کہ ۱۹۴۰ء میں یہاں پاکستان کا ریزولیشن اور قرارداد پاس کی گئی۔ پھر مجھے وہ وقت بھی یاد ہے کہ آج سے قریباً آٹھ مہینے پہلے جب سوشلزم کے خلاف ہم نے اپنی جدوجہد کا آغاز کیا تھا تو سب سے پہلے ہم نے لاہور ہی سے اس کام کو شروع کیا تھا اور اس کی برکت تھی کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے آٹھ مہینے میں آج ہم گھوم پھر کر پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔

مقام فنا تک جو پہنچے ہیں اے دل
تو مر گئے ہیں، مگر آئے ہیں

آج ہم پھر اسی شہر میں فاتحانہ حیثیت سے آپؐ کے سامنے موجود ہیں اس لئے کہ سوشلزم اور لادینی نظاموں کی ظلمتوں کی جو گھٹا چھا گئی تھی۔ الحمدللہ کہ علماء کی جدوجہد سے اس طرح چھٹی ہے جس طرح کہر آفتاب کی شعاعوں سے کافور ہو جاتی ہے۔ اور الحمدللہ پھر اسلام کیلئے فضا بن گئی، وجہ یہ ہے کہ زندہ دلانِ لاہور کا یہ لقب خالی خول نہیں ہے علامہ اقبال مرحوم کا شہر ہے کہ۔

دل مردہ دل نہیں ہے اسے زندہ کر دوبارہ
کہ یہی ہے ملتوں کے مرضِ کہن کا چارہ

یہ زندہ دلی بڑی سے بڑی مہم سر کرنے کی ضمانت ہے الحمدللہ آج مرکزی جمعیت علماء اسلام کا کھلا اجلاس آپ کے سامنے ہے جہاں بہت بڑی تعداد میں مسلمان جمع ہیں اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں

کہ ان میں کوئی مسلمان کرائے سے نہیں بلایا گیا کیونکہ جس طریقہ سے یہ لوگ اجتماعات کرتے ہیں ہمیں سب اندر کے راز معلوم ہیں اور ہم ان لوگوں کی اس قسم کی باتوں سے متاثر نہیں ہوتے، اکبر مرحوم فرماتے ہیں۔

ساری دنیا آپ کی حامی سہی　　ہر قدم پر مجھ کو ناکامی سہی
نیک نام اسلام میں رکھے خدا　　کفر کے حلقے میں بدنامی سہی

الحمدللہ یہ یہ اجتماع جو آپ کے سامنے ہے خالصتاً مسلمانوں کا ہے جو اسلام کی تڑپ اپنے دل میں رکھتے ہیں اور اپنے جذبے سے متاثر ہو کر یہاں جمع ہوئے ہیں، وقت کافی ہو چکا ہے اس وجہ سے میں آپ کا کوئی لمبا چوڑا وقت نہیں لونگا صرف چند باتیں آپ سے عرض کرنی ہیں۔

رکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی پہ معاف
آج کچھ درد میرے دل میں سوا ہوتا ہے

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ آج پاکستان جس ترنغے اور جس بھنور میں پھنسا ہوا ہے اس پر مجھے وہ تمام جدوجہد یاد آگئی جب ہم قیام پاکستان کے وقت گلی گلی کوچہ کوچہ پھرتے تھے اور ہمیں یہ بھی یاد ہے کہ اس وقت بعض لوگ یہ کہا کرتے تھے کہ ارے پاکستان میں جوتیوں میں دال بٹے گی وہاں ایسا ہوگا وہاں ایسا ہوگا لیکن ہم جواب میں یہی کہتے تھے۔

بجلیوں کی زد میں جب آئیگا دیکھا جائے گا
کچھ نہ کچھ قائم بنائے آشیاں ہونے تو دے

آج وہ آشیاں بجلیوں کی زد میں آیا ہوا ہے۔ آج ۲۲ سال پہلے کی باتیں آنکھوں کے سامنے ہیں، اسی میں سے ایک بات میں آپ سے عرض کرتا ہوں، ۱۹۴۶ء میں مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم نئی دہلی تشریف لائے اور ایک دعوت میں ایک شخص نے پوچھا کہ حضرت پاکستان بننے والا ہے اس کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ سید صاحب نے فرمایا، آپ کو مبارک ہو کہ ایک اسلامی ملک اور اسلامی سلطنت کا مطالبہ آپ نے کیا ہے اور وہ عنقریب پورا ہونے والا ہے لیکن پاکستان کے بنانے میں ایسا خطرناک کھیل کھیلا ہے جس سے مجھے بڑا ڈر لگتا ہے، ہمارے کان کھڑے ہوئے ایک تجربہ کار بزرگ نے اس کو خطرناک کھیل کہا ہے میں نے پوچھا حضرت وہ خطرناک کھیل کیا ہے؟ فرمایا، دنیا میں جب بھی کوئی ملکی انقلاب آتا ہے تو قوم میں پہلے ذہنی انقلاب لیا جاتا ہے پھر ملکی انقلاب آتا ہے اور یہی صحیح طریقہ ہے۔ اسلام نے اسی طریقہ کو اختیار کیا ہے۔ سید صاحب نے فرمایا کہ آپ نے پاکستان تو بنایا ہے لیکن پاکستان کیلئے صحیح ذہن پیدا نہیں کی سب سے پہلا کام آپ کو یہ کرنا ہوگا کہ آپ کو قوم کی ذہنی

تربیت کرنی ہوگی اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو مجھے خطرہ ہے کہ کہیں پاکستان کو نقصان نہ پہنچے، آج ان کی بات سامنے آرہی ہے وہی مسلمان جو پاکستان بنانے کیلئے سربکف تھے آج ۲۲ سال کے بعد ان کی حالت کچھ ایسی ہو گئی ہے کہ پہچانی نہیں جاتی۔ الحمد للہ ابھی ہمارے اکابر حیات ہیں اور آپ کے سامنے اسٹیج پر تشریف فرما ہیں، شیخ الاسلام مولانا ظفر احمد عثمانی، مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ، استاذ الکل حضرت مولانا رسول خان صاحبؒ، اور اور شیخ الحدیث مولانا محمد ادریس صاحبؒ، علم وفضل کے آفتاب وماہتاب ہیں اور ہماری جماعت کے سرپرست ہیں ان کا وجود مسعود ہمارے لیئے نعمت، عظمہ سے کم نہیں۔

پاکستان کی نئی نسل کو پاکستان کے پس منظر کا علم نہیں ہے اس نے انگریزوں اور ہندوؤں کا ظلم نہیں دیکھا۔ آج مزدوروں اور کسانوں کو طرح طرح کا لالچ دیا جارہا ہے، کہ انھیں فلاں کارخانہ دے دیا جائے گا فلاں زمین دے دی جائیگی ان کو تو خیر پھر بھی کوئی لالچ دیا جارہا ہے لیکن معلوم نہیں طالب علم سوشلزم کا نام سُن کر کیوں رقص کرنے لگ جاتے ہیں؟

میں ماضی پر تھوڑی سی روشنی ڈالنا چاہتا ہوں، انگریزوں نے حکومت مسلمانوں سے چھینی تھی، بنیوں کے ہاتھ سے نہیں چھینی تھی اس وجہ سے انگریز نے مسلمانوں کو تعلیم اور معاش میں پیچھے رکھنے کی پوری پوری کوشش کی تاکہ اس میں دوبارہ حکومت حاصل کرنے کی اُمنگ پیدا نہ ہو، اس کے مقابلہ میں ہندو قوم صدیوں سے غلام چلی آرہی تھی اور اس میں حکومت حاصل کرنے کے جراثیم ہی نہیں تھے، لہٰذا انگریز نے اسے خوب چڑھایا اور ہر میدان میں اسے آگے بڑھانے کی کوشش کی چنانچہ جب مسلمانوں نے انگریز کے خلاف تحریک آزادی جاری کی تو گاندھی جس کے دل میں اپنی قوم کا بہت درد تھا اس نے بھی ہندو قوم کو آگے بڑھانے کی کوشش کی۔ یہ وہ موقع تھا جب گاندھی جی نے حکیم اجمل خان سے کہا کہ اس تحریک میں جان ڈالنے کیلئے علماء حضرات کو بھی میدان میں لانا چاہیئے چنانچہ ہر تحریک میں جان ڈالنے کیلئے علماء کو ڈھونڈا جاتا ہے، بعض لوگ مکہ میں مل جاتے ہیں بعض کسی اور جگہ مل جاتے ہیں۔ چنانچہ حکیم اجمل خان اور مولانا محمد علی جوہر کی معیت میں گاندھی جی حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ کے پاس پہنچے، گاندھی جی نے ان کے سامنے قرآن حکیم اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت تعریف کیں کہ وہ ایسے تھے تھے۔ مولانا محمد علی صاحب مونگیریؒ نے فرمایا، گاندھی جی آپ نے جو ہمارے قرآن اور ہمارے نبی کی تعریف کی ہے ہمارے پیغمبر اور ہماری کتاب اس سے بہت اونچی ہے لیکن آپ نے ان میں عیب کو نسا دیکھا ہے جسکی وجہ سے آپ ابھی تک ایمان نہیں لائے، گاندھی جی بغلیں جھانکنے لگے اور ان سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ مولانا مونگیر کے فرمایا گاندھی جی

صیاد جب باغ میں پرندوں کو شکار کرتا ہے تو انھیں پھانسنے کیلئے انہی کی بول بول رہے ہوتے ہیں، گاندھی جی بے نیل مرام واپس لوٹے اور انھیں اپنے مقصد میں کوئی کامیابی نہ ہوئی۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ سیاست کی زمام کار مسلمان کے ہاتھ میں تھی اور ہندو اُن کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا لیکن گاندھی جی نے کہنیاں مار مار کر مسلمان کو پیچھے دھکیل دیا اور جب انگریز کے جانے کا وقت آیا تو پتہ چلا کہ سیاست کا جھنڈا ہندو کے ہاتھ میں ہے مسلمان کے ہاتھ میں نہیں ہے، اب ہندوستان کے ۱۰ کروڑ مسلمانوں کے مستقبل کا سوال تھا کہ انگریز کے چلے جانے کے بعد کسی ہندو کی غلامی کا پٹہ مسلمان کے گلے میں نہ پڑجائے کیونکہ ملازمتوں اور تعلیم میں ہندو آگے تھا۔ سیاست اس کے ہاتھ میں تھی، تجارت اسی کے ہاتھ میں تھی وسائل معیشت اس کے ہاتھ میں تھے لہٰذا خطرہ تھا کہ انگریز کے جانے کے بعد ۱۰ کروڑ مسلمان ۳۰ کروڑ ہندوؤں کے غلام نہ بن جائیں۔ چنانچہ فکر لاحق ہوئی کہ مسلمان کے مستقبل کیلئے کیا کیا جائے اس کے دو فارمولے تھے، ایک فارمولا تو یہ تھا کہ صوبوں میں اکثریت و اقلیت کی بنا پر حکومتیں بنیں اور مرکز میں مخلوط حکومت ہو لیکن قائداعظم کی بصیرت نے یہ تاثر لیا کہ یہ فارمولا ایک نہ ایک دن مسلمانوں کو غلام بنا کر چھوڑے گا کیونکہ اس کے ساتھ ہی متحدہ قومیت کا نعرہ لگایا گیا ہے اور قوم کو مذہب کی بناد پر نہیں بلکہ وطن کی بنیاد پر مانا گیا، چنانچہ قائداعظم نے کہا کہ ہم اکثریت و اقلیت کی بنیاد پر حکومت نہیں بنانا چاہتے بلکہ قرآن و سنت کی بنیاد پر حکومت بنانا چاہتے ہیں۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ صاحب، پاکستان اسلام کیلئے نہیں بنا تھا بلکہ سوشلزم کیلئے بنا تھا، میں ان میں سے کہتا ہوں کہ اگر مقصد سوشلزم ہی تھا تو پھر ہندوستان کے سب سے بڑے سوشلسٹ پنڈت جواہر لعل نہرو کے ہاتھ پر بعیت کرلی ہوتی، پھر آپ لاکھوں انسانوں کی جانوں اور ہزاروں عورتوں کی عصمت سے کیوں کھیلتے تھے؟ پاکستان کا فارمولا بالکل صحیح تھا لیکن افسوس یہ ہے کہ پاکستان بننے کے بعد نوکر شاہی نے ہمارے اس جذبے کو بالکل نیست و نابود کردیا۔ پاکستان اسلامی قومیت کی بنیادوں پر بنا تھا لیکن آج ان بنیادوں کو بھی ملیامیٹ کر دیا گیا ہے، یہی سرکاری ملازمین گھروں سے کاغذ، قلم، دوات اور میز کرسی دفتروں میں لاکر کام کرتے تھے لیکن آج وہ وقت ہے کہ سرکاری ملازمین کو جو کچھ دفتروں میں ہاتھ لگتا ہے اُٹھا کر گھر لے جاتے ہیں۔

۱۹۴۶ء میں عبوری حکومت میں جو بجٹ خان لیاقت علی خان نے پیش کیا تھا وہ قرآن پاک کی اس آیت سے شروع ہوا، ترجمہ۔ تاکہ دولت امیروں کے ہاں ہی چکر نہ کاٹتی پھرے۔ اس آیت سے بتایا گیا تھا کہ پاکستان میں جو نظام قائم ہوگا وہ سرمایا دارانہ نظام نہیں ہوگا بلکہ اسلامی نظام ہوگا، لیکن سرکاری ملازمین نے سرمایا دارانہ نظام ملک میں اس بدتمیزی سے چلایا کہ انگریز نے بھی اس طرح نہیں چلایا تھا

نتیجہ یہ ہوا کہ ایک ۸۰ فیصد دولت ۲۲ خاندانوں میں منحصرہ ہو کر رہ گئی کیونکہ جب تاجر اور ارباب اقتدار کا گٹھ جوڑ ہو جاتا ہے تو سرمایہ دارانہ نظام وجود میں آتا ہے۔ حاکم کہتا ہے کہ میں پرمٹوں اور لائسنسوں کے ذریعہ تمہاری تجارت کی حفاظت کرونگا، تم اپنی دولت سے ہماری کرسی کی حفاظت کرو اور اسی طرح جب ارباب اقتدار اور ارباب سیاست کا گٹھ جوڑ ہو جاتا ہے تو سوشلزم کا نظام جنم لیتا ہے۔

ہم صاف کہتے ہیں کہ پاکستان کے حکمرانوں نے جب امریکہ سے دوستی کی اسوقت بھی ہمارے ایمان و عقیدے کا سودا کیا تھا اور اب جبکہ انھوں نے چین سے دوستی کی ہے تو اب بھی ہمارے عقیدے کا سودا کیا ہے۔ لیاقت علی خان کی شہادت کے بعد ملک کے داخلی و خارجی امور دونوں نوکر شاہی کے ہاتھ میں آگیئں۔ لوگ کہتے ہیں کہ کیا ہم باہر کے ملکوں سے دوستانہ تعلقات قائم نہ کریں۔ ہم کہتے ہیں ضرور کریں لیکن آپ ایسی دوستی قائم کریں جیسی ایک مولوی مولوی سے کرتا ہے ایسی نہ کریں جیسی ایک مسٹر مسٹر سے دوستی کرتا ہے، مولوی کی دوستی کرتا ہے، مولوی کی دوستی مولوی سے مردان خدا تک ہوتی ہے لیکن مسٹر کی دوستی مردانِ خانے سے پہلے زنان خانے میں ہو جاتی ہے"۔

وما علینا الا البلاغ"

نظامِ اسلام کانفرنس ڈھاکہ

مرکزی جمعیت علماء اسلام و نظام اسلام پارٹی کے قائد حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے پاکستان میں لادینی نظریات کے مقابلہ کیلئے چن لیا تھا پاکستان کا گوشہ گوشہ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اس مردِ مجاہد کی آواز اسکی فضاؤں میں گونجتی رہی تھی۔ مولانا نے سوشلزم کی فریب کاریوں کا پردہ چاک کرنے کیلئے نہ دن کو دن سمجھا اور نہ رات کو رات۔ اپنی تمام راحتوں اور آسائشوں کو بالائے طاق رکھ کر اپنے لئے سخت ہمت آزما اور سنگلاخ راستہ اختیار فرمایا تھا۔ جس پر ہم جیسے کمزور عزم ہمت کے افراد چلنے کا تصور بھی نہیں کر سکتے، مولانا نے ایک ایک دن تین تین چار چار مقامات پر خطاب فرمایا، صبح اگر پشاور میں ہیں تو دوپہر کو بہاولپور کے ریگستانوں میں علم و فضل کے گلزار کھلاتے رہے اور شام کو سندھ کی سرزمین میں تبلیغ دین کا فریضہ ادا کیا جا رہا ہے تو صبح بلوچستان میں سوشلزم جیسے کفر عظیم کے خلاف جرأت و استقامت سے کلمۂ حق ادا کر رہے ہیں، بہر حال آپ نے مغربی و مشرقی پاکستان کے ہر بڑے اور چھوٹے شہر میں نظام اسلام کا پرچم بلند کیا۔ ۲۸ جنوری ۱۹۷۰ء کو پلٹن میدان ڈھاکہ میں جماعت اسلامی کے جلسہ عام میں ہنگامہ آرائی کے بعد مشرقی پاکستان

میں عام طور پر تاثر قائم ہو رہا تھا کہ اب ڈھاکہ میں اسلامی نظام کی حامی کوئی سیاسی جماعت جلسہ عام نہیں کر سکے گی لیکن اس کے صرف ایک ہفتہ بعد یعنی ۲۴ جنوری کو مرکزی جمعیت علماء اسلام و نظام اسلام پارٹی کے زیر اہتمام ریس کورس میدان ڈھاکہ میں ایک عظیم الشان جلسہ عام کا اہتمام کیا گیا جلسہ میں کم از کم ڈیڑھ دو لاکھ افراد شریک ہوئے جس میں آخر تک سکوت قائم رہا نہ کسی شخص نے کوئی اعتراض کیا نہ کوئی مخالف نعرہ لگایا گیا یہ جلسہ شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی صدارت میں منعقد ہوا تھا اور اس میں حضرت مولانا اطہر علی صاحبؒ، حضرت مولانا صدیق احمد صاحب، اور حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ نے خطاب فرمایا تھا۔ مولانا نے اپنے خطاب میں فرمایا۔

"نظریہ پاکستان کی حفاظت اور اسلام کے تحفظ کیلئے ملک کے تمام اسلام پسند جماعتوں کا اتحاد ناگزیر ہے"

چٹا گانگ میں مولانا کی تقریر

مرکزی جمعیت کے زیر اہتمام مولانا تھانویؒ نے اپنی تقریر میں کہا کہ

"پاکستان ایک نظریاتی مملکت ہے جس کا وجود اپنے نظریات کے بغیر نہیں رہ سکتا ہے، پاکستان جیسی نظریاتی مملکت میں نوجوانوں کو نظریاتی سرحدوں کے دفاع کے لیئے اہم کردار ادا کرنا ہے۔ طلباء اور نوجوان پاکستان کی تعمیر کی خشتِ اول ہیں اور اگر یہ خام ہو تو عمارت مضبوط اور دیرپا نہیں ہو سکتی"

ڈھاکہ اور چٹا گانگ کے علاوہ مولانا تھانوی مرحوم نے پورے مشرقی پاکستان کے اہم شہروں کا طوفانی دورہ کیا، کشور گنج، کومیلا، نواکھالی، چاندپور، چاٹگام، جیسور، سلہٹ، کریم گنج، کھلنا، بریسال اور ضلع کملا بروڈا وغیرہ میں مولانا کی تقریریں ہوئیں اور بڑی کامیاب رہیں۔

حیدر آباد سندھ کا دورہ

مولانا تھانویؒ نے صوبہ پنجاب صوبہ سرحد اور مشرقی پاکستان کی طرح صوبہ سندھ کا بھی طوفانی دورہ کیا اور سندھ کے بڑے بڑے شہروں اور قصبات میں اپنی ولولہ انگیز تقاریر سے سوشلزم کے ایوانوں میں تہلکہ مچادیا، حیدر آباد میں ایک عظیم الشان صوبائی کانفرنس ہوئی جس میں مرکزی قائدین نے شرکت فرمائی اور مولانا تھانویؒ نے خصوصاً اہم تقریر فرمائی۔ آپ نے فرمایا کہ "جو علماء تحریکِ پاکستان میں سرگرم عمل تھے وہی علماء آج ملک میں اسلامی نظام کے قیام کیلئے سرگرم عمل ہیں، اور سوشلزم کو دفن کر کے ہی دم لیں گے۔ (ماخوذ صوت الاسلام لاہور)

سکھر میں سیرت کانفرنس

میونسپل اسٹیڈیم سکھر میں مرکزی جمعیت علماء اسلام کے زیر اہتمام ایک عظیم الشان سیرت کانفرنس منعقد ہوئی جس میں حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ کے علاوہ حضرت مولانا سید عنایت اللہ بخاری، حضرت مولانا قاضی شمس الدین صاحبؒ، حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ اور حضرت مولانا بادشاہ گل بخاری جیسے عظیم بزرگوں نے بھی شرکت کی، شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، ضعف و علالت کیوجہ سے شرکت نہ فرماسکے اس کانفرنس کے منتظم اعلیٰ حضرت مولانا محمد احمد تھانوی مرحوم تھے، کانفرنس میں اہم خطاب مولانا احتشام الحق صاحب تھانویؒ کا ہوا جو نہایت مؤثر اور دلپزیر تھا۔

ڈیرہ اسماعیل خان میں مولانا کا خطاب

میونسپل پارک ڈیرہ اسماعیل خان میں مرکزی جمعیت علماء اسلام کے زیر اہتمام ایک عظیم الشان جلسہ عام میں خطاب کرتے ہوئے مولانا نے فرمایا کہ "تحریک پاکستان کے زمانہ میں جس طرح ہم شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی مرحوم کے ساتھ گلی گلی پھرتے تھے آج پھر ۲۲ سال کے بعد بھی ہم اس طرح نظریہ پاکستان کے تحفظ کیلئے پھرنا پڑرہا ہے، ہم نے تنکے تنکے چن کر پاکستان کے نام سے جو آشیانہ بنایا تھا۔ آج وہ بجلی کی زد میں آچکا ہے آج کے نوجوان تحریک پاکستان کے مقاصد سے آگاہ نہیں نہ ان کو بے مثال قربانیوں اور عظیم جدو جہد کا علم ہے ہماری نوکر شاہی نے جان بوجھ کر ان کو آگاہ نہیں کیا۔ پاکستان کسی ملک یا وطن کا نام نہیں، بلکہ ایک تحریک کا نام ہے اگر یہ تحریک نہ ہوتی اور اس کا مطلب اسلامی معیشت نہ ہوتا تو بہار، یوپی، اور مدراس کے مسلمان کبھی بھی اس کے حق میں ووٹ نہ دیتے جس کی سزا وہ آج تک بھگت رہے ہیں بھارت کے مسلمانوں نے یہ جانتے ہوئے کہ ہم تباہ و برباد ہوجائیں گے، پاکستان کی تعمیر میں اپنا سب کچھ قربان کردیا تاکہ پاکستان میں اللہ کی حکمرانی اور قرآن و سنت کا بول بالا ہو" مولانا کے دوروں کی یہ مختصر روئداد تھی تفصیل کی گنجائش نہیں ہے۔ تفصیلات کیلئے مرکزی جمعیت علماء اسلام پاکستان کے ترجمان صوت الاسلام کی پرانی فائلیں ملاحظہ فرمایئے۔

مولانا تھانویؒ کی ریڈیائی تقریر

مولانا کی اس تقریر میں مرکزی جمعیت علماء اسلام کے منشور کی وضاحت اور

مرکزی جمعیت کا تعارف کرایا گیا ہے جو ۱۹۷۰ء کے الیکشن کے موقع پر مولانا نے ریڈیو پاکستان سے کی تھی، چند اقتباسات پیش خدمت ہیں۔

برادرانِ ملت۔ السلام علیکم ورحمتہ وبرکاتہ

پاکستان کی تاریخ میں یہ پہلا موقع ہے کہ جس میں بالغ رائے دہی کی عمومی بنیاد پر آزادانہ اور غیر جانب دارانہ انتخاب کی صورت نظر آرہی ہے اور اسی کا کرشمہ ہے کہ سیاسی جماعتوں کے سربراہوں کو ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے ذریعے جمہور ملت اور عوام سے خطاب کا موقع مل رہا ہے۔

میرے بزرگو دوستو۔ دنیا کا سب سے بڑا اسلامی ملک پاکستان جس میں ہم اور آپ آباد ہیں وہ تاریخ کے کسی اتفاقی حادثے یا منافرت کے کسی منفی جذبے کی بنا پر وجود میں نہیں آیا بلکہ فرنگی راج سے ہندوستان کی آزادی کے بعد دس کروڑ مسلمانوں کی اقلیت کو ہندوؤں کی تیس کروڑ اکثریت کی غلامی سے بچانے کیلئے اور مستقبل میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی خاطر ایک دارالسلام کے طور پر وجود میں آیا ہے، قائدِاعظم نے آزاد اسلامی وطن یعنی پاکستان کی تحریک تاریخ کے اس مشکل ترین دور میں اُٹھائی جب سارا یورپ اور پوری مادی دنیا وطنی ولسانی قومیت کے تباہ کن نظریہ نیشلزم کو اپنا عقیدہ حیات بنا چکی تھی اور ہندو کانگریس نے مسلمانوں کو غلام بنانے کیلئے متحدہ قومیت والے منصوبے کی بنیاد بھی اس وطن قومیت پر رکھی تھی، اسلامی قومیت کے نام پر پاکستان کی تحریک اس قدر معقول جاندار اور مؤثر تھی کہ دس کروڑ مسلمانوں نے فرقہ وارانہ تعصبات اور وطنی ولسانی قومیت کے بتان رنگ و خون کو توڑ کر اپنی ایمانی غیرت اور ملی اتحاد کا ایسا زبردست مظاہرہ کیا کہ ہندو اور انگریز دونوں کو تحریک پاکستان کے مطالبے کے سامنے جھکنا پڑا اور بالآخر مسلمانوں کی مخلصانہ کوششیں بار آور ہوئیں۔

پاکستان اپنے شاندار پس منظر کی بنا پر جغرافیائی ولسانی نہیں خالصتاً نظریاتی اور اسلامی ملک ہے جس کے دو بنیادی اور اہم مقصد تھے ایک اسلام کا سیاسی نظام یعنی قرآن وسنت کی حکومت قائم کرنا، دوسرے قرآن وسنت پر مبنی ایسا عادلانہ معاشی نظام قائم کرنا جو یورپ کے سرمایہ دارانہ اور اشتراکیت لادینی نظاموں سے بالکل الگ اور مختلف ہے جس میں نہ کروڑ پتی پیدا ہوتا ہے اور نہ نان شبینہ کا محتاج فقیر لیکن ربع صدی کے قریب زمانے گزرنے کے باوجود یہ دونوں مقصد صرف یہی نہیں کہ پورے نہیں بلکہ ان مقاصد کو جن سازشوں سے پامال کیا گیا ہے کہ ان کی کہانی روح فرسا بھی ہے اور گنجائش وقت کے لحاظ سے طویل بھی، تاہم ملک وقوم کے درد کی ترجمانی اس طرح کی جا سکتی ہے۔

اس موج کی قسمت پہ روتی ہے بھنور کی آنکھ
دریا سے اٹھی لیکن ساحل سے نہ ٹکرائی

اس ناکامی کی سب سے بڑی وجہ یہ ہوئی کہ پاکستان اپنی زندگی کے ابتدائی ایام میں ہی اپنے ان مخلص بانیوں سے محروم ہوگیا جو ملک کے بنیادی و تعمیری نظریات کے حامل اور علمبردار تھے اور ملک کی باگ ڈور فرنگی ذہنیت کے ان نوکر شاہیوں کے ہاتھ میں آگئی جہاں نہ تحریک پاکستان سے کوئی لگاؤ تھا اور نہ اسلامی قومیت کے نظریۂ پاکستان کی نزاکتوں سے واقف تھے، جمہوریت و اسلام اور علماء سے بیزاری ان کو انگریز سے ورثہ میں ملی تھی وہ اسلام اور نظریۂ پاکستان کی سربلندی سے زیادہ وہ اپنے اقتدار اور ذاتی مفاد کو عزیز رکھتے تھے۔ جمہوریت کی جگہ آمریت و شخصی استبداد نے لے لی اور اسلام کی جگہ انسانی ذہن کے تراشے ہوئے لادینی ازموں اور نظاموں کو لانے کی سازشیں ہونے لگیں نتیجہ یہ ہوا۔ اور یہی ہونا تھا کہ ایک طرف آمرانہ آرڈیننسوں کی بھرمار نے پوری ملت کی روحِ آزادی کو کچل کے رکھدیا، رشوت و اقرباپروری اور نوکر شاہی کی دھاندلیوں نے عام انسانی زندگی کو جہنم بنادیا، دوسری شعائر اسلام کی کھلم کھلا بے حرمتی، قرآن و سنت کے خلاف عائلی قوانین اور سُود و شراب کو حلال قرار دینے کے ذریعے اسلام کو مسخ کرنے کی سازش نے ہمارے ملک کی ساکھ اور حب الوطنی کے قیمتی سرمایا کو زبردست نقصان پہنچایا پھر اس سے بھی زیادہ ستم یہ ہوا کہ اسلام کے اس معاشی نظام کو مسلسل نظرانداز کیا گیا جس کی ضمانی غیر منقسم ہندوستان کی عبوری حکومت کے بجٹ میں دی گئی تھی جو مسلم لیگ کی طرف سے لیاقت علی خان مرحوم نے ۱۹۴۶ء میں پیش کیا تھا اور معاشی نظام سے متعلق قرآنی آیت سے اسکو شروع کیا گیا تھا اس نظام کی جگہ یورپ کا وہی سرمایہ دارانہ فرسودہ نظام جاری رکھا گیا، انسانی فلاح و بہبود کے اعتبار سے صرف ناکام نہیں ہے بلکہ اسکی تباہ کاریوں پر دنیا کے مفکرین اور ماہرین معاشیات کا اتفاق ہے، چنانچہ پاکستان میں بھی اس تباہ کن نظام کی بدولت ملک کا سرمایہ چند خاندانوں میں محدود ہو کر رہ گیا اور عام گرانی تجارتی و صنعتی اجارہ داری کی وجہ سے ملک کا عام طبقہ غربت و افلاس اور فقروفاقہ کا شکار ہوگیا، ملک کی اس سیاسی افراتفری، انسانیت سوز معاشی ناہمواری اور اخلاقی بدحالی سے ملک کے ان بدخواہ عناصر و افراد نے پورے طور پر فائدہ اُٹھایا، جو ابتداء ہی سے تحریک پاکستان کے خلاف تھے یا بعد میں ہند کی شہ پاکر پاکستان کے خلاف ہوگیا جو دشمن عناصر اب تک زیرِ زمین سازشوں میں لگے ہوئے تھے وہ اعلانیہ کھل کر سامنے آگئے ہیں اور عام غریبوں مزدوروں اور کسانوں کو خوش حالی کا فریب دینے کیلئے انھوں نے سوشلزم کا نعرہ لگایا اور تحریر و تقریر اور غیر ملکی اشتراکی لڑیچر کے ذریعہ ملک میں لادینت کا ایک وسیع جال پھیلا دیا۔ ملک اور دین کے خلاف اس سازش میں وہ سادہ لوح نوجوان بھی دھوکے میں آگئے جنھیں نہ تحریک پاکستان کے پس منظر سے کوئی واقفیت تھی اور وہ سوشلزم کے بھیانک نتائج سے آگاہ تھے بالآخر بگڑے ہوئے ان حالات نے ملک میں

دو متضاد نظریات اور دینی ولادینی دو نظاموں کے مابین جنگ کی صورت اختیار کرلی۔

دنیا کو ہے پھر معرکہ، روح و بدن پیش
تہذیب نے پھر اپنے درندوں کو اُبھارا

ان حالات میں ملک کا موجودہ الیکشن صرف یہی نہیں کہ دینی و مذہبی حیثیت سے دور رس نتائج کا حامل ہے بلکہ پاکستان کی بقار و عدم بقار کیلئے بھی آخری ریفرنڈم اور دو ٹوک فیصلے کی حیثیت رکھتا ہے، ملک اور دین کی اس انتخابی مہم میں میری جماعت مرکزی جمعیت علمار اسلام و نظام اسلام پارٹی بھی مشرقی و مغربی پاکستان کے دونوں بازوؤں میں ایک آزاد جماعت کی حیثیت سے مقدور بھر حصہ لے رہی ہے، مغربی پاکستان میں یہ جماعت مرکزی جمعیت علمار اسلام کے نام سے زیادہ متعارف ہے اور مشرقی پاکستان میں جمعیت کے سابقہ انتخابی بورڈ نظام اسلام پارٹی کے نام سے زیادہ مشہور ہے۔

مرکزی جمعیت علمار اسلام کا قیام شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے ہاتھوں ۱۹۴۵ء میں اسوقت عمل میں آیا جبکہ تحریک پاکستان کو ملک کے نامور علمار کی سرپرستی کی اور متحد قومیت کے سازشی محاذ کو توڑنے کی شدید ضرورت تھی چنانچہ بانی جمعیت اور دوسرے ارکان نے انتخاب میں اور سلہٹ و آسام اور صوبہ سرحد کے ریفرنڈم میں مسلم لیگ کے دوش بدوش بھرپور حصہ لیا اور حصول پاکستان کے سلسلہ میں مرکزی جمعیت علمار اسلام نے وہ نمایاں خدمات انجام دیں جنھیں کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا، قائد اعظم مرحوم نے انہی خدمات کو سراہتے ہوئے ۱۴ اگست ۴۷ء میں پاکستان کے قیام کی رسم پرچم کشائی کراچی میں علامہ شبیر احمد عثمانی کے ہاتھ سے اور ڈھاکہ میں جمعیت کے موجودہ صدر مولانا ظفر احمد عثمانی کے ہاتھ سے کرائی، قیام پاکستان کے بعد دستورِ اسلامی کی ترتیب و تیاری اور مرکزی اسمبلی میں قرار دادِ مقاصد کی منظوری شیخ الاسلام علامہ عثمانی ہی کی مساعی کا نتیجہ ہے، مرکزی جمعیت کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ ۱۹۵۱ء میں اسی جمعیت کے اِس احقر نے ملک کے مختلف اسلامی فرقوں کے اکتیس علمار کا ایک نمائندہ کنونشن طلب کیا جس میں وہ مشہور ۲۲ نکات ترتیب دیئے گئے جو اسلامی دستور کیلئے رہنما اصول کی حیثیت رکھتے ہیں، مرکزی جمعیت کے پرچم کی سبز و سفید دھاریاں انہی نکات کی طرف اشارہ کر رہی ہیں۔

میری جمعیت کی نظر میں اسوقت اسلام اور پاکستان کو پیش آنے والے خطرات دو طرف سے ہیں ایک ان جماعتوں کی طرف سے جو وطنی اور لسانی قومیت کی بنیاد پر مرکز کو مفلوج اور بے اثر کر کے صوبوں کو الگ الگ مملکت میں تقسیم کر دینا چاہتی ہیں دوسرا خطرہ ان جماعتوں کی طرف سے ہے جو لادینی معاشی

نظام کے عنوان نے نظریہ پاکستان کو ختم کر کے اس ملک کو دوسروں کا غلام بنانا چاہتی ہیں۔ مرکزی جمعیت کے منشور میں ان دونوں فتنوں کی روک تھام کی پوری کوشش کی گئی ہے، اس منشور کی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ملکی اور ملی مسائل کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے پہلے حصے کا تعلق کتاب و سنت کے مقرر کردہ حدود سے ہے جس میں کسی کی ترمیم یا کمی بیشی کا کسی کو اختیار نہیں اور حصے کا تعلق ان مسائل سے ہے جو مباحات کے دائرے میں آتے ہیں جن میں نہ قرآن و سنت نے فریق کی حیثیت کی ہے اور نہ ہمیں ان میں فریق بنایا ہے اگر ملک کے باشندے ملت کی عام فلاح و بہبود کے پیش نظر اپنے شہری حقوق کے بارے میں جو موقف بھی چاہیں اختیار کر سکتے ہیں اور سوادِ اعظم کا پیش کردہ موقف ہی اسلامی نقطہ نظر سے قابل قبول اور پسندیدہ سمجھا گیا ہے" (تفصیلات ہفت روزہ صوت الاسلام لاہور ۳۰ اکتوبر ۱۹۷۰ء میں ملاحظہ فرمائیے۔)

سقوط مشرقی پاکستان

۷ دسمبر ۱۹۷۰ء کو صدر جنرل یحییٰ خان کے دورِ حکومت میں مرکزی الیکشن ہوا۔ جس میں سندھ اور پنجاب سے پیپلز پارٹی بڑی اکثریت سے کامیاب ہوئی اور مشرقی پاکستان میں شیخ مجیب الرحمٰن کی عوامی لیگ بھاری اکثریت سے کامیاب ہوئی۔ شیخ مجیب نے چھ نکات کی بناء پر مشرقی پاکستان میں کامیابی حاصل کی اور ذوالفقار علی بھٹو نے روٹی کپڑا اور مکان کا نعرہ لگا کر الیکشن میں اکثریت حاصل کر لی۔ اسلامی قانون دونوں میں سے کسی کا مطمح نظر نہ تھا ان دونوں لادینی نظریات کے علمبرداروں نے پاکستان کو سوشلزم اور کمیونزم سٹیٹ بنانے کا خواب دیکھا تھا علمائے حق نے اس لادینی فتنے سے عوام و خواص کو روشناس کرایا تھا اور پورے ملک کا دورہ کر کے سوشلزم سر کمیونزم کے خلاف اعلائے کلمۃ الحق بلند کیا تھا مگر قوم کی بدقسمتی کہ وہی لوگ برسرِ اقتدار آگئے جنھوں نے پاکستان کو اپنے ہوسِ اقتدار کا نشانہ بنا دیا اور مجیب بھٹو سازش اور غدار حکمرانوں کی لاپرواہی نے پاکستان کا ایک بازو الگ کر دیا، پاکستان کیلئے تاریخ کا یہ سیاہ ترین دور تھا سقوطِ مشرقی پاکستان سے پوری قوم کی کمر ٹوٹ گئی وہ علمائے حق نڈھال ہوگئے جنھوں نے تحریک پاکستان میں شب و روز کام کیا تھا خصوصیت سے حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا مفتی شفیعؒ، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، حضرت مولانا اطہر علیؒ اور حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ اس غم سے بے حد پریشان ہوئے تھے ان بزرگوں کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے یہ آنسو خون کے آنسو تھے، ان کے لبوں پر آہیں اُبھریں سینوں میں نالے مضطرب ہوگئے ان اکابر کی راتوں کی نیندیں اُچاٹ ہوگیں یہ حضرات

فرماتے تھے کہ زندگی بے لطف ہو کر رہ گئی ہے۔

حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی صاحب اس سلسلے میں فرماتے ہیں کہ "۔

"چونکہ علماء کے ذمہ اصل کام دینی رہنمائی اور ہدایت کا ہے اس لئے ملکی حالات اور سیاسیات میں بھی مسلمانوں کی رہبری اور رہنمائی کرنا اور اُن کیلئے صحیح راہِ عمل تجویز کرنا ان کے فرائض منصبی میں شامل ہے چنانچہ حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ایک عالم دین اور مرکزی جمعیت علماء اسلام کے قائد ہونے کی حیثیت سے بڑی حسن و خوبی کے ساتھ یہ فرض ادا تحریر و تقریر کے ذریعے پاکستان میں لادینی ازموں کے خلاف مسلمانوں کو منظم اور آگاہ کرنیکی پوری طرح کوشش فرمائی۔ مگر مسلمانوں کی ذہنی تربیت اور طریق انتخاب کے غلط ہونے کی وجہ سے ۱۹۷۰ء کے انتخابات کے نتائج توقع کے خلاف برآمد ہوئے اور نظریہ پاکستان کی حامی جماعتوں کو سخت مایوس کُن حالات کا سامنا کرنا پڑا جس کے نتیجہ میں بالآخر سقوطِ مشرقی پاکستان کا المیہ پیش آیا اور پاکستان کا مشرقی حصہ کٹ کر پاکستان سے علیحدہ ہو گیا۔ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی حضرت محمد شفیع صاحبؒ اور حضرت مولانا احتشام الحق صاحبؒ کے نزدیک اس انتخاب میں ناکامی کی وجہ دوسرے اسباب کے علاوہ اصولی طور پر انتخاب کا مخلوط ہونا تھا اسی لئے عوامی لیگ کامیاب ہوئی کہ ہندوؤں نے اسکو ووٹ دیئے اور پیپلز پارٹی کو قادیانیوں نے کامیاب کیا اگر انتخابات جداگانہ ہوتا تو قادیانی، قادیانی کو ووٹ دیتا الغرض مخلوط انتخاب کے ذریعہ پاکستان کو جو عظیم نقصان پہنچا اور نظریہ پاکستان جس طرح مجروح ہوا اس سے پہلے اسکی مثال پاکستان کی پوری تاریخ میں نہیں مل سکتی اور ظاہر بات ہے کہ جب تحریک پاکستان کی بنیاد دو قومی نظریہ اور جداگانہ انتخابات پر ہی رکھی گئی تھی تو اب اس بنیاد کو ہلا کر اور اسکی جگہ مخلوط طریقہ انتخاب رائج کر کے پاکستان کی عمارت کو کیسے قائم رکھا جاسکتا تھا مسلمانان پاکستان کے اس نظریہ میں تبدیلی کے اندر چونکہ اسلامی احکام اور اسلامیات سے ناواقفیت کے علاوہ شریعت اسلامی پر عمل کرنے میں سستی اور بے پرواہی کا بھی بڑا دخل ہے"

بنگلہ دیش کے خلاف تحریک

سقوط مشرقی پاکستان کے بعد اس سوال کا پیدا ہونا قدرتی امر تھا کہ بھارتی جارحیت کے ذریعہ جنم لینے والے بنگلہ دیش "کو آیا پاکستان تسلیم کرے یا نہ کرے؟ پھر جب دنیا کی بڑی طاقتوں نے اپنے اپنے مفاد کی خاطر اس مسئلہ میں مداخلت اور دباؤ کے طریقے اختیار کئے تو اس وقت اس بحث میں کافی گرماگرمی پیدا ہو گئی اور یہ مسئلہ پھر ملک کا صرف اندرونی معاملہ نہیں رہا بلکہ

امور خارجہ کے مسائل میں سے بھی ایک اہم مسئلہ بن گیا۔ بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے کے حق میں زیادہ تر وہ عناصر پیش پیش رہے جو یا تو ابتداء ہی سے تحریک پاکستان اور دو قومی نظریہ کے خلاف تھے اور پاکستان کی زبوں حالی سے فائدہ اُٹھا کر اس کی نظریاتی بساط کو بالکل اُلٹ دینا چاہتے تھے یا وہ نوخیز جماعت میں تھی جس کو نہ آزادی ہند کی تاریخ اور تحریک پاکستان کے بارے میں خبر ہے اور نہ وہ نظریہ پاکستان کی ابجد سے واقف ہے۔

نظریہ پاکستان کی تحریک کو تاریخ کی عظیم قربانیوں کے ذریعہ پروان چڑھایا اور ایک عظیم اسلامی ملک کے قیام سے دس کروڑ مسلمانوں کو ہندو کی غلامی سے نجات دلائی اور یہی لوگ بنگلہ دیش کی حقیقت کو اور اس کے تسلیم کرنے کے تباہ کن نتائج کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔ اس بحث کے تمام مفید و مضر پہلوؤں کو سمجھنے اور کسی معقول نتیجے پر پہنچنے کیلئے حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ نے " بنگلہ دیش ملک نہیں تحریک ہے " کے عنوان سے ایک کتابچہ تفصیلاً تالیف فرمایا تھا جو شعبۂ نشر واشاعت نظام اسلام پارٹی کراچی نے شائع کیا تھا"

مولانا عبدالشکور ترمذی فرماتے ہیں کہ "

" مولانا کی ساری زندگی دینی جدوجہد اور باطل نظریات کے خلاف جہاد میں گزاری ہے ۔ وہ نظریہ پاکستان پر کسی بھی قیمت پر کوئی سمجھوتہ نہیں کر سکتے تھے انھوں نے تمام عمر اظہارِ حق کرنے میں کسی بھی قیمت پر کوئی سمجھوتہ نہیں کر سکتے تھے انھوں نے تمام عمر اظہارِ حق کرنے میں کبھی کوتاہی نہیں کی اور اس معاملہ میں اپنے اور پرایوں سب کی مخالفت مول لی، سوشلزم کے خلاف جس طرح آپ نے تحریک چلائی اسکی مثال آج کے دور میں مشکل سے ملے گی اسی طرح جب مشرقی پاکستان ہم سے علیحدہ ہوا تو مولانا تھانویؒ نے برملا حق کا اظہار فرمایا کہ غدار جرنیلوں نے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت مشرقی پاکستان کو مجیب کے حوالے کیا ہے اور صدر کو اپنا علاقہ بھارت کے حوالے کرنے کا کوئی اختیار حاصل نہیں ہے۔ پھر جب بنگلہ دیش منظور یا نامنظور کا مسئلہ اُٹھا تو آپ نے پورے ملک کا طوفانی دورہ کیا اور بھٹو حکومت کی سازشوں کو بے نقاب کیا، پاکستان کے اہم شہروں میں آپ نے بنگلہ دیش کے موضوع پر زبردست تقریریں کیں یہاں تک کہ بنگلہ دیش میں بھی جا کر بڑے بڑے شہروں میں جلسے کئے اور بنگلہ دیش ملک بننے کے خلاف عوام کو کھڑا کیا جس کے نتیجہ میں مغربی و مشرقی پاکستان میں زبردست احتجاجی مظاہرے کئے گئے اور مولانا نے بھارت نواز حکمرانوں اور سیاسی لیڈروں کی سازشوں کو بے نقاب کر کے اظہارِ حق کا فریضہ سرانجام دیا۔

بنگلہ دیش کے موضوع پر مولانا کی اہم تقریر

بنگلہ دیش کے خلاف تحریک کے دوران جب آپ پورے ملک کا دورہ فرما رہے تھے تو ملتان شہر میں بھی آپ نے اس موضوع پر ایک زبردست اہم تقریر فرمائی جس کے چند اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں، یہ تقریر بھی شعبۂ نشرواشاعت مرکزی جمعیت علماء اسلام و نظام اسلام پارٹی کراچی نے شائع کی تھی۔ مولانا تھانویؒ نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ "

"اس سے قبل جب ۱۹۷۰ء میں بالغ رائے دہی کی بنیاد پر الیکشن ہونے والا تھا اور انتخابی سرگرمیاں تیزی کے ساتھ جاری تھیں تو میں اس زمانے میں بھی آپ کے مشہور شہر ملتان میں کوچہ گردیاں کرتا ہوا کئی مرتبہ حاضر ہوا تھا کیونکہ اس وقت اپنا طریق کار یہی تھا کہ صبح کہیں اور شام کہیں، آج مشرقی پاکستان میں تو کل صوبہ سرحد اور بلوچستان میں، اور اس وقت بھی میں نے احباب سے یہی بات کہی تھی۔

گہ معتکفِ دیر گہ ساکنِ مسجد
یعنی کہ تراہی طلبم خانہ بخانہ

اس وقت ایک ایک گھر ایک ایک بستی اور ایک ایک شہر حتیٰ کہ آپ کے شہر میں بھی حاضر ہو کر میں نے بات کہی تھی کہ یہ انتخاب پاکستان کا پہلا انتخاب ہے اور ہو سکتا ہے کہ یہی پاکستان کا آخری انتخاب بھی ہو، اور مجھے یہ بھی علم ہے کہ اس زمانے کی بہت سی باتوں کا لوگ، یہ سمجھ کر نوٹس نہیں لیتے تھے کہ یہ انتخابی پروپیگنڈہ ہے ہم نے دوستوں سے یہ بھی کہا کہ شیخ مجیب کو مشرقی پاکستان کے مسلمانوں کی اکثریت حاصل نہیں ہے، لیکن اس وقت بھی لوگوں نے یہ سمجھا کہ یہ بات درست نہیں ہے اور شاید اب تک بھی یہی سمجھتے ہیں۔ میں نے آج ہی شام کے استقبالیہ میں عرض کیا تھا کہ میں نے حمود الرحمن کمیشن کے سامنے پلٹن میدان کے اس جلسہ کا فوٹو پیش کیا ہے جس میں تقریر اُردو میں ہو رہی ہے یہ ہمارا جلسہ ہے ڈھائی تین لاکھ مسلمان پلٹن میدان میں جمع ہیں، میں نے کمیشن سے کہا کہ شیخ مجیب کے گڑھ میں اتنا عظیم الشان اجتماع اور یہ تصاویر بھی بنگلہ اخبار کی ہیں، کسی اُردو اخبار کی نہیں، تو کیا میں کراچی سے لوگوں کو ٹرک میں بھر کر لایا تھا؟ یہ اتنا عظیم اجتماع جو آپ بھی فوٹو میں دیکھ رہے ہیں، کہاں سے آیا؟

کیا شیخ مجیب کو صدر فیصد اکثریت حاصل ہے؟ کیا آپ نے اخبار میں یہ نہیں پڑھا کہ لندن کے اندر بنگالیوں نے شیخ مجیب کے خلاف احتجاج کیا ہے اور انھوں نے برملا یہ بات کہی ہے کہ ہم نے پاکستان سے علیحدگی کیلئے آپ کو ووٹ نہیں دیا تھا حالانکہ آپ نے پاکستان کو الگ کر کے رکھ دیا ہے، مظاہرہ

وہاں بھی ہوا اور آج بھی مشرقی پاکستان کے اکثر علاقوں میں شیخ مجیب کے خلاف مظاہرے ہو رہے ہیں اب تو آپکو یقین آئے گا؟ کہ جو بات میں نے کہی تھی وہ پچی تھی۔ اسی دوران میں نے یہ بھی عرض کیا تھا کہ یہ پہلا انتخاب ہے اور ہو سکتا ہے کہ آخری انتخاب بھی ہو لیکن میں نے یہ بات کسی قلندرانہ پیش گوئی کے طور پر نہیں کہی تھی، کیونکہ یہ بہت موٹی سی بات ہے کہ اگر دیوار کے پیچھے سے اُٹھتا ہوا دھواں آپ کو نظر آئے تو موٹی عقل والا انسان بھی سمجھ سکتا ہے کہ دیوار کے پیچھے آگ بھی ہے اور چنگاریاں بھی۔ لیکن ہم نے وہ اُٹھتا ہوا دھواں اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا، کاش ہمارے ساتھی بھی اگر دیوار کے پیچھے سے اُٹھتا ہوا دھواں دیکھ لیتے تو آج یہ روزِ سیاہ دیکھنا نصیب نہ ہوتا، مگر وہ کہاں سے دیکھتے ان کو تو اپنے ماسوا کے علاوہ کسی دوسرے کو دیکھنے کی فرصت ہی نہیں تھی، اپنے وجود اپنی جماعت اور اپنی تنظیم کے تنگ دائرے سے نکل کر اگر قوم اور ملک و ملت اور اسلام کے مفاد کی خاطر ہم اس پر توجہ مرکوز کر دیتے تو ہمیں دُھواں بھی نظر آتا اور وہ چنگاریاں بھی نظر آتیں جنھوں نے آج ہمارا سب کچھ جلا کر خاک کر دیا، دوستوں کی شکایت پر علامہ اقبال نے کیا خوب فرمایا ہے:۔

گلہ جفائے وفا نما جو حرم کو اہلِ حرام سے ہے
کسی بتکدے میں بیاں کروں تو صنم پکارے ہری ہری

علامہ اکبر الہ آبادی نے بھی ان الفاظ میں دوستوں کا گلہ کیا ہے

دل مرا جس سے بہلتا کوئی ایسا نہ ملا
بت کے بندے ملے، اللہ کا بندہ نہ ملا

گل کے خواہاں تو نظر آئے بہت عطر فروش
غالب زمزمۂ بلبل شیدا نہ ملا

اس الیکشن کو ہوئے دو سال ہونے کو آئے اور مشرقی پاکستان اس الیکشن کے بعد بڑی زبردست خون ریزی کے ذریعہ نہ صرف ہم سے الگ ہو گیا بلکہ لٹرابی حکمرانوں کی بدمستیوں اور سیاسی غداروں کی سازشوں کی بدولت ۹۳ ہزار مسلح پاک فوج کے ہتھیار ڈالنے کی وہ رسوائی بھی ہمیں اور آپ کو دیکھنا پڑی جس کی نظر تاریخ اسلام میں کہیں نہیں ملتی، اور ہو سکتا ہے کہ اس المیہ کے اوپر ہمارے اور آپ کے دل نہ پسیجے ہوں لیکن میں آپ کو بتاتا ہوں کہ دنیا کا کوئی ملک ایسا نہیں جہاں کے مسلمانوں نے مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے حادثے پر ماتم نہ کیا ہو، اور میرا خیال تو یہ ہے کہ مشرقی پاکستان کی علیحدگی کا حادثہ عالم اسلام نے اسی طرح محسوس کیا ہے جس طرح آج سے پچاس سال قبل خلافت عثمانیہ کے سقوط کو مسلمانوں نے محسوس کیا تھا اور اس وقت بھی کوئی مسلمان ایسا نہیں تھا جس نے خون کے

آنسو نہ بہائے ہوں اور آج بھی کوئی مسلمان ایسا نہیں جو اس حادثے پر گریہ کناں نہ ہوا ہو، اور اگر آج شیخ مجیب ذوالفقار علی بھٹو، جی ایم سید اور کانگریسی ذہن رکھنے والے علماء اس حادثہ کو عالم اسلام کا حادثہ تصور نہ کرتے ہوں تو غیر جانبدارانہ جائزہ لینے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ اس وقت دنیا میں بڑی سے بڑی اسلام دشمن طاقتیں، خواہ وہ امریکہ ہو، خواہ روس ہو، خواہ برطانیہ ہو خواہ اسرائیل ہو، اور خواہ یہ طاقتیں ایک دوسرے کے خلاف ہی کیوں نہ ہوں، لیکن مشرقی پاکستان کی علیحدگی اور پاکستان کے ٹوٹنے پر ان سب کی ہمدردیاں پاکستان کے خلاف بھارتی جارحیت کے ساتھ ہیں اور اسلام کے خلاف دشمن رکھنے والی تمام طاقتیں آج خوش ہیں، بغلیں بجا رہی ہیں اور میرے نزدیک ہی سب سے بڑا معیار ہے کہ ہمارا دشمن ہماری جس بات پر خوش ہوتا ہو وہی ہماری ہلاکت کا باعث ہے اور دشمن جس بات کو گوارا نہ کرے اسی میں مسلمانوں کی فلاح ہے اور یہی وہ دلیل ہے جو قیام پاکستان کے کے وقت ہم پاکستان کی حمایت میں پیش کرتے تھے کہ بھائی اگر پاکستان مسلمانوں کیلئے ضرر رساں ہے تو اس کی کیا وجہ ہے کہ ہر ہندو پاکستان کی مخالفت کرتا ہے"۔ ہم خواہ سمجھ سکیں یا نہ سمجھ سکیں لیکن دلیل ہے اس بات کی اس میں اسلام اور مسلم قوم کا کوئی مفاد ضرور ہے؟ جبھی تو کوئی مخالف اس کو گوارا نہیں کرتا"۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ در حقیقت مشرقی پاکستان کا سقوط عالم کا اتنا بڑا حادثہ ہے کہ تمام اسلامی ممالک خاموش ہیں بلکہ میں نے تو خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ سعودی عربیہ کے اندر بنگلہ دیش کا ذکر کرنے والے لوگوں کو حدود حکومت سے باہر نکال دیا گیا اور یہ اس لئے نہیں کہ ہمیں کسی قوم کی آزادی بری معلوم ہوتی ہے، یہاں آزادی کا سوال نہیں۔ یہاں تو اسلام دشمن طاقتوں نے پاکستان کو توڑ دینے کیلئے جو سازش کی تھی اسکا مظاہرہ اس شکل میں نمودار ہوا ہے کہ ۹۳ ہزار فوج غنیم کے ہاتھ میں جانے کے بعد اور مشرقی پاکستان کی علیحدگی سے کس طرح قوم کے حوصلے پست ہو گئے اور کس طرح ان کے دل ٹوٹ گئے۔ آپ اندازہ لگائیے کہ ان تمام حوصلہ شکنیوں کے باوجود ایک موہوم سی خواہش یہ تھی کہ اگر اب بھی ہم مغربی پاکستان کو نظریہ پاکستان کی بنیاد پر صحیح تعمیر کر لیں تو آج بھی ہم اپنا کھویا ہوا وقار بحال کر سکتے ہیں مگر افسوس یحییٰ خان کے ہاتھوں اس ملک کا قرعہ فال جس شخص کے نام نکلا وہ ایکٹنگ تو بہت اچھی طرح کرنا جانتا ہے وہ اپنی تقریروں میں اونچی اونچی گالیاں بھی دے سکتا ہے وہ جالو کے رقص اور دھمال کا بھی ماہر ہے وہ مائیکروفون اور کوٹ بھی پھینکنا جانتا ہے غرضیکہ اس میں یہ سب کمالات ہیں لیکن ملک چلانا نہیں جانتا جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے کہ:۔

مجھ میں سبھی ہنر صحیح تاب تو ضبط کی نہیں
شرطِ وفا وہاں بھی ہے اور یہاں بھی نہیں

اسی طرح ایک اور شعر یاد آگیا۔

خدا نے ان کو عطا کی ہے خواجگی کہ جنھیں
خبر نہیں روشِ بندہ پروری کیا ہے

یہ شکستہ خاطر قوم اس بات سے بخوبی واقف تھی کہ کسی غدار جنرل کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی کو صدارت کا عہدہ دیدے یا کسی غیر فوجی کو مارشل لا ایڈمنسٹریٹر بنا دے لیکن اسکے باوجود ہر فرد کی خواہش تھی کہ اسوقت آئینی موشگافیوں سے قطع نظر ملک کو بچانے کی کوشش کرے تاکہ کسی طرح ملک بچ جائے اور یہی وجہ ہے کہ جس وقت بھٹو صاحب نے اپنی سب سے پہلی نشری تقریر فرمائی تو کوئی سیاسی اور مذہبی تنظیم ایسی نہیں تھی کہ جس نے یہ کہا ہو کہ اگر آپ واقعی ملک کو صحیح خطوط پر تعمیر کرنا چاہتے ہیں تو تمام اختلافات کے باوجود ہم سب آپ کے پیچھے چلنے اور آپ کے ساتھ تعاون کرنے کو تیار ہیں، لیکن دو تین یوم کے اندر ہی جس طرح چہرے کا غازہ اتر جاتا ہے، انتقامی کاروائیاں شروع کر دی گئیں اور ان میں جمہوریت و قانون کی جو مٹی پلید ہوئی اس سے اندازہ ہو گیا کہ ان کی نشریہ درحقیقت اس قسم کی افیون ہے جس طرح غاصب صدر یا جس طرح آمر صدر قوم کو بے حس کرنے کیلئے کھلاتے رہے۔ چنانچہ بھٹو صاحب کو اس ملک میں حکومت کرتے ہوئے آٹھ ماہ کا عرصہ گزر چکا ہے اور ہر آنے والا لمحہ پہلے سے زیادہ خراب ہے جو ساعت آرہی ہے وہ پہلے سے زیادہ بدتر ہے"

(تفصیلی تقریر علیحدہ طبع ہوئی تھی جو نظام اسلام نے شائع کی تھی یہاں اسکی گنجائش نہیں ہے۔) (مولف)

مخالفین پاکستان کے بارے میں مولانا کے سیاسی افکار و نظریات

مولانا تھانوی مرحوم ابتدا سے ہی حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کے سیاسی افکار و نظریات سے وابستہ رہے آپ دو قومی نظریہ تحریک پاکستان کے بڑے سختی کے ساتھ حامی تھے اور اس سلسلہ میں کسی قسم کی مفاہمت اور رواداری کے قائل نہیں تھے۔ دوسرے یہ کہ مولانا مرحوم کے نقطہ نگاہ سے صرف حق بات کا اظہار ہوتا تھا قطع نظر اس سے کہ وہ بات کسی شخص یا جماعت کی مخالفت میں ہے یا حمایت میں، مصلحت بینیوں کی وجہ سے حق بات کے اعلان نہ کرنے کو مولانا مداہنت سمجھتے تھے، اپنی پوری زندگی میں مولانا تھانوی مرحوم اصول پر کاربند رہے اور دوسرے اہل علم سے بھی وہ اسی اصول پر عمل کرنے کے خواہش مند کرتے تھے اس جگہ مولانا مرحوم کے مکتوب گرامی کا اقتباس نقل کیا جاتا ہے جس سے ان کے اس نقطہ نظر کی وضاحت خود ان کے قلم

حقیقت رقم سے ہورہی ہے یہ مکتوب گرامی مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی کے نام مولانا کا آخری مکتوب ہے جوکہ ۹ نومبر ۱۹۷۸ء کو مفتی صاحب کو موصول ہوا تھا۔ مدتوں سے جو مراسلت میرے اور آپ کے مابین جاری ہے اس میں بارہا غیر مبہم طریقہ پر دو باتیں عرض کی گئی ہیں جن پر آپ کو یقین کرنا چاہیئے اور ایسی بات نہیں کہنی چاہیئے جس سے اس یقین کی نفی ہوتی ہو، پہلی بات اپنے اس مؤقف سے متعلق ہے جس پر الحمد للہ بتیس ۳۲ سال سے قائم ہوں وہ دو قومی نظریہ پاکستان و اسلامی نظام کے قیام کی حمایت اور کسی سیاسی شخصیت یا کسی سیاسی پارٹی سے غیر وابستگی، تحریک پاکستان کے مخالفوں کا اسلام اگر منظور ہوتا تو مسلم لیگ اور جناح کی تائید کے بجائے جمعیت علماء ہند مجلس احرار اور کانگریسی علماء کی تائید کرتے، مگر ہم نے حکیم الامت حضرت تھانویؒ اور شیخ الاسلام علامہ عثمانی کا دامن پکڑا تھا اور ابھی تک نہیں چھوڑا، اس مؤقف کی حمایت میں خواہ مفتی سے ٹکر ہو یا ولی خان اور مودودی سے بھڑ اس موقف کی حمایت سے خواہ مسلم لیگ کو تقویت پہنچی ہو یا پیپلز پارٹی کو ہمارا موقف ایک ایجابی اور مثبت ہے نہ کسی کی مخالفت مقصود ہے اور نہ کسی کی حمایت و تائید لیکن اگر نتیجۃً ایسا ہے تو عنداللہ ہمارا دامن ان دھبوں سے پاک ہے، حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ نے کانگریس کی اور قرآن و سنت کی روشنی میں حق سمجھ کر کی مگر کیا اس سے نتیجۃً انگریز کی حکومت کو تقویت نہیں پہنچی تھی؟ کیا سیاسی جماعتیں یہ الزام نہیں لگاتی تھیں کہ مولانا اشرف علی تھانویؒ انگریز کی حمایت کانگریس کی مخالفت کرتے ہیں؟ کیا انگریز کمشنر نے شکریہ ادا کرنے کی اجازت نہیں مانگی تھی جو حضرت نے نہیں دی؟ کیا آپ کی رائے میں اس الزام سے بچنے کیلئے حضرت پوری قوم کو ہندو کی غلامی میں دے دیتے ؟

اگر میرے بیانات میں آپ کو یا کسی اور کو پیپلز پارٹی کی تائید نظر آتی ہے تو میرا مقصود نہیں ہے لیکن پھر بھی تقویت پہنچی ہے تو میں اپنے مؤقف کو چھوڑ نہیں سکتا"۔

مولانا احتشام الحق تھانویؒ مرحوم نے اس سے قبل اپنے ایک اور مکتوب گرامی ۲۸ اکتوبر میں بھی لکھا تھا کہ"

"میں تو حضرت حکیم الامت تھانویؒ اور شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی کی پیروی میں کسی پارٹی اور شخص کے ساتھ تعاون کا تصور کئے بغیر نظریہ پاکستان اور اسلامی نظام کے قیام سے وابستہ ہوں اور اپنی اس وابستگی میں ہر فاسق و فاجر کے ساتھ تعاون کو جزو ایمان سمجھتا ہوں اور اس کے مقابلہ میں بڑے سے بڑے متشرع عالم کے ساتھ عدم تعاون کو فرض سمجھتا ہوں"۔

چنانچہ مولانا کا مؤقف واضح ہے کہ نظریہ پاکستان اور اسلامی نظام کے قیام سے وابستگی میں کسی شخص کا

فسق و فجور اس کے ساتھ تعاون کرنے میں مانع نہیں تھا مولانا کا یہ مقصد اگر کسی فاسق و فاجر کے ذریعہ پورا نظر آتا تھا تو اس کے ساتھ تعاون کو جزو ایمان اور اسکے مقابلہ میں بڑے سے بڑے متشرع عالم کے ساتھ عدم تعاون کو فرض سمجھتے تھے پھر اگر کسی وقت صورت حال ایسی پیدا ہو جائے کہ ایک جماعت کی طرف سے ملک ٹوٹنے کا خطرہ ہو تو مولانا کے نزدیک ملکی بقار کو ہر حالت میں اہمیت و فوقیت حاصل ہے، مولانا کے مکتوب گرامی تحریر فرمودہ ۸ جنوری ۱۹۷۸ء میں اسکی وضاحت اس طرح فرمائی گئی ہے "کہ

"دارالاسلام جہاں مسلم قوم کو سیاسی غلبہ حاصل ہو، اس کا وجود اپنی جگہ اہم ہے قطع نظر اس کہ اس دارالاسلام کے مسلم باشندے کتنے بے دین ہیں اسکی بقار اور حفاظت کو ہر قسم کی اصلاح پر اہمیت حاصل ہے اور اگر کسی سازش یا ریشہ دوانی سے ملک کے وجود کو خطرہ لاحق ہو، تو کسی مصلحت کے بنار پر سکوت جائز نہیں ہے اور ملکی سالمیت کے تحفظ سے اگر کسی بے دین مسلمان کو یا کسی ازم کو تقویت پہنچتی ہے تو وہ قدرتی امر ہے اس تقویت کے خوف کی حیثیت ثانوی ہے جس سے دارلاسلام یا اسلامی ملک کے وجود کی اہمیت میں بلکہ اہمیت کی اولویت میں کوئی فرق نہیں آئے گا"

صاف طور پر واضح ہو رہا ہے کہ ملکی سالمیت کا تحفظ ہر صورت ضروری ہے، خدانخواستہ اس سالمیت کے تحفظ سے کسی بے دین فاسق و فاجر مسلمان یا کسی لادینی ازم کو تقویت پہنچنے کا خوف ہو تو چونکہ مقصود صرف اور صرف ملکی سالمیت کا تحفظ اور دارالاسلام کی حفاظت ہے تو اسلئے سردست اس کی طرف سے صرف نظر کیا جائیگا اور دارالاسلام کا تحفظ ہر قیمت پر کیا جائے گا" اسی مذکورہ بالا مکتوب میں مولانا لکھتے ہیں کہ

"ایک مقتدار اور راہبر کی حیثیت میں انفرادی طور پر ہو یا اجتماعی طور پر یہ شرعی فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ دونوں کی صورت حال سے صرف صرف آگاہ ہی نہ کرے بلکہ یہ بھی بتلائے کہ جس فریق کے ساتھ تعاون سے ملک ٹوٹتا ہے اس کا دفاع سوشلزم کے دفاع سے زیادہ اہم اور سنگین ہے جبکہ بد قسمتی سے سوشلزم کا خطرہ دونوں فریقوں سے ہے کیونکہ ملک باقی رہے گا تو ازموں کا مقابلہ بعد میں بھی کیا جاسکتا ہے"۔

پھر اس کی نظر میں ایک اسلامی ملک کو پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ،

" ترکی میں جب کمال اتاترک نے مسجدوں میں تالے ڈلوا دیئے، مدرسے بند کرا دیئے، عربی کی اذانیں موقوف کر دیں ــــــ مگر پھر بھی اس بے دینی کے نتیجہ میں بقار ملک کی اہمی کم نہیں ہوئی نہ کسی عالم نے کسی پڑوسی مسلم ملک کو حملہ کی اجازت دی اور نہ اس کا علاج یہ تجویز کیا گیا کہ ترکی

کو یونانی کے حوالے کر دیا جائے"۔

مولانا تھانوی مرحوم کا مقصود واضح ہے کہ پاکستان کی بقا اور سالمیت ہر چیز سے اہم اور مقدم ہے اس لئے کہ اگر خدانخواستہ ملک باقی نہ رہا تو پھر نظام و اسلام کے قیام کا مقصد کسی طرح بھی حاصل نہیں کیا جاسکتا اسلیئے مولانا مرحوم پاکستان کی سالمیت کیلیئے ہر ممکن طریقہ سے کوشش کرنے کو اپنا شرعی فریضہ سمجھتے تھے اور فریق مخالف کامیابی کی صورت میں مولانا کو ملک کے ٹوٹنے کا قومی خطرہ لاحق تھا۔ اسکی زیادہ وضاحت مولانا نے اپنی اس تقریر میں کی ہے جو نشتر پارک کراچی کے عظیم اجتماع میں ۱۹۷۷ء میں ہوئی تھی اور "لمحہ فکریہ" کے نام سے طبع ہوئی تھی، اس کا ایک اقتباس پیش خدمت ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ "۔

"اگر خدانخواستہ پارٹیوں کا یہ محاذ کامیاب ثابت ہو جائے تب بھی صوبہ سرحد و بلوچستان میں مسلم لیگ کی جمعیت علمار پاکستان کی تحریک استقلال کی پی ڈی پی کی یا جماعت اسلامی کی حکومتیں نہیں بنیں گی بلکہ صرف ولی خان کی نیشنل عوامی پارٹی اور محمود کی جمعیت کی حکومتیں بنیں گی اس وقت اگر یہ لوگ صوبہ سرحد اور بلوچستان کو الگ کرلیں تو باقی جماعتیں کف افسوس ملنے اور فاتحہ پڑھنے کے سوا اور کیا کر سکتی ہیں"۔

مولانا نے اس خطرہ کی وضاحت اپنے مکتوب میں بھی کی ہے جو مفتی سیاح الدین صاحب کے خط کے جواب میں ارسال فرمایا تھا اس کے حسب ذیل اقتباسات قابلِ غور ہیں۔

"صحیح تجزیہ یہ ہے سوشلزم بھٹو کی جانب بھی تھا اور قومی اتحاد کی جانب بھی، البتہ قومی اتحاد میں پاکستان کے خلاف اور اکھنڈ بھارت کے حامی افراد بھی تھے اگر صوبہ سرحد و بلوچستان میں انہی افراد کی اکثریت والی جماعتیں کامیاب ہو جاتی ہیں تو وہ دوسرے مخالف ملکوں سے مدد حاصل کر سکتے ہیں اور ان صوبوں کو وہ علیحدہ کر سکتے ہیں جیسا کہ ان کے منشوروں سے واضح ہے"

اب اگر کسی شخص کے نزدیک ملکی سالمیت اور استحکام پاکستان کی اہمیت کا یہ درجہ نہ ہو اور پاکستان کے حصہ بخرے اور ٹکڑے ٹکڑے ہونے کو وہ قابلِ برداشت سمجھتا ہو تو ایسا شخص اس خطرہ کو ناقابل التفات سمجھے گا مگر مولانا مرحوم کے نزدیک ملک کی سالمیت اور استحکام پاکستان کی اہمیت ہر اہم چیز سے زیادہ اہم تھی اس لیئے انہوں نے ایسے عناصر کے ساتھ تعاون و اشتراک کو روا نہیں رکھا جن کے رویہ سے مولانا کو اس خطرہ کا احساس یا شبہ بھی ہوا، اس خط میں مولانا نے اس خطرہ کے غیر واقع ہونے کی سختی کے ساتھ تردید کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"رہی یہ بات کہ ولی خان اور مفتی صاحب سے ایسا امکان بعید ہے اور وہ قومی اتحاد کی نظر

میں محب وطن ہیں تو اس پر حلف اُٹھانے کو تیار ہوں کہ یہ محب وطن نہیں ہیں میرے پاس اس کے شواہد موجود ہیں۔ ان قریبی خطرات کے پیش نظر نفاذِ شریعت اسلامیہ اور خلافتِ راشدہ کے قیام کے دعوے بے حقیقت ہو جاتے ہیں"۔

خلاصہ مطلب کے طور پر لکھتے ہیں کہ"۔

"حاصل یہ ہے کہ سوشلزم اور اسلام کے مقابلہ میں سوشلزم کی حمایت کفر کے برابر ہے جس کا ارتکاب مفتی محمود صاحب ۱۹۷۰ء کے الیکشن میں کر چکے ہیں اور اگر مقابلہ پاکستان رکھنے اور توڑنے میں ہو تو ہر حال میں حمایت بقائے ملک کی کی جائے گی اور اسلام کا نعرہ فریب سمجھا جائیگا اور سیاسی اغراض کیلئے ایسے حسین اور پُر فریب نعروں کی مثالیں تاریخ اسلام میں دیکھی جا سکتی ہیں"۔ اپنے ایک مکتوب گرامی میں مفتی عبدالشکور ترمذی کو اجمالی طور پر اسکی طرف اشارہ کرتے ہوئے مولانا لکھتے ہیں کہ"۔

کیا تاریخ میں محبت اہلبیت یا ان الحکم الا للہ کے پُر فریب نعروں کا مقصد اور نتائج آپ کے سامنے نہیں ہیں"۔

یہ ہے مولانا کا نقطۂ نظر جس کے گرد مولانا کی حمایت و مخالفت گھومتی رہی ہے اور جس کو نہ سمجھنے کی وجہ سے مولانا کے کردار میں بظاہر مخالفت کی صورت نظر آتی ہے، مفتی سیاح الدین صاحب کو اپنے ایک خط میں غور و فکر کی دعوت ان الفاظ میں دیتے ہیں کہ"

"مفتی صاحب آپ ذرا تنہائی میں خود کو اللہ کے حضور تصور کر کے سوچیں کہ کیا اصغر خان، ولی خان، محمود علی قصوری، ملک عطاء اللہ، سی آر مسلم، مزاری اور علی مختار رضوی یہ خلافت راشدہ کے پروانے ہیں"۔

نو پارٹیوں کے مجموعہ میں اکثریت ان پارٹیوں اور جماعتوں کی تھی جو تحریک پاکستان کے مخالف تھے اور اس سے بھی انکار نہیں کہ اس میں شریعت اسلامیہ کی علمبردار اقامت دین کی دعویدار جماعتیں بھی ہیں، مگر مولانا کی رائے گرامی یہ ہے کہ"

"زمزم کے چند قطرے پیشاب کے مٹکے کو پاک نہیں بنا سکتے"۔

سب سے زیادہ قابل غور اور لائق توجہ مولانا کے حسب ذیل فقرے ہیں۔

"جب ملک ہی نہ رہے تو شریعت اسلامیہ کے نفاذ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا"

"اب رہ گیا سوشلزم سو ہم ۷۰ء میں بھی اس کے مخالف رہے آج بھی ہیں"

مگر۔ ایں گناہ ہیست کہ در شہر شما نیز کنند۔۔۔۔۔۔۔ سوشلزم سے نجات نہ ادھر ہے نہ

اُدھر ہے"۔(لمحہ فکریہ ۱۴)

مولانا تھانوی مرحوم، مفتی سیاح الدین صاحب کے نام ایک مکتوب میں فرماتے ہیں کہ "

"وہی وجہ ہے کہ قومی اتحاد نے قومیائی ہوئی بڑی صنعتوں کی واگزاری کا اعلان نہیں کیا بلکہ زرعی زمین کے متعلق خالص اشتراکی نقطہ نظر کا اظہار کیا ہے، میرے تجزیے سے آپ کو اتفاق ہو یا نہ مگر میں سمجھتا ہوں کہ بھٹو اور اتحاد دونوں سوشلزم سے خالی نہیں ہیں"

بھٹو صاحب نے جب فیکٹریاں اور ملوں کو نیشنلائز کیا تو اپوزیشن کی کسی پارٹی نے اس کے خلاف بیان نہیں دیا بلکہ ایئر مارشل اصغر خان نے بیان دیا تھا کہ سو ایکڑ زمین مالک کے پاس زیادہ ہے گویا اگر وہ برسرِ اقتدار آئے تو مالک کے قبضہ میں سو ایکڑ باقی نہیں رکھیں گے۔ جماعت اسلامی کے پروفیسر غفور احمد نے ۲ جون ۱۹۷۲ء کو اسمبلی کی دستوری کمیٹی کے سامنے تقریر کرتے ہوئے کہا ہے کہ قرآن میں کوئی حکم مانع نہیں ہے کہ ضرورت کے تحت کسی خاص چیز کو نجی نظام سے نکال کر اجتماعی نظام میں لے لیا جائے"۔ (حوالہ جات روزنامہ جسارت ۱۸ فروری ۱۹۷۲ء) مولانا مرحوم کے بیانات بڑے تفصیلی اور واضح ہیں کسی تبصرہ کے محتاج نہیں ہیں اپنے نظریہ اور مؤقف کو جس طرح کی وضاحت و صراحت سے مولانا نے خود بیان کیا ہے دوسرا کوئی شخص اس طرح ان کی ترجمانی نہیں کر سکتا۔

استحکام پاکستان کیلئے مساعی

مخالفینِ پاکستان کی طرف سے مغالطہ دالطہ بھی دیا جاتا ہے اور اپنی مخالفت کو خوبصورت لفظوں کا جامہ پہنا کر پیش کیا جاتا ہے کہ جب پاکستان کا مقصد قیام اسلامی نظام اور شریعت اسلامہ کا نفاذ پورا نہیں ہو تو پھر پاکستان کی ضرورت ہی کیا ہے اس سے تو اکھنڈ بھارت ہی بہتر ہے۔

"ناپختہ کار ذہنوں اور سادہ لوح مسلمانوں کو اس خطرناک مغالطہ کی تہہ میں پاکستان دشمنی کا احساس نہیں ہو پاتا۔ اس لئے غیر شعوری طور پر مخالفتِ پاکستان میں وہ ان کے ہمنوا ہو جاتے ہیں، مولانا تھانوی مرحوم کے بیان میں ترکی کی سلطنت کی غیر اسلامی روش میں پیش کر کے اس مغالطہ کا کافی جواب باہم پہنچا دیا گیا ہے کہ صرف نام کے مسلمانوں کے اقتدار کی حفاظت اور نام کی اسلامی سلطنت کی حمایت بھی مسلمانوں کا شرعی فریضہ ہے۔ اس سلسلے میں مولانا تھانویؒ فرماتے ہیں کہ"

"اسلامی دستور کے نفاذ کیلئے پاکستان میں جو آوازیں بلند ہوتی رہی ہیں اور ان کے نتیجہ میں قرار دادِ مقاصد کا اسمبلی میں منظور ہونا اور آئین پاکستان میں حکومت پاکستان کا مذہب اسلام قرار پانا

وغیرہ وغیرہ جو اسلامی قوانین منظور ہوئے اور تمام ملک کی فضا پورے اور مکمل نظام اسلام کے نفاذ کے مطالبہ سے گونج رہی ہے اس کی بنیاد اسی نام کی اسلامی سلطنت سے ہی قائم ہوئی ہے کیا اکھنڈ بھارت میں اس قسم کی آواز بلند کی جا سکتی تھی؟

اب نظام اسلام کے قیام کو اپنا مقصد ظاہر کرنا اور پاکستان کے قیام کو ایسے مغالطات کے ذریعے لوگوں کی نظروں میں غیر ضروری باور کراتے رہنا دو عملی اور تضاد خیالی کا شکار ہونا ہے یا پھر یکے بر سر شاخ دین می برید، کا مصداق بننا ہے۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ پاکستان میں اسلامی نظام کے مطالبے کے ساتھ ساتھ پاکستان کے استحکام اور اس کے مضبوط و متحد رکھنے کیلئے بھرپور کوشش کرنے کی ضرورت ہے۔ ہر ممکن طریقہ سے تحفظ و بقائے پاکستان کیلئے بقدر استطاعت جد و جہد جاری رکھنا ہر مسلمان پر شرعی فریضہ ہے اور ایسے علیحدگی پسند عناصر سے جو ملکی استحکام کے خلاف سرگرم عمل ہیں یا موقع ملنے کے منتظر رہتے ہیں نظام اسلام کے قیام کا مقصد پورا ہونے کی توقع رکھنا عبث اور خود فریبی میں مبتلا ہونے کے مترادف ہے" مولانا احتشام الحق تھانوی مرحوم دو قومی نظریہ اور پاکستان کے زبردست حامی تھے انھوں نے ابتدائے پاکستان کے قیام سے ہی ہر دورِ حکومت میں اپنی کوششوں کا محور استحکام پاکستان اور قیام نظام اسلام کو بنائے رکھا۔ اس سلسلہ میں جس قدر کام اللہ تعالیٰ نے مولانا تھانوی مرحوم سے لیا ہے وہ تاریخ دستور اسلام میں سنہری حرفوں سے لکھے جانے کے قابل ہے اور قابلِ رشک تاریخی کارنامہ ہے۔ مولانا مرحوم کو ایسے عناصر سے دلی نفرت تھی جن کے بارے میں دو قومی نظریہ کی مخالفت یا علیحدگی پسندی کے رجحان کا علم ہو جاتا تھا یہ بات ان کی طبیعتِ ثانیہ بن چکی تھی اس نفرت کے اظہار سے ان کو کسی قسم کی مصلحت یا اختلاف کا خوف مانع نہیں ہوتا تھا بلکہ وہ اظہار نہ کرنے کو مداہنت سمجھتے تھے۔ مولانا مرحوم حق و باطل کو عوامی مقبولیت کے معیار سے ماپنے کے قائل نہ تھے بلکہ وہ حق و باطل کو صحیح اصولوں پر پرکھنے کے عادی تھے۔ مولانا نے قیام پاکستان استحکام پاکستان اور نظام اسلام کیلئے جو قابلِ قدر کارنامے انجام دیئے ہیں وہ ناقابلِ فراموش ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ دو قومی نظریہ کے حامی محب وطن طبقہ علماء میں مولانا تھانوی کی وفات سے جو خصوصیت کے ساتھ بڑا خلاء پیدا ہو گیا ہے اور کوئی ایسی معروف اور باوقار شخصیت نظر نہیں آ رہی جس کا ماضی کا کردار غیر مشتبہ اور صاف ہو اور قومی نظریہ پاکستان کا مؤثر طریقہ سے دفاع کر سکے۔ اس کے ساتھ ہی مخالفین پاکستان کی طرف سے پُر فریب اور دلکش نعروں کی تہہ میں پرورش پانے والے منصوبوں کا پردہ چاک کر کے برملا اظہارِ اختلاف کرنے کا حوصلہ بھی اپنے اندر رکھتا ہو۔

تا بہ بینم کہ از غیب چہ آید بظہور

مولانا اپنے نظریات کی صداقت پر غیر متزلزل یقین رکھتے تھے اور اسی یقین کے ساتھ وہ کسی منصب عہدہ اور ذاتی منفعت کے حصول کی طمع کے بغیر ہمیشہ نظریہ، پاکستان کے تحفظ اور اسلامی نظام کیلئے سرگرم رہیانھوں نے تو کسی جماعت کی ممبری کا لالچ کیا نہ ہی اسمبلی کی رکنیت کو حصولِ زر اور تحصیل جاہ کا ذریعہ بنایا، مولانا کی سیاست کا بنیادی نقطہ اور حدود اربعہ صرف دو قومی نظریہ کا تحفظ اور اسلامی نظام کے قیام تک محدود تھا چنانچہ مولانا لکھتے ہیں کہ:۔

"ہماری سیاست نظریہ، پاکستان کا تحفظ، استحکام پاکستان کیلئے سعی د کاوش اور اسلامی نظام کے قیام کیلئے اعلیٰ اور وسیع تر مقاصد کی حد تک محدود ہے نہ کسی ذات اور شخصیت سے ہمارا تعلق ہے اور نہ کسی سیاسی جماعت سے ہماری وابستگی ہے"

مولانا نے قسم کھا کر لکھا ہے کہ"

"میں نے کبھی ایک پائی کے برابر بھی حکومت سے منفعت حاصل نہیں کی نہ ریڈیو پاکستان کے درس کا معاوضہ لیا نہ کبھی وعظ کا ہدیہ لیا نہ کبھی نکاح کی فیس لی، یہاں تک کہ میرے آٹھ لڑکے ہیں اور سب تعلیم یافتہ مگر ایک بھی سرکاری ملازم نہیں ہے نہ کبھی کوئی پرمٹ لیا نہ کبھی کوئی لائسنس لیا نہ پلاٹ لیا نہ زمین لی" یہی وہ خصوصیت تھی جس نے مولانا مرحوم کے سیاسی عمل کو آج کل کی عام مروجہ سیاست سے ممتاز اور منفرد حیثیت کا حامل بنائے رکھا"

مسلکِ دیوبند کی وضاحت

عام طور پر ملکی سیاست میں حصہ لینے والے اور قید و بند کی صعوبتوں کو برداشت کرنے کو ہی لوگوں نے حقانیت کی علامت بلکہ علماءِ حق کے ساتھ نسبت کو اسی میں منحصر سمجھ لیا ہے مولانا تھانوی مرحوم نے بھی قید و بند کی صعوبتوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا ہے مگر مولانا کے نزدیک مسلک حق کا تصور اس سے کہیں زیادہ وسیع ہے جیسا کہ مولانا مرحوم نے مسلک دیوبند کا تعارف کراتے ہوئے وضاحت فرمائی ہے، مولانا نے مفتی سیاح الدین صاحب کے نام اپنے مکتوبِ گرامی میں ارقام فرمایا ہے کہ"۔

"دراصل بعض کج فہموں کے نزدیک مسلک دیوبند کا تصور صرف سیاسی تحریکات اور سیاسی محاذ آرائی تک محدود ہے، علم و بصیرت زہد و ورع اور تدین سے ان کا ذہن خالی ہے جو دراصل مسلک دیوبند کی روح ہے اور جس کا نمونہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ تھے، حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی خصوصیات کو نکال کر دیوبندی مسلک کا کوئی تصور میرے ذہن

میں نہیں ہے"۔

"مولانا تھانوی مرحوم کے نزدیک سیاسیات میں اختلاف مسلک اور تحریکات میں شرکت یا عدم شرکت مسلک دیوبند کی روح علم بصیرت زہدورع اور تدین ہے اس لئیے اصل روح میں شرکت کے ہوتے ہوئے حرف سیاسیات میں اختلاف مسلک دیوبند سے انحراف کا موجب نہیں بن سکتا۔

مولانا احتشام الحق صاحبؒ فرماتے ہیں کہ"

"حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہ نے سیاسی تحریکات میں عملی حصہ لیا اور قید و بند کی صعوبتیں بھی بڑی اولوالعزمی کے ساتھ برداشت فرمالیں مگر حضر حکیم الامت تھانوی قدس سرہ نے ان تحریکات میں نہ صرف یہ عملی حصہ نہیں لیا بلکہ اصل مقصد میں اتفاق کے ساتھ طریق کار سے اختلاف کا اعلان بھی کیا اس کے باوجود نہ صرف یہ کہ حضرت شیخ الہند نے اور نہ ہی بعد میں کسی دوسرے بزرگ نے حضرت حکیم الامت کو مسلک دیوبند سے منحرف قرار نہیں دیا بلکہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے علم و بصیرت زہد و تقویٰ اور آں موصوف کی علمی ظاہری اور باطنی خدمات کا تمام اکابر دیوبند نے برملا اعتراف بھی کیا اور آج تک اسی طرح اعتراف کیا جارہا ہے، اس سے بڑھ کر یہ کہ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ کی عظیم الشان علمی و روحانی خدمات کے سبب دارالعلوم دیوبند کی عظمت کو چار چاند لگ گئے اور یہ علمی اور روحانی خدمات سرمایہ، سرفرزندی اور موجب افتخار بنی ہوئی ہیں"۔ (تذکرہ خطیب الامت ۲۴۲ ص)

مولانا تھانوی مرحوم نے ایک جگہ ارشاد فرمایا کہ"

"ہم نے حضرت حکیم الامت تھانویؒ اور شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کا دامن پکڑا تھا الحمد للہ ابھی تک نہیں چھوڑا، اور اسی مسلکِ دیوبند پر قائم ہیں جس پر ہمارے یہ اکابر قائم تھے، الحمدللہ ہم نے مسلک دیوبند پر سودے بازی یا اکابر علماء دیوبند کے نام پر استخواں فروشی کبھی نہیں کی"۔

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں کہ"

"مولانا تھانویؒ نظریہ، پاکستان اور دو قومی نظریے کے زبردست منادتھے وہ کٹر پاکستانی تھے اور اس معاملے میں انھوں نے کبھی کسی مداہنت یا مصلحت کو گوارا نہیں کیا انھوں نے شرعی احکام کی تشریح کے سلسلے میں بھی ہمیشہ تصلب کا مظاہرہ فرمایا اور شریعت میں تحریف و ترمیم کی کسی کوشش و سازش کو قبول نہیں کیا اور ہمیشہ پر باطل تحریکات کاڈٹ کر مقابلہ کیا ساری عمر اپنے مسلک و مشرب پر سختی سے قائم رہے اور مسلک دیوبند پر سودے بازی یا اکابر علماء دیوبند کے نام پر استخواں فروشی کا کوئی داغ اُن کے دامن پر نہیں ہے، مولانا تھانویؒ مرحوم اور مفتی محمود صاحب مرحوم میں گو

سیاسی اختلاف رہے ہیں مگر مسلک دیوبند پر دونوں حضرات سختی سے قائم تھے ایک روز مفتی صاحبؒ نے فرمایا کہ مولانا احتشام الحق صاحبؒ سے ہمیں سیاسی معاملات میں بہت اختلاف رہا ہے لیکن ان کی اس بات کی ہمیشہ قدر رہی ہے کہ انھوں نے کبھی کسی رعب یا لالچ میں آکر دینی مسائل کے بارے میں کوئی مصالحت نہیں کی اور کسی حکومت کے ساتھ خواہ کتنا ہی اُن کا اشتراکِ عمل رہا ہو لیکن جب کبھی کسی دینی مسئلے کا سوال آیا انھوں نے کبھی مداہنت سے کام نہیں لیا۔ عائلی کمیشن میں وہ تنِ تنہا تھے لیکن اُنھوں نے وہ اختلافی نوٹ لکھا جو مشہور و معروف ہے اور الحمد للہ علماء دیوبند کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ دینی مسائل میں پختہ ہوتے ہیں اور مولانا تھانوی مرحوم اپنے مسلکِ حقہ پر سختی سے کاربند تھے"۔

پاکستان میں بعض اہم دینی و تبلیغی اجتماعات

علماء حق کے ذمہ اصل کام دینی رہنمائی اور ہدایت کا ہے اس لئے ملکی حالات و سیاسیات میں بھی مسلمانوں کی رہبری اور رہنمائی کرنا اور اُن کیلئے صحیح راہِ عمل تجویز کرنا ان کے فرائض منصبی میں شامل ہے، اور العلماء ورثۃ الانبیاء ان کا اصل منصب ہے چنانچہ حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی مرحوم نے بھی ایک عالم دین اور مرکزی جمعیت علماء اسلام کے قائد ہونے کی حیثیت سے بڑی حسن و خوبی کے ساتھ یہ فرض ادا فرمایا۔ اور تحریک و تقریر کے ذریعے پاکستان میں تبلیغ اسلام کا پورا پورا حق ادا کیا۔ اپنی حیاتِ مبارکہ میں ہزاروں تبلیغی اجتماعات سے خطاب فرمایا اور لاکھوں مسلمانوں کی ظاہری و باطنی اصلاح فرمائی۔ ذیل میں بعض اہم دینی و تبلیغی جلسوں اور اجتماعات کا مختصراً ذکر کیا جاتا ہے جن میں مولانا تھانوی مرحوم نے اہم خطابات فرمائے تھے۔

جامعہ اشرفیہ لاہور میں مولانا کے خطابات

جامعہ اشرفیہ لاہور، پاکستان کی ممتاز دینی درسگاہ ہے اسکے بانی حضرت اقدس مولانا مفتی محمد حسن صاحب امرتسری قدس سرہ ہیں، قیام پاکستان کے بعد پاکستان کے دل لاہور میں جامعہ اشرفیہ کا قیام عمل میں لایا گیا دینی ادارہ لاہور کی معروف سڑک فیروز پور روڈ پر نہر کے کنارے تقریباً سولہ ایکڑ پر پھیلا ہوا ہے۔ بر لب سڑک جامعہ اشرفیہ کی بیرونی دیوار کے اُوپر پاکستان میں سنگ مرمر کا سب سے بڑا بورڈ جامعہ کی مسجد حسن کا بلند مینار اور جامعہ کی عمارت پر آنے جانے والے کے لئے جاذب نظر ہیں، اس جامعہ کی ابتداء انار کلی بازار کے ساتھ ایک متروکہ وقف عمارت میں ہوئی۔ جگہ کی تنگی کے باعث بانی جامعہ حضرت مفتی حسن صاحب نے ابتدائی کیفیت میں شہر کا سروے کیا اور مندرجہ بالا جگہ پر نظر انتخاب

پڑی، شہر کی حدود میں اتنے بڑے قطعہ کی خرید آسان کام نہ تھا جامعہ کے فنڈ میں معمولی رقم تھی لیکن حضرت مفتی صاحبؒ نے توکلاً علی اللہ جامعہ میں موجود رقم بطور پیشگی دے دی ایک ماہ کا وقفہ لیا مگر ان کے خلوص اور جذبہ تبلیغ و اشاعت دین کی بدولت خطیر رقم بغیر کسی خاص جدو جہد یا اپیل کے جمع ہو گئی، جامعہ اشرفیہ کیلئے خرید کردہ قطعہ زمین پر سب سے پہلے مسجد کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ لاہور میں بادشاہی مسجد کے بعد یہ سب سے بڑی مسجد ہے۔

مسجد میں تقریباً ایک لاکھ نمازی بیک وقت نماز پڑھ سکتے ہیں، بنیاد مسجد اور جامعہ کے سنگ بنیاد کے وقت ملک بھر کے ممتاز اکابر علماء نے شرکت کی ان میں بانی جامع حضرت مفتی محمد حسن امرتسریؒ، حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ، حضرت مولانا رسول خان ہزارویؒ، حضرت مفتی محمد شفیع دیو بندیؒ، حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، حضرت مولانا جلیل احمد شروانی، حضرت مولانا سید داؤد غزنویؒ، حضرت مولانا مسیح اللہ خان، شروانیؒ، حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ، حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی اور سردار عبدالرب نشتر گورنر پنجاب وغیرہ شامل ہیں۔ جامعہ اشرفیہ میں ملک اور بیرون ممالک کے ہزاروں طلبانِ علم نے سند الفراغ حاصل کی ہے اور دین اسلام کی خدمت میں معروف ہیں۔

جامعہ اشرفیہ کے بانی حضرت مولانا مفتی حسن امرتسریؒ کو حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ سے بڑی محبت تھی جامعہ اشرفیہ کے سالانہ جلسوں میں حضرت مولانا تھانویؒ باقاعدگی سے شریک ہوتے تھے اور جامعہ اشرفیہ کی سٹیج پر مولانا تھانوی مرحوم کا علماء کے اجتماع میں ایک اہم خطاب ہوتا تھا مولانا تھانویؒ جامعہ اشرفیہ کی مجلس شوریٰ کے معزز رکن اور بانیٔ جامعہ کے خصوصی مشیر بھی تھے اکثر و بیشتر حضرت مفتی صاحب مولانا تھانویؒ مرحوم سے دینی و عملی اور قومی و ملکی مسائل میں مشورہ لیتے رہتے تھے۔ جامعہ اشرفیہ لاہور مولانا تھانویؒ کا ایک اہم دینی و تبلیغی مرکز تھا جہاں تقریباً ہر سال جلسہ تقسیم اسناد کے مواقع پر مولانا تھانوی مرحوم کے اہم علمی و تبلیغی موضوعات پر خطابات ہوتے تھے۔ کسی لادینی تحریکات کے زمانہ میں مولانا جب بھی پنجاب کا دورہ فرماتے تھے تو قیام اکثر جامعہ اشرفیہ میں ہی ہوتا تھا۔ ۱۹۷۰ء میں سوشلزم کے خلاف تحریک کے دوران میں جامعہ اشرفیہ لاہور مرکزی جمعیت علماء اسلام پاکستان کا صدر دفتر تھا اور مولانا تھانوی مرحوم کے متعدد خطابات لاہور شہر کے دوسرے مقامات کے علاوہ جامعہ میں بھی ہوئے۔ ۶ اکتوبر ۱۹۷۰ء کو جامعہ اشرفیہ لاہور میں مرکزی جمعیت علماء اسلام و نظام اسلام پارٹی کے عہدیداروں کے انتخاب کیلئے مجلس شوریٰ کا جو اجلاس قائدِ مرکزی جمعیت مولانا تھانویؒ کی زیر صدارت ہوا تھا وہ منظر آج تک نہیں بھلایا جاسکا قابلِ دید منظر تھا جس میں

صوبہ پنجاب کے ممتاز علماء شریک تھے ان میں حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی، حضرت مولانا سید عنایت اللہ بخاری، حضرت مولانا قاضی شمس الدین صاحب مہتمم جامعہ صدیقیہ گوجرانوالہ، مولانا فردوس علی شاہ صاحب قصوری حضرت مولانا عبید اللہ مہتمم جامعہ اشرفیہ، حضرت مولانا صاحبزادہ عبدالرحمن اشرفی، مفتی عبدالحمید لدھیانوی، مفتی عبدالشکور ترمذی، مولانا عبدالرشید ربانی مولانا حکیم محمود احمد ظفر، مولانا ضیاء القادری، مولانا ابوالحسن قاسمی، اور مولانا قاضی عبید اللہ ڈیروی وغیرہ قابل ذکر ہیں، عہدیداران کے انتخابات سے قبل مولانا تھانوی کا خطاب ہوا جو ایک اہم تاریخی حیثیت کا تھا۔

جامعہ خیرالمدارس ملتان میں اہم تقاریر

جامعہ خیرالمدارس ملتان کا شمار پاکستان کے مرکزی دینی مدارس میں ہوتا ہے اس کے بانی حضرت مولانا خیر محمد جالندھری تھے جو حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے اجل خلفاء میں سے تھے۔ حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ کے حضرت مولانا خیر محمد صاحب سے بڑے گہرے تعلقات تھے اور یہ دونوں حضرات ایک دوسرے کا بے حد احترام و اکرام فرماتے تھے، حضرات مولانا تھانوی مرحوم جامعہ خیرالمدارس ملتان کی مجلسِ شوریٰ کے صدر نشین تھے، مولانا مرحوم جامعہ کے سالانہ جلسوں میں تشریف لاتے تھے اور بڑی شان و شوکت سے جامعہ کے سٹیج پر مولانا کا علمی خطاب ہوتا تھا، آپ نے خیر المدارس میں سینکڑوں بار تقاریر فرمائی تھیں جن سے عوام الناس کو بے حد فائدہ پہنچا تھا۔ جامعہ خیر المدارس میں ہونے والی ایک اہم علمی تقریر کے چند اقتباسات ملاحظ فرمائیے۔

خطبۂ مسنونہ کے بعد مولانا تھانوی مرحوم نے قرآن کریم کی تعلیمات کے موضوع پر ایک ایمان افروز تقریر میں معزز حاضرین سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا"۔

"میں مدرسہ عربیہ خیرالمدارس کے نام سے اُس وقت سے آشنا ہوں جب میں جامعہ قاسمیہ دارلعلوم دیوبند میں ایک ابتدائی معلم تھا، دیوبند سے فراغت کے بعد ایک مرتبہ جالندھر میں بھی مدرسہ کو دیکھنے کا اتفاق ہوا، اور اب تو تقریباً مدرسہ کے سالانہ جلسوں میں ہر سال ہی حاضری کا موقع حق تعالیٰ عطا فرما دیتے ہیں اور حضرت مولانا حضرت مولانا خیر محمد صاحب مدظلہ کی زیارت بھی نصیب ہوتی رہتی ہے۔ اس مدرسہ کے ابتدائی حالات سے ہی اندازہ تھا کہ کسی روز یہ درسگاہ علم دین کا مرکز اور ایک دینی یونیورسٹی بن جائیگی چنانچہ کامل ۱۸ سال تک یہ مدرسہ جالندھر شہر میں علم دین کی بے مثال خدمات انجام دیتا رہا اور اس قلیل مدت میں بہت سے فضلا، خطیب، مفتی، مدرسین اور قراء پیدا کئے اور درسگاہ نے ایک امتیازی مقام پیدا کر لیا۔ ۱۹۴۷ء میں تقسیم ملک کے بعد اس درسگاہ کو بھی نقل مکانی کرنا پڑی بلکہ مدرسہ کے تمام اثاثہ کے لٹ جانے کی وجہ سے تقسیم ملک کے بعد از سرِ نو زندگی کو

شروع کرنا پڑا اور ملتان میں اس درسگاہ کی نشاۃِ ثانیہ ہوئی، اُس وقت بجز حضرت مولانا خیر محمد صاحب کی ہمت و حوصلہ کے اور کوئی سرمایہ موجود نہ تھا، کچھ روز کے بعد اس درسگاہ نے پھر ایک عربی مدرسہ کی حیثیت اختیار کر لی اور چار پانچ سال کے عرصہ میں علم حدیث کی ایک امتیازی اور مرکزی درسگاہ بن گئی جس میں پنجاب کے علاوہ صوبہ سرحد، بلوچستان، مکران، افغانستان اور بنگال و برما کے طلبار کثیر تعداد میں آنے لگے اور علم دین کے اس نایاب چشمہ سے سیراب ہو کر اطراف ملک میں پھیل گئے، حضرت مولانا مہتمم صاحب مدظلہم نے بدلتے ہوئے حالات کا صحیح جائزہ لے کر نہ صرف یہ کہ خیرالمدارس کے اندر رفتار و تبلیغ وغیرہ کے شعبے بڑھا دیئے ہیں بلکہ شہر کے چھوٹے بچوں کیلئے ایک پرائمری مدرسہ بھی قائم فرمایا ہے، الحمد اللہ یہ عربی مدرسہ علوم دینیہ کی صرف ایک مرکزی درسگاہ نہیں ہے بلکہ پاکستان میں ایک دینی و مذہبی علوم کی بڑی یونیورسٹی ہے۔ جس کے تحت ابتدائی تعلیم سے لیکر درجہ تکمیل تک کے تمام علوم بھی پڑھائے جاتے ہیں اور بہت سی درسگاہ ہیں اسکی نگرانی میں مصروفِ کار ہیں۔ اس غیر معمولی ترقی کے باوجود خیر المدارس کے ابھی بہت سے عزائم تشنۂ تکمیل ہیں اور جو کثیر رقم اور امداد کے بغیر پورے نہیں کئے جاسکتے اسلئے میں تمام مسلمانوں سے خصوصاً احباب و متعلقین سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ مدرسہ کی سرپرستی فرمائیں مدرسہ کی ترقی کیلئے جدوجہد تیز کریں کیونکہ موجودہ دور میں اسلام کی اشاعت و ترویج کیلئے ان دینی مدارس کی خدمات ناقابل فراموش ہیں، جب انگریزوں نے برصغیر پر غاصبانہ قبضہ کے بعد مسلمانوں کی تہذیب اور ثقافت کو مٹانے کیلئے بہت سے ہتھکنڈے اور حربے استعمال کئے، مسلمان علمار کو انسانیت سوز مظالم کا نشان بنایا گیا ان پر طرح طرح کے ظلم وستم روا رکھے گئے۔ مگر علمار کرام نے اسلام اور مسلمانوں کی ترقی کیلئے بڑی قربانی دی اور ان کے مفادات کے تحفظ کو اپنا نصب العین بنایا اور جب انگریز نے دیکھا کہ علمار کرام کی سامراجی سلطنت کے راستے میں بہت بڑی رکاوٹ بن گئے ہیں تو انگریزوں نے علمار اور مدارس اسلامیہ کے خلاف کاروائی شروع کردی لیکن عام مسلمانوں نے عربی مدارس کا ساتھ دیا اور ہر طرح کی قربانی دے کر ان مدارس کو چلانے میں علمار کی مدد کی اور آج اسلام کی جو رونق نظر آرہی ہے وہ ان مدارس کی بدولت ہے اس لئے ضروری ہے کہ ان مدارس کو مستحکم بنیادوں پر قائم رکھا جائے اور قرآنی تعلیمات کو عام کرنے میں دلچسپی لیں اور قرآنی تعلیمات پر عمل کریں کیونکہ اسکے بغیر دنیا اور دین کیفلاح ممکن نہیں ہے۔ اور ہمیں اللہ پاک کا شکر گزار ہونا چاہئیے کہ اللہ نے ہمیں وہ کتاب دی جس میں تمام مضامین کو بیان کردیا گیا ہے اور وہ مضامین بھی ایسے ہیں جنھیں دنیا کے سارے فلسفی بھی مل کر جھٹلا نہیں سکتے، قوانین کو لیا جائے تو تمام بنیادی قوانین قرآن حکیم میں موجود ہیں، اخلاقی مسائل کو لیا جائے تو تعلیمِ اخلاق کا سب سے بڑا

سرچشمہ قرآن کریم ہے اور اس قرآنی اخلاق کی حامل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی اُمت ہے، آج جو لوگ اخلاق کی تعلیم دینے کے دعویدار ہیں وہ خود اخلاق کے معنی سے بھی واقف نہیں ہیں۔ فلسفہ، یورپ میں صرف باتیں ہی باتیں ہیں عملاً کچھ بھی نہیں ہیں۔

اس کے برعکس قرآن کو ماننے اور پڑھنے والے اخلاقی قدروں کے سچے علمبردار ہیں، گفتگو کے آداب، کلام کی باریکیاں، بڑوں کا ادب، چھوٹوں پر شفقت، انسانیت کی عزت و احترام، نفسِ انسان کی عظمت و مرتبت، کون سی بات ہے جو قرآن حکیم نے نہ سکھائی ہو، صحابہ کرامؓ، تابعین اور تبع تابعین تو خیر قرآنی اخلاق کے زندہ نمونہ تھے ہی، آج سے سو سال پہلے تک مسلمانوں میں قرآنی اخلاق کا اتنا گہرا اثر تھا کہ بڑے بڑے رؤسا اپنے بچوں کو شریف اور دیندار خاندانوں میں تربیت کیلئے بھیجا کرتے تھے۔ نئی دہلی میں ایک بہت بڑے افسر تھے نہایت بلند اخلاق، منکر المزاج تہجد گزار، بڑے مہذب، بڑے شائستہ اور بڑی نرم طبیعت کے مالک تھے، اُنھیں دیکھ کر مجھے تعجب ہوتا تھا کہ اتنے بڑے افسر اور اس درجہ خاکساری لیکن ایک مرتبہ انھوں نے خود ہی بتایا کہ بچپن میں ان کے والدین نے انھیں حکیم اجمل خان مرحوم کے مکان پر چھوڑ دیا تھا کہ وہ اُن سے اخلاق کی عملی تربیت حاصل کریں چنانچہ ان میں حکیم صاحب کی ساری خوبیاں موجود تھیں۔ گویا قرآن بہترین معلمِ اخلاق ہے آداب مجلس ہی کو لیجیے، ارشاد ہوتا ہے کہ:

"اے ایمان والو۔ اگر تمہاری مجلس مین کوئی آئے تو اس کے لئیے جگہ کر دو، اللہ تعالیٰ تمہارے لئے جنت میں جگہ کر دیگا" یہ اسلئے ارشاد ہوا کہ ہمیں کسی کو حقیر سمجھ کر مجلس میں نہ بٹھانے کی جرات نہ ہو، اسی طرح انسان اور انسانیت کا احترام قرآنِ حکیم میں اس حد تک سکھایا گیا ہے کہ اگر مجلس مین تین آدمی بیٹھے ہوں تو ان میں سے دو آدمیوں کے آپس میں سرگوشی بھی نہیں کرنی چاہیئے تاکہ تیسرے کو یہ گمان نہ گزرے کہ شاید اس کے خلاف کوئی بات کی جا رہی ہے گویا قرآن اور اسلام کو کسی کی اتنی بھی دل شکنی گوارہ نہیں ہے۔

قرآنی اخلاق سے آراستہ ہوکر ہی عرب کے شتربان تھوڑی ہی مدت میں دنیا کے سب سے بڑے حکمران بن گئے، دنیا کی کوئی کتاب اور کوئی تعلیم اتنی قلیل مدت میں اتنا بڑا انقلاب، اخلاقی انقلاب، برپا نہیں کر سکی، کہنے والے نے کیا خوب کہا ہے۔

درفشانی نے تیری قطروں کو دریا کر دیا | دل کو روشن کردیا آنکھوں کو بینا کر دیا
خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے | کیا نظر تھی جس نے مردوں کو بھی زندہ کردیا

۲۳ سال کی مدت قوموں کی زندگی میں ایک دقیقہ کا بھی درجہ نہیں رکھتی، بیروت کے

ایک عیسائی عالم نے اسی ہمہ گیر انقلاب کی بدولت قرآن کریم کی صداقت کو تسلیم کرتے ہوئے لکھا ہے کہ قرآن کا آسمانی کتاب ہونا برحق ہے اسلئے کہ انسان کی لکھی ہوئی کوئی کتاب کبھی اتنا ہمہ گیر اور دیرپا انقلاب ہرگز ہرگز برپا نہیں کر سکتی، جذبات کو اُبھارنے کی جتنی قوت قرآن کریم میں ہے اس کا کوئی تحریر مقابلہ ہی کیا کریگی، ایک بار جس نے قرآن کریم کے معنوں پر غور کرلیا اس کی دنیا ہی بدل گئی۔ ایک وقت تھا جب فضیل بن عیاض ڈاکو تھے اور ڈاکو بھی ایسے نامور کہ اعلان کر کے ڈاکہ ڈالا کرتے تھے ایک رات وہ اسی نیت سے مکانوں کی چھتوں سے گزر رہے تھے کہ ایک روزن سے انھیں کچھ آواز آئی، انھوں نے کان روزن سے لگا دیئے، گھر میں کوئی شخص قرآن پاک کی تلاوت کر رہا تھا، آیت کا مطلب تھا "کیا اب بھی وہ وقت نہیں آیا کہ تو اللہ کے قرآن کے آگے جھک جائے"۔

ان الفاظ میں کیا تاثیر تھی۔ تیر کی طرح فضیل کے دل میں اُتر گئے، ایک دم نعرہ مارہ، ہائے میرے اللہ۔ نہ صرف اُسی وقت اُنھوں نے چوری سے توبہ کرلی۔ بلکہ اپنی ایسی اخلاقی اصلاح کی آج اُن کا شمار صلحائے اُمت میں ہوتا ہے۔ امام اصمعی کا واقعہ ہے وہ جنگل سے گزر رہے تھے کہ ڈاکوؤں نے آن گھیرا اور ان کی تلاشی لینے لگے وہ ذرا نہ گھبرائے اور ڈاکوؤں سے پوچھا تم ایسا کیوں کرتے ہو، اللہ تعالیٰ نے تمہارا رزق آسمانوں میں مقرر کردیا ہے وہ تمہیں مل کر رہے گا، ڈاکو اس آیت کے سنتے ہی انھیں چھوڑ کر چلے گئے۔ تین سال کے بعد جب امام اصمعی خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے تو کوئی آکر فرطِ محبت سے ان سے لپٹ گیا وہ پہچان نہ سکے اس پر اس شخص نے بتایا آپ کو ڈاکوؤں کا وہ واقعہ یاد ہے۔ میں انھیں ڈاکوؤں میں سے ایک ہوں۔ یہ تھا قرآنی انقلاب اور قرآنی تعلیمات کا نتیجہ، لیکن ہماری حالت یہ ہے کہ الحمد للہ۔ پچھلے بیس سالوں میں ہمارے ہاں عظیم الشان مادی اور صنعتی ترقی ہوئی ہے تاہم یہ امر تکلیف دہ ہے کہ اخلاقی اور روحانی طور پر ہم پہلے سے بھی گر گئے ہیں، طرح طرح کی اخلاقی اور روحانی بیماریاں ہم میں گھر کر چکی ہیں، ان تمام بیماریوں کا واحد علاج یہی ہے کہ ہم قرآن کریم کا دامن مضبوطی سے تھام لیں اور قرآنی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر اپنے رب کو راضی کریں، اللہ تعالیٰ ہمیں نیک عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین"۔ (ہفت روزہ صوت الاسلام لاہور)

دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں خطاب

یہ تقریر دارالعلوم حقانیہ کوڑہ خٹک کے جلسہ، دستار بندی کی تیسری نشست میں ۷، ۸ اکتوبر ۱۹۶۷ء کی درمیانی شب کو ارشاد فرمائی تھی جس میں مولانا نے اپنے مخصوص انداز میں علماءِ حق کے مقام اور انکی ذمہ داریوں پر تنبیہ فرمائی تھی۔ یہ ایک مفصل تقریر تھی اس کے دو اقتباسات ملاحظہ

فرمائیے۔

خطبۂ مسنونہ کے بعد حضرت مولانا تھانوی مرحوم نے سورہ اعلیٰ کی تلاوت کے بعد ارشاد فرمایا کہ۔

"جناب صدر۔ حضرت علمار کرام اور معزز حاضرین جلسہ۔

آج پاکستان مشہور و معروف دینی درسگاہ دار لعلوم حقانیہ اور اسکے سالانہ جلسہ میں ہم اور آپ سب جمع ہیں اور یہ ہمارا اجتماع بڑا مبارک اجتماع ہے جس میں مختلف اطراف اور سمتوں سے فارغ التحصیل علمار بھی جمع ہیں اور اپنے اکابر اور بزرگ بھی نظر آتے ہیں۔ پاکستان میں ایسی دینی درسگاہیں دو چار ہی ہیں کہ جن میں اپنے وہ اکابر اور بزرگ نظر آتے ہیں جنھوں نے دارالعلوم دیوبند کے اندر اپنا وقت اور اپنی خدمات سرانجام دیں آج وہ بڑی کامیابی کے ساتھ ان دینی درسگاہوں کو چلا رہے ہیں اور بالخصوص پاکستان میں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا محمد شفیع صاحبؒ، حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، اور حضرت مولانا شمس الحق افغانی جیسے جلیل القدر علمار ہی دارالعلوم دیوبند کی طرز پر علمی دینی خدمات میں مصروف ہیں۔ پھر جب بھی میں اس علاقہ میں آتا ہوں تو میرے دل میں پہلے سے خیال ہوتا ہے کہ میں ایسے خطے میں جارہا ہوں جہاں اپنے اکابر سے تعلق رکھنے والی شخصیتیں اور بزرگ کافی تعداد میں نظر آئیں گے اور ان کی زیارت ہوگی چنانچہ ابھی ابھی ایک کافی عرصہ کے بعد حضرت مولانا عزیز گل صاحب کی زیارت ہوئی۔ جو ابھی یہاں تشریف رکھتے ہیں اور خاکساری و تواضع کی وجہ سے اصرار کے باوجود کرسی پر تشریف نہیں لائے ان کو دیکھ کر مجھے بڑی خوشی ہوئی۔ اسلیئے کہ یہ ان اکابر اور بزرگوں میں سے ہیں جنھوں نے حضرت شیخ الہند کے ساتھ رفیق کی حیثیت سے وقت گزار رہے اور ہر شخص ان کے چہرے کو دیکھ کر سمجھ سکتا ہے کہ کسی اللہ والے کے ساتھ ان کو رفاقت نصیب ہوئی ہے، یہاں ایک بات یاد آگئی کہ بزرگوں کی صحبت کا اثر کس قدر ہوتا ہے۔

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب تھانوی مہاجر مکیؒ نے حرمن پاک کے اندر کسی صاحب کو دیکھا اور بہت دیر تک ان کی طرف دیکھتے رہے یہاں تک کہ جب انھوں نے سلام کیا تو آپ اُٹھ کر وہاں تشریف لے گئے اور فرمایا آپ ہندوستان سے آئے ہیں؟ انھوں نے کہا جی ہاں۔ میں ہندوستان سے آیا ہوں، حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا، آپ کیا کسی اللہوالے سے بعیت ہیں؟ انھوں نے کہا کہ میں کسی بزرگ سے بعیت تو نہیں لیکن کوئی پندرہ سال کا زمانہ گزرا ہے کہ میری فلاں بزرگ سے ملاقات ہوئی تھی۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا، وہ جو پندرہ سال قبل صرف ایک مرتبہ ملاقات ہوئی

تھی اس کے اثرات اور اس کا نور اب تک آپکی پیشانی پر چمک رہا ہے، تو جنھوں نے بزرگ کے ساتھ رفیق کی حیثیت سے وقت گزارا ہے یقیناً ان کی ہر بات اور ہر ادا سے اور چہرے بُرے میں وہ نظر آتا ہے جو اپنے اکابر اور بزرگوں میں تھا۔ جہاں تک اس مدرسہ کا تعلق ہے جس جلسے میں آپ جمع ہیں یہ دراصل ڈیڑھ صدی پہلے جن اللہ والے بزرگوں نے دین کی خدمات کا سلسلہ شروع کیا تھا اس کی یہ ایک کڑی ہے اور یہ درسگاہ بھی اسی سے وابستہ ہے میری مراد ہے حضرت مولانا محمد قاسم ناتوی اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ جنھوں نے سب سے پہلے ہندوستان میں دینی مدرسوں کی بنیاد رکھی، ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد جب مسلمان مایوس ہوگئے کہ اب ہم شاید انگریز کو نکال نہ سکیں گے اور آخری کوشش وہ ہوئی ہے کہ جب حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ سید سالار کی حیثیت سے انگریزوں سے جنگ کرتے ہیں۔ حضرت مولانا گنگوہیؒ اور حضرت مولانا نوتویؒ بھی ساتھ ہیں اور ایک وہ بزرگ بھی ساتھ ہیں جن کا آپ نے سنا ہوگا؟ حضرت حافظ ضامن صاحب شہید، یہ بھی ساتھ تھے اور انگریزوں کا تعاقب کرتے ہوئے کافی دور تک دوسرے قصبے تک پہنچادیا، انگریز وہاں ایک تحصیل کی عمارت میں بند ہوگئے اور انھوں نے غالباً اس کی اطلاع کرائی کہ ان کو اور کوئی کمک پہنچ جائے۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے مشورہ کیا تھا کہ آج اس تحصیل پر حملہ کر کے ان انگریزوں کو یہاں سے ختم کرنا ہے حضرت ضامن شہید فرمانے لگے کہ حضرت۔ انشاء اللہ یہ تحصیل تو صبح تک فتح ہوجائیگی لیکن ہم نہیں رہیں گے سب سے پہلے جو حملہ کیا ہے تو گولی لگی حضرت حافظ صاحبؒ کو اور وہ وہیں گر گئے اور شہید ہوئے یہی وہ بزرگ ہیں جن کے بارے میں۔ میں نے حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ سے سنا ہے کہ کوئی شخص ان کی قبر پر فاتحہ پڑھنے گیا تو آواز آئی کہ جا کسی مُردے کی قبر پر فاتحہ پڑھ۔ یہ تھی ہمارے اکابر کی مساعی دین کی حفاظت کیلئے۔

حضرت مولانا نوتوی" اور ان حضرات نے یہ طے کیا کہ اب اس ملک میں مسلمان غلام کی حیثیت سے زندگی گزاریں گے، فاتح قوم کی طرف سے جو جو طریقے اختیار کئے جائیں گے اس میں اندیشہ ہے کہ مسلمان اپنے دین اپنے عقائد اور اپنی روایات کی حفاظت نہیں کر سکیں گے لہذا یہ طے کیا کہ ایک ایسی درسگاہ بنائی جائے جس سے ایسے افراد پیدا ہوں جو پیٹ سے پتھر باندھ کر مسلمانوں کے عقائد افکار اور ان کے مستقبل اور دین کی حفاظت کریں۔ یہ علماء کی کوششیں اور تقریباً ڈیڑھ صدی کی تاریخ بتلا رہی ہے کہ ان لوگوں نے بڑی بڑی تکلیفیں اور مشقتیں اُٹھائیں اور آج تک ہندو پاکستان کے مسلمانوں کی جس طرح انھوں نے دین کی حفاظت کی، اس سے اندازہ لگتا ہے کہ سارے ممالک اسلامی میں پھر جائیے آپ کو اتنا دین نہیں ملے گا جتنا ہندوستان اور پاکستان کے مسلمانوں میں نظر آرہا

ہے، یہ انہی علماء حق کی بدولت ہے جنھوں نے بوریوں اور چٹائیوں پر بیٹھ کر علم دین کی حفاظت کی ہے۔" (الحق دسمبر ۶۷ء)

دارالعلوم ٹنڈوالہ یار میں علماء کانفرنس

قیام پاکستان کے بعد پہلا دارالخلافہ کراچی تھا اسلیئے مولانا تھانوی مرحوم نے کراچی ہی کو اپنا دعوت و تبلیغ کا مرکز بنایا تھا۔ کراچی میں جیکب لائنز میں ایک عظیم الشان وسیع و عریض جامع مسجد کی تعمیر کی اور ٹنڈوالہ یار میں دارلعلوم الاسلامیہ قائم کیا جہاں ہزاروں طالب علم اقامت پذیر ہوکر درسِ نظامی کے تحت تمام علوم اسلامیہ کی تعلیم پاتے رہے ہیں اور ہزاروں یہاں سے فارغ التحصیل ہوکر دینی و علمی اور تبلیغی خدمات میں مصروف ہیں، سابق صدر جنرل محمد ایوب خان مرحوم کے دورِ حکومت میں اس دارالعلوم ٹنڈوالہ یار میں مولانا تھانوی مرحوم نے ایک جلسہ تقسیم اسناد رکھا تھا اور اس کا اہتمام خود مولانا موصوف نے فرمایا تھا جس میں صدر پاکستان کے علاوہ سینکڑوں علماء اور زعماء ملت شریک ہوئے تھے۔ لاہور سے شیخ الحدیث مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی، مولانا سید داؤد غزنویؒ اور مولانا عبدالحلیم قاسمی وغیرہ ممتاز علماء شریک جلسہ تھے، راولپنڈی سے مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ، ملتان سے مولانا خیر محمد جالندھریؒ اور مولانا محمد علی جالندھریؒ، کراچی سے مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ، مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ، اور مفتی رشید احمد لدھیانوی اور دیگر علماء کرام ٹنڈوالہ یار علماء کانفرنس میں تشریف لے گئے تھے۔ حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ نے بڑے وسیع پیمانے پر اِس عظیم الشان کانفرنس کا انتظام فرمایا تھا، دارالعوم کی مسند حدیث پر اسوقت شیخ الاسلام مولانا ظفر احمد عثمانیؒ فائز تھے اور دیگر اساتذہ میں مولانا محمد مالک کاندھلویؒ، مولانا مفتی محمد وجیہ اور مولانا اشفاق الرحمن صاحبؒ، جیسے جید علماء شامل تھے۔ سندھ، پنجاب، سرحد، بلوچستان اور مشرقی پاکستان سے کثیر تعداد میں علماء کرام اور مشائخ عظام شریک جلسہ تھے یہ سب مولانا تھانوی مرحوم کے خلوص، حسنِ تدبر اور اثر و رسوخ کا نتیجہ تھا کہ اتنی عظیم الشان کانفرنس کا اہتمام کیا گیا تھا، کانفرنس کے افتتاحی اجلاس میں مولانا تھانوی مرحوم نے زبردست خطبہ استقبالیہ پیش کیا جس سے ایوب خان جیسے آمر بھی بے حد متاثر ہوئے، اور علماء کو اپنے تعاون کا یقین دلایا"

دارالعلوم کراچی میں تعزیتی خطاب

دارالعوم کراچی، مفتی اعظم پاکستان حضرت اقدس مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی ایک عظیم علمی و دینی درسگاہ ہے، جسکے موجودہ مہتمم حضرت مفتی محمد رفیع عثمانی ہیں یہ دارلعلوم کراچی پاکستان میں ثانی دارلعلوم دیوبند ہے اور حضرت مفتی اعظم کی عظیم یادگار ہے۔ ۶ اکتوبر ۱۹۷۶ء میں جب حضرت مفتی اعظم کا سانحہ ارتحال پیش آیا تو حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی مرحوم بھی دارلعلوم تشریف لائے حضرت مفتی اعظم کی رحلت پر مولانا مرحوم پھوٹ پھوٹ کر رودئے تھے، چونکہ مولانا تھانوی مرحوم کو حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ سے ایک خاص تعلق تھا۔ نماز جنازہ سے قبل دارلعلوم کراچی میں لاکھوں کے اجتماع سے مولانا تھانوی مرحوم نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ"۔

"حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ صرف عوام ہی کے رہنما نہیں تھے بلکہ علماء کیلئے بھی رہنمائی کی حیثیت رکھتے تھے اپنے مسائل اور معاملات کے بارے میں محض عوام ہی اُن سے رجوع نہیں کیا کرتے تھے بلکہ علماء کرام بھی اپنی مشکلات اور مسائل ان کی خدمات میں پیش کر کے رہنمائی حاصل کیا کرتے تھے اور حقیقت یہ ہے کہ حضرت مفتی اعظم کے وفات پاجانے سے تمام علماء کرام یتیم ہوگئے ہیں، علمی حلقوں کا زبردست نقصان ہوا ہے، جس کی تلافی نہیں۔ حضرت مفتی اعظمؒ نے تحریک پاکستان میں جو شاندار اور نمایاں خدمات انجام دیں انھیں تاریخ کبھی فراموش نہیں کرے گی پھر اُنھوں نے پچاس سال تک مسلسل دینی خدمات انجام دیں اور پیرانہ سالی میں بھی رہنمائی کا فریضہ بڑی ہمت کے ساتھ انجام دیتے رہے انھوں نے ملت اور دین کی جو خدمات انجام دی ہیں حق تعالیٰ اُن کا اجر عطا فرمائیں گے"۔ (ماخوذ روزنامہ جنگ کراچی)

دوروزہ شریعت کانفرنس ملتان

کل پاکستان مرکزی جمعیتِ علماء اسلام نظام اسلام پارٹی کے زیر اہتمام ۱۸،۱۷ ستمبر ۱۹۷۰ء بروز جمعرات و جمعتہ المبارک قاسم باغ ملتان میں عظیم الشان دو روزہ شریعت کانفرنس منعقد ہوئی جس میں اکابر علماء کرام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ صدر مرکزی جمعیت علماء اسلام پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ مفتیٔ اعظم پاکستان، حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور، حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی، حضرت مولانا رسول خان صاحب ہزارویؒ، حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ، حضرت مولانا متین خطیبؒ، حضرت مولانا عنایت اللہ شاہ بخاری، حضرت مولانا محمد احمد تھانویؒ، حضرت مولانا محمد مالک کاندھلویؒ، حضرت مولانا قاضی شمس الدین صاحبؒ آف گوجرانوالہ، مولانا صاحبزادہ عبدالرحمن اشرفی، مولانا سید بادشاہ گل بخاری، مولانا عبدالرشید بالی، مولانا قاری عبدالحیات فیصل آبادی اور مولانا قاری عبدالخالق صاحب آف سندھ اور دیگر مقتدر علماء و مشائخ نظام نے شرکت فرمائی۔ پروگرام کے مطابق قاسم باغ ملتان میں عام اجتماعات ہوئے۔ ۷ ستمبر کو ۲/۱ ۸ بجے اکابر کا ہوائی اڈہ پر فقید المثال استقبال کیا گیا اور انھیں جلوس کی صورت میں قیامگاہ تک لایا گیا۔ ملتان شہر میں یہ ایک اہم تاریخی علمی و تبلیغی کانفرنس تھی جس کی نظیر نہیں ملتی۔ شیخ الاسلام سیدنا ظفر عثمانیؒ کی صدارت میں مولانا احتشام الحق تھانویؒ کا تاریخی خطاب ہمیشہ یاد رہیگا"۔

کراچی میں شیخ الاسلام پاکستان کانفرنس

پاکستان نیشنل سنٹر کراچی کے زیر اہتمام شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثمانی رحمتہ اللہ علیہ کی یاد میں ایک عظیم الشان کانفرنس منعقد کی گئی جس میں خطیب الامت حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانویؒ۔ مولانا محمد متین خطیبؒ، علامہ نصیر الاجتہادی، مولانا قاری زاہر قاسمی، مولانا حسن مثنیٰ ندوی، مولانا زبیر افضل عثمانی، مولانا قیوم کانپوری، جناب حسین امام اور جسٹس ایم بی احمد نے شیخ الاسلام علامہ عثمانی کی زندگی پر روشنی ڈالی اور اسلام کی سربلندی اور قیام پاکستان کیلئے علامہ کی خدمات پر انھیں خراج عقیدت پیش کیا۔ مولانا تھانوی مرحوم نے اپنی تقریر میں کہا کہ مولانا علامہ شبیر احمد عثمانی پاکستان میں خدا اور رسول کے قوانین کی حکمرانی چاہتے تھے اور پاکستان کو دنیا میں سربلند دیکھنا چاہتے تھے۔ انھوں نے کہا کہ آج ہم جس دور سے گزر رہے ہیں اس میں ضروری ہے کہ اکابرین کے اعمال و افعال کو اپنایا جائے۔ مولانا نے کہا کہ پاکستان کے خلاف جمعیت علماء ہند اور کانگریس نے جو سازشیں کی تھیں علامہ عثمانی نے ان کا منہ توڑ جواب دیا تھا اور اب پاکستان میں پاکستان کے خلاف ہونیوالی

سازشوں کو بھی علامہ عثمانی کے رضا کار ہی ختم کر کے دم لیں گے، اُنھوں نے کہا کہ اس ملک میں علماء نہیں بلکہ علماء کے نام پر چلائی جانیوالی قیادتیں ناکام ہوئی ہیں۔ علامہ عثمانیؒ کے بھتیجے مولانا زبیر افضل عثمانی نے کہا کہ علامہ کے تین کارنامے قوم کو ہمیشہ یاد رہیں گے۔ وہ یہ کہ انھوں نے سرحد میں ریفرنڈم کرا کے اسے پاکستان میں شامل کرایا نیز کشمیر کا جہاد اور قرارداد مقاصد بھی اُن ہی کا کارنامہ ہیں، اور علامہ عثمانی پاکستان کے معمارِ ثانی تھے اُن کا نام ہمیشہ زندہ رہیگا"۔ (روزنامہ حریت کراچی)

مجلس صیانۃ المسلمین کے سالانہ اجتماعات

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کو حق تعالیٰ نے حکیم الامت اور مصلح امت بنایا تھا آپ کو ہر وقت اُمتِ مُسلمہ کی اصلاح و فلاح اور غلبہ کی فکر دامن گیر تھی۔ اسی کی تدبیریں ہر وقت ذہن و دماغ پر مسلط رہتی تھیں اور فرماتے تھے کہ مسلمانوں کی موجودہ حالت اور اس کے نتائج کا تصور اگر کھانے سے پہلے آجاتا ہے تو بھوک پہلے سے اُڑ جاتی ہے اور اگر سونے سے پہلے آجاتا ہے تو نیند اُڑ جاتی ہے"۔

عام اجتماعات اور خصوصی مجالس حضرت حکیم الامت کے اس درد سے لبریز ہوتی تھیں۔ مدارس کے علماء کو اپنے فارغ اوقات میں اصلاح و تبلیغ کی طرف متوجہ کرنے کیلئے حضرت نے ایک نظام مرتب فرمایا جس کا نام تعلیم المسلمین رکھا جس سے علماء کو یہ احساس دلایا کہ اپنے اوقات کا اکثر حصہ ان طلباء کیلئے وقف کیجئے جو دین سیکھنے کیلئے چل کر آپ کے پاس آرہے ہیں مگر کچھ وقت ان مسلمانوں کیلئے بھی وقف کیجئے جو آپ کے پاس چل کر نہیں آتے بلکہ آپ اُن کے پاس چل کر جائیے اور ان کو دین سکھائیے یہ بھی سُنت طریقہ ہے۔ آپ نے مسلمانوں کو اصلاح و تربیت کے دینی پلیٹ فارم پر مربوط کرنے کیلئے بار بار تاکید فرمائی اور پھر احکام شرعیہ کے موافق تنظیم کا آئینی ڈھانچہ نظام صیانۃ المسلمین کے نام سے ۱۹۳۰ء میں تحریر فرمایا جسے قوم کے دیندار اور سمجھدار طبقہ نے ہاتھوں ہاتھ لیا اور اس نظام صیانۃ المسلمین کو اپنے اپنے علاقوں میں جاری کیا، حضرت حکیم الامتؒ کی رحلت کے بعد اس اصلاحی نظام کو چلانے اور آگے بڑھانے کا بیڑہ حضرت کے خلیفہ خاص حضرت مولانا شاہ جلیل احمد صاحب شیروانی رحمۃ اللہ علیہ نے اُٹھایا اور ۱۹۴۳ء سے قیام پاکستان تک اپنی نگرانی میں اسکو علی گڑھ شہر میں قائم کیا اور جگہ جگہ مجلس صیانۃ المسلمین کے نام سے شاخیں قائم کیں، قیام پاکستان کے بعد حضرتِ اقدس مولانا مفتی محمد حسن صاحب امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کی زیرِ نگرانی لاہور میں مجلس صیانۃ المسلمین کا کام شروع کیا گیا حضرت مولانا جلیل احمد صاحبؒ شروانی نے مجلس

کیلئے دن رات کام کیا اور جب تک حیات رہے اس وقت تک اسی کی اشاعت میں مصروف رہے، جب ہمت نے جواب دیدیا تو رفقاء کار میں سے مولانا سید نجم الحسن تھانویؒ کو مجلس کی خدمات پر مامور فرمایا۔ جنھوں نے حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے اکابر خلفاء حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ، حضرت مولانا خیر صاحبؒ، حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحبؒ اور حضرت مولانا فقیر محمد صاحبؒ اور دیگر اکابر علماء کی سرپرستی میں مجلس نے بہت بڑا کام کیا۔ خطیب الامت حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ بھی ان دوسرے اکابر علماء کے ہمراہ مجلس سے وابستہ رہے اور اسکے سالانہ اجتماعات میں شرکت فرماتے رہے ان کے علاوہ وہ کراچی سے پشاور تک بڑے بڑے مبارک مدارس کے ارباب علم و تقویٰ اور عمائدین قوم اِس مجلس کے رکن شوریٰ رہے ہیں۔ اور آج بھی شیخ الحدیث مولانا محمد مالک کاندھلوی، جسٹس علامہ محمد تقی عثمانی، فقیہہ العصر حضرت مفتی جمیل احمد تھانوی، حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی، حضرت مولانا سلیم اللہ خان، مولانا عبیداللہ صاحب، مولانا صاحبزادہ عبدالرحمن صاحب، مولانا مشرف علی تھانوی صاحب اور مولانا نذیر احمد فیصل آبادی جیسے علماء مجلس صیانۃ المسلمین پاکستان کے رکن شوریٰ ہیں اور الحمد للہ ملک کے گوشہ گوشہ میں مجلس کا کام جاری ہے۔ (تعارف مجلس مطبوعہ لاہور)

نشتر پارک کراچی میں عیدین کے اجتماعات

خطیب الامت حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمتہ اللہ علیہ برعظیم پاک و ہند کے ایک ممتاز عالم دین اور شہرہ آفاق خطیب تھے اُن کا سحر آفرین اندازِ خطابت لاکھوں دلوں پر ہمیشہ نقش رہے گا اور ان کی گرانقدر بے مثال دینی، تبلیغی، علمی اور سیاسی خدمات ہمیشہ عالمِ اسلام کے سامنے رہیں گی، زندگی میں اُنھوں نے بے شمار جلسوں، مجلسوں، صحبتوں اور درسگاہوں میں مسلمانوں کو کس قدر اسرارِ شریعت سنائے اور سکھائے، کس قدر حقائق و معارف سے ملتِ اسلامیہ کو آگاہ کیا، کتنوں کے قلوب کا تزکیہ و تطہیر فرمائی، کتنے افراد کو جہل کی تاریکیوں سے نکال کر علم و دانش کا نور عطا کیا، کتنے گمراہ افراد کو ہدایت اور رشد و فلاح کی عظیم سعادتوں سے ہمکنار بنایا، کتنے لوگوں کے اذہان و قلوب کے شکوک داوہام زائل کر کے صراط مستقیم پر اُن کے قدم مضبوطی سے جمادیئے اسکا اندازہ لگانا بہت ہی مشکل کام ہے۔ مولانا حافظ نذیر احمد فرماتے ہیں کہ " ۔ مولانا تھانوی رحمتہ اللہ علیہ کی حیاتِ طیبہ کا سارا وقت دین کی تبلیغ و اشاعت میں صرف ہوا۔ نئی دہلی میں اُنھوں نے تبلیغِ دین کا کام شروع کیا، خواجہ میر درد کی جامع مسجد میں روزانہ صبح نماز فجر کے بعد درسِ قرآن اُن کا معمول رہا پھر جمعہ کی خطابت بھی اُن کے ذمہ

تھی اسی زمانہ میں مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ کی تبلیغی جماعت سے بھی وابستہ رہے اور روزانہ تبلیغی جماعت کے ساتھ گشت پر جاتے، انگریزی پڑھے لکھے دیندار لوگوں نے جمعیت الانصار المسلمین کے نام سے ایک خالصتاً تبلیغی تنظیم قائم کر رکھی تھی اور اس کے ماتحت دہلی کے مختلف علاقوں میں اور نئی دہلی میں دینی مدارس اور مکاتیب قائم تھے مولانا تھانوی مرحوم اس جمعیت کے تدریسی و تبلیغی امور کی نگرانی بھی فرماتے، مولانا کا تعلق چونکہ ایک خوشحال زمیندار گھرانے سے تھا اسلئے قیام دہلی کے دوران وہ تمام دینی خدمات بلا معاوضہ اور حسبۃ اللہ سرانجام دیتے رہے، عوام و خواص میں مولانا کا طرز خطابت بہت مقبول ہوا۔ اور لوگ ان کی خطابت کے گرویدہ ہوتے چلے گئے پھر قیام پاکستان کے بعد بھی مولانا مرحوم تبلیغ و اشاعت میں معروف رہے پورے ملک میں دینی و تبلیغی اجتماعات میں شرکت فرماتے رہے بیرون ممالک تبلیغی دوروں پر تشریف لے جاتے اور مسلمانوں کو اپنی مسحور کن اور دلکش خطابت سے اپنا گرویدہ بناتے رہے۔ دینی مدارس کے بڑے بڑے جلسوں، سیرت کانفرنسوں اور دینی و تبلیغی اجتماعات سے خطاب فرمانا مولانا مرحوم کا روزانہ کا معمول رہا، جیکب لائنز کی جامع مولانا کا اصل تبلیغی مرکز تھا جہاں یومیہ درسِ قرآن اور نمازِ جمعہ سے قبل گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ خطاب آپکا مستقل مشغلہ تھا، اسی طرح سے پہلے پولو گراؤنڈ کراچی میں پھر نشتر پارک میں عیدین کی نماز کی امامت و خطابت آخر دم تک مولانا تھانوی مرحوم ہی فرماتے رہے۔ کراچی شہر کا سب سے بڑا عید کا اجتماع نشتر پارک میں ہی ہوتا تھا جو مولانا کے خلوص و برکت اور دلنشین خطابت کی عظیم شہادت ہوتا تھا۔ عید الفطر کے اجتماع میں رمضان المبارک کے فضائل و مناقب اور عید الاضحیٰ کے موقع پر قربانی کے مسائل و فضائل بیان فرماتے تھے۔ مولانا نے نشتر پارک میں عید الفطر کے عظیم اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ

"ہمارے تمام مصائب کا سبب کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ سے مجرمانہ غفلت ہے جب تک مسلمانوں نے اللہ کی اس کتاب (قرآن کریم) اور سنتِ نبوی پر عمل کیا وہ غلامی سے دور رہے اور بڑی بڑی شاندار سلطنتوں کے مالک رہے اور جب سے مسلمانوں نے اسلام سے رُوگردانی کی اور قرآن و حدیث کو چھوڑا وہ ظلم و ستم اور بربریت کا شکار ہوگئے ہیں آج ہر طرف ذلت و رسوائی کا سامنا ہے آیئے آج عہد کریں کہ ہم اللہ اور اسکے رسول کی فرمانبرداری کریں گے اور پاکستان میں اسلام کا جھنڈا بلند کریں گے"۔ (جنگ کراچی)

مرکزی جمعیت علماء اسلام کنونشن

مرکزی جمعیت علماء اسلام و نظام اسلام پارٹی کا دو روزہ کنونشن ۲۵، ۲۶ مئی ۱۹۷۲ء کو

کراچی میں زیر صدارت مولانا احتشام الحق تھانویؒ منعقد ہوا۔ جس میں تمام صوبوں سے آنے والے مندوبین حضرات بالخصوص مشرقی پاکستان کے ممتاز مندوبین نے شرکت کی، کنونشن کا افتتاحی اجلاس بعد نماز جمعہ مولانا تھانویؒ کی صدارت میں ان کی قیام گاہ پر ہوا جس میں پاکستان کے ممتاز علماء وکلاء اور دانشور حضرات شریک ہوئے خصوصاً مفتی رشید احمد لدھیانوی کراچی، مولانا سید عنایت اللہ بخاری گجرات، مولانا عبید اللہ صاحب مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور، مولانا روح اللہ صاحب رحمان زئی پشاور، مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی کراچی، مولانا قاضی محمد نعیم صاحب فیصل آبادی، مولانا اقبال احمد ایڈوکیٹ کراچی، مولانا عبدالحق صاحب مشرقی پاکستان، مولانا اشرف علی صاحب مشرقی پاکستان، علامہ ابوالخیر اسدی ملتان، مولانا منظور الحق مشرقی پاکستان، مولانا زبیر افضل عثمانی کراچی، مولانا محمد ابراہیم، مولانا مسرت میاں شاہ کاخیل، مولانا صدیق احمد صاحب مشرقی پاکستان اور مولانا احتشام الحق تھانوی قابلِ ذکر ہیں۔ افتتاحی اجلاس میں طے پایا کہ مرکزی جمعیت علماء اسلام و نظام اسلام پارٹی کو دو الگ الگ تنظیموں میں بدل دیا جائے۔ مرکزی جمعیت علماء اسلام ملک کی عملی سیاست سے الگ ہو کر ملک میں پیش آنے والے مذہبی و شرعی مسائل پر فقہی موقف اور اپنی رائے سے ملت کو روشناس کرے گی اور نظام اسلام پارٹی اسلامی و سیاسی پارٹی کی حیثیت سے اسلامی خطوط پر پاکستان کی تعمیر میں بھرپور حصہ لے گی اور دستور کو اسلامی اور معاشرہ کو صالح اور خوشحال بنانے کیلئے قرآن وسنت کی حدود میں مؤثر جدوجہد کریگی۔ مرکزی جمعیت علماء اسلام پاکستان کا امیر اعلیٰ مولانا ظفر احمد عثمانی اور معتمد اعلیٰ مولانا احتشام الحق تھانوی کو منتخب کیا گیا۔ (جنگ کراچی ۷، ۲ مئی ۷۱ء)

نظام اسلام پارٹی کی صدارت

کل پاکستان مرکزی جمعیت علماء اسلام و نظام اسلام پارٹی کے کنونشن کا دوسرا اجلاس زیر صدارت حضرت مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری آف گجرات جیکب لائنز کراچی میں منعقد ہوا۔ جس میں مرکزی جمعیت کی مجلسِ شوریٰ کے اس فیصلے کی توثیق کی گئی جس میں مرکزی جمعیت کو نظام اسلام پارٹی کے مذہبی و تبلیغی بورڈ کی حیثیت سے غیر سیاسی طور پر علمی مذہبی فرائض انجام دینے کا فیصلہ کیا گیا تھا اور نظام اسلام پارٹی کو علیحدہ عملی سیاست میں بھرپور حصہ لینے کی منظوری دی گئی تھی۔ اجلاس میں مرکزی جمعیت و نظام اسلام کے ارکان شوریٰ نے شرکت کی اور بعد ازاں نظام اسلام پارٹی کے عہدیداران کا انتخاب عمل میں لایا گیا حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ پاکستان نظام اسلام پارٹی کے مرکزی صدر منتخب ہوئے۔ مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری جناب اقبال احمد صاحب

ایڈوکیٹ اور مولانا مسرت میاں شاہ کاکاخیل نائب صدر اور مولانا صدیق احمد صاحب سیکرٹری مقرر ہوئے قائمقام جنرل سیکرٹری مولانا اشرف علی صاحب کو بنایا گیا جبکہ علامہ ابوالخیر اسدی کو جوائنٹ سیکرٹری اور مولانا زبیر الفضل عثمانی کو سیکرٹری اطلاعات منتخب کیا گیا۔ اجلاس میں مختلف قراردادیں بھی منظور کی گئیں جن میں احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینیکا مطالبہ بھی شامل تھا آخر میں مشرقی پاکستان میں شہید ہونے والے حضرات کیلئے خصوصی دعائے مغفرت بھی کی گئی۔ رات کو بعد نماز عشاء نظام اسلام پارٹی کے زیر اہتمام جلسہ عام ہوا جس میں مولانا تھانوی مرحوم کا خطاب ہوا جو نہایت اہم اور یادگار خطاب تھا"۔ (جنگ ۲۸ مئی ۷۲ء)۔

علمی و تصنیفی خدمات

دینی تبلیغی اور سیاسی خدمات کے علاوہ مولانا احتشام الحق تھانوی مرحوم نے علمی و تصنیفی خدمات بھی انجام دی ہیں جو ناقابلِ فراموش ہیں آپ کی ساری زندگی دینی علمی تبلیغی اور ملکی و ملی خدمات میں گزری ہے اِس سلسلے میں جناب اقبال احمد صدیقی اپنے مقالے میں تحریر فرماتے ہیں کہ "

"مولانا تھانوی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی حیات میں متعدد علمی و تصنیفی کارنامے بھی انجام دیئے جن میں تفسیرِ قرآن ایک علمی شاہکار ہے اسکے علاوہ بھی کئی مسودات پر آپ کام کر رہے تھے، تحریک پاکستان کے بارے میں یادداشتیں، ہمعصروں کیلئے یادِ رفتگاں کی کتاب پاکستان کے قیام کے فوراً بعد تمام علماء کرام نے اسلامی نظام کے فوری نفاذ کا جو بیڑا اُٹھایا تھا وہ ادھورا کیوں رہا اسکے متعلق ایک مفصل تاریخ، اور ۱۹۷۰ء کے اتحاد کی ناکامی کے اسباب واضح کرنے کیلئے بہت سے رازہائے درون پردہ کے انکشافات وغیرہ جیسے اہم موضوعات پر علمی و تحقیقی کام کر رہے تھے۔ مولانا اگر کچھ روز اور زندہ رہتے تو کئی تصانیف مختلف النوع موضوعات پر تھوڑے تھوڑے وقفہ سے شائع ہوتیں لیکن اب بھی یقین کیا جانا چاہیئے کہ کسی نہ کسی وقت مولانا تھانوی مرحوم کے مرتب کردہ یہ مسودات کتابی صورت میں ضرور شائع ہوں گے"۔ (اخبار جہاں کراچی)

روزنامہ جنگ میں تفسیرِ قرآن کی اشاعت

آپ جہاں تقریر و خطابت کے بادشاہ تھے وہاں ایک جلیل القدر مفسرِ قرآن بھی تھے، جہاں مولانا کی تقریر میں کوئی ثانی نہ تھا وہاں تحریر و تصنیف و تالیف میں بھی ید طولیٰ رکھتے تھے۔ مولانا تھانوی مرحوم ایک عرصہ سے قرآن حکیم کی تفسیر لکھ رہے تھے جو پاکستان کے سب سے کثیر الاشاعت

اخبار روزنامہ جنگ کراچی میں بالاقساط شائع ہوتی رہی ہے یہ تفسیر قرآنی آیات کے مطالب و تشریح اور اسرار معارف کا بہترین مجموعہ ہے اور علمی دنیا پر احسان عظیم ہے۔

جناب اقبال احمد صاحب صدیقی تحریر کرتے ہیں کہ "۔

"مولانا تھانوی مرحوم کی تفسیرِ قرآنی جو روزنامہ جنگ کراچی میں کوئی پندرہ سال قبل درسِ قرآن کے عنوان سے ہر ہفتے بروز جمعتہ المبارک شائع ہونا شروع ہوئی تھی اور جس کا سلسلہ مولانا نے کبھی بیرونِ ملک سفر کے باوجود بھی منقطع نہیں ہونے دیا تھا مجھے خیال آیا شاید یہ اقساط ختم ہو گئی ہوں اور یہ سلسلہ رک جائے، مولانا کے بڑے صاحبزادے مولانا احترام الحق تھانوی سے پوچھا تو وہ فرمانے لگے، نہیں ایسا امکان نہیں ہے، ابا جان یہ کام اپنی زندگی میں کافی آگے تک کر گئے ہیں اس لیئے درسِ قرآن کا یہ سلسلہ فی الحال نہیں رُکے گا، مولانا مرحوم اپنے قلم سے کم لکھتے تھے عام طور پر کسی صاحب کو اپنے پاس بٹھا لیتے اور بتاتے جاتے لیکن سب سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ اس تفسیرِ قرآن کو نزاعی نہیں بنایا گیا بلکہ متنازعہ اندازِ بیاں سے پوری طرح گریز کیا گیا ہے، دوسری تفاسیر کے مقابلے میں یہ اس تفسیر کی نمایاں خصوصیت ہے اور اہلِ علم اور نوجوان نسل کیلئے یہ تفسیر ایک عظیم علمی خزینہ ہے" (اخبار جہاں)

جناب میر خلیل الرحمن صاحب چیف ایڈیٹر روزنامہ جنگ فرماتے ہیں کہ"

"مولانا تھانوی مرحوم نے اپنی زندگی اسلام کی تبلیغ اور ترویج کیلئے وقف کر رکھی تھی اور اس مقصد کے حصول کیلئے اُنھوں نے متعدد غیر ممالک کے دورے کئے اور دُور دراز سفر کی صعوبتیں برداشت کر کے تبلیغ اسلام کی بے لوث خدمت کی، میں اُن کی خطابت اور درس قرآن سے متاثر تھا اور مسلسل درسِ قرآن سنتا رہا اور بار بار اُن سے درخواست کرتا کہ ہمارے اخبار جنگ کیلئے بھی لکھا کریں چنانچہ میرے بار بار کے اصرار کے بعد ۲۵ دسمبر ۱۹۶۵ء مطابق یکم رمضان المبارک ۱۳۸۵ھ بروز جمعہ سے اُن کا درسِ قرآن روزنامہ جنگ میں شائع ہونا شروع ہوا اور پھر آخر دم تک درسِ قرآن کا یہ سلسلہ کبھی منقطع نہیں ہوا، مولانا کے امریکہ، افریقہ، چین، برما، انڈونیشیا، ہندوستان اور اندرونِ ملک تبلیغی دوروں کے دوران بھی یہ سلسلہ جاری رہا، اور میرے اصرار کے باوجود اخبار میں شائع ہونے والے درسِ قرآن کا معاوضہ نہیں لیا اور بغیر کسی لالچ و طمع کے علمِ دین کی خدمت انجام دیتے رہے" ۔ (روزنامہ جنگ کراچی)

سندھی زبان میں اشاعت

جناب محمد جے ابڑو ایم اے لکھتے ہیں کہ "

جب مولانا تھانوی مرحوم کا درسِ قرآن اردو میں روزنامہ جنگ کراچی میں شائع ہونا شروع ہوا تو میرے دل نے چاہا کہ اس روشنی سے ان لوگوں کو بھی منور کیا جائے جو اُردو نہیں پڑھ سکتے اِس سلسلے میں، میں نے حضرت مولانا مرحوم کو ۲۰ مارچ ۱۹۶۶ء کو ایک خط لکھا جس میں ان سے گذارش کی کہ"

"درسِ قرآن کا سندھی میں ترجمہ کرا کے اسکی اشاعت کی اجازت فرمائیں" جس کے جواب میں حضرت مولانا نے ۵ اپریل ۱۹۶۶ء کو مجھے جواب دیا، حضرت کا یہ خط میرے لیئے گرانقدر سرمایہ ہے۔ حضرت مولانا صاحبؒ کے حکم کی تعمیل میں، میں نے جناب میر خلیل الرحمن صاحب چیف ایڈیٹر روزنامہ جنگ کو ایک خط لکھا، انھوں نے بغیر کسی اعتراض کے اجازت دے دی پھر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے تقریباً دو سو قسطیں درسِ قرآن کے عنوان سے سندھی روزنامہ اخبار "نوائے سندھ" حیدر آباد میں جناب مولانا عبدالغفور سیتائی صاحب نے شائع کیں، بعد میں اخبار کے بند ہوجانے سے یہ سلسلہ ختم ہوگیا"۔ (ماہنامہ دورِ جدید کراچی)

خطبات و مکتوبات

تفسیرِ قرآن کے علاوہ مولانا تھانوی مرحوم کے بہت سے علمی مکتوبات اور دینی و تبلیغی و اصلاحی خطبات بھی مختلف اداروں کیطرف سے شائع ہوئے ہیں جو علمی دنیا کیلیئے بالخصوص متعلقین کیلیئے بہت ہی نافع سرمایہ ہیں۔ مولانا تھانویؒ کی متعدد علمی تقاریر ملک کے دینی جرائد و رسائل میں شائع ہو چکی ہیں اور بہت سی معرکتہ الآراء تقاریر کتابی شکل میں علیحدہ علیحدہ بھی طبع ہوئی ہیں۔ ماہنامہ الحسن لاہور جو جامعہ اشرفیہ لاہور کا ترجمان ہے اس میں متعدد تقریریں طبع ہوئی ہیں، ماہنامہ الخیر ملتان جو جامعہ خیرالمدارس ملتان کا ماہنامہ ترجمان ہے اس رسالے میں بھی مولانا کے بیسیوں خطبات جو علمی و اصلاحی خطبات ہیں خصوصاً سیرت النبی کے موضوع پر ملک کے بڑے بڑے شہروں میں مولانا کی جو تقریریں ہوئیں وہ بالاقساط شائع ہو چکی ہیں اسکے علاوہ ماہنامہ الاشرف کراچی، ماہنامہ البلاغ کراچی، ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک، صدائے اسلام پشاور" ہفت روزہ صوت الاسلام لاہور اور پیام حق کراچی میں متعدد خطابات اور علمی مکتوبات طبع ہوئے ہیں جو متوسلین کیلیئے سرمایۂ بصیرت ہیں۔

تالیفات، خطبات اور مقالات کا مختصر جائزہ

ذیل میں چند شائع شدہ تصانیف و تالیفات، خطبات اور مقالات کا مختصر جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

کلمہ الحق:۔ یہ کتابچہ حضرت مولانا تھانوی مرحوم کے بعض اہم خطبات اور علمی و سیاسی مکتوبات کا مجموعہ ہے یہ رسالہ مکتبہ غزالی جیکب لائن کراچی نے شائع کیا تھا یہ ۶۴ صفحات پر مشتمل ہے اِس رسالہ میں مولانا تھانوی کی وہ معرکتہ الآرار تقریر بھی جو ناظم آباد کراچی میں مسلمانوں کے سپاسنامہ کے جواب میں نظربندی سے رہائی کے بعد مورخہ ۲ اپریل ۷۰ء کو فرمائی تھی شاملِ اشاعت ہے۔

علماء حق کا شیوہ:۔ اس عنوان سے مولانا تھانوی نے دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے جلسہ دستار بندی اکتوبر ۶۷ء میں جو تقریر ارشاد فرمائی وہ پہلے ماہنامہ الحق اکوڑہ بابت ماہ دسمبر ۶۷ء میں شائع ہوئی پھر مکتبہ اصلاح و تبلیغ حیدر آباد اور مکتبہ صدیقیہ کورنگی اسٹاپ کراچی سے کتابی شکل میں شائع ہوئی یہ ۲۲ صفحات پر مشتمل ہے۔

بنگلہ دیش ملک نہیں تحریک ہے:۔ اِس موضوع پر یہ کتابچہ مولانا تھانوی مرحوم نے تصنیف فرمایا تھا جو شعبہ نشرواشاعت نظام اسلام پارٹی کراچی نے ۷۲ء میں شائع کیا تھا۔

دستورِ اسلامی:۔ اس نام سے مولانا تھانوی کا یہ رسالہ نظام اسلام پارٹی نے شائع کیا۔

نِگہ کی نامسلمانی:۔ یہ ایک تاریخی رسالہ ہے جو مولانا نے ۶۹ء میں تالیف فرمایا اور اسے دارالفکر اچھرہ لاہور نے شائع کیا اس میں سوشلزم کی حقیقت بھی بیان کی گئی ہے جس سے مسلمانوں کو دھوکہ دیا جاتا ہے۔

اسلام اور سوشلزم:۔ یہ رسالہ رانا پبلیکیشنز میانوالی کیطرف سے شائع ہوا۔

متفقہ فتویٰ:۔ یہ سوشلزم کے خلاف فتویٰ ہے جسے دعوۃ الحق کراچی سے طبع کیا۔

ایک اہم تقریر:۔ بنگلہ دیش کے موضوع پر مولانا کی اہم تقریر شعبہ نظام اسلام پارٹی بندر روڈ کراچی نے شائع کی تھی۔

عدل و انصاف کا اسلامی فلسفہ:۔ اس رسالہ میں مولانا نے عدل و انصاف پر بڑا فلسفیانہ و محققانہ انداز سے تفصیلی گفتگو کی ہے۔

لمحہ فکریہ:۔ اِس عنوان سے مولانا نے یہ رسالہ لکھا جو نہایت اہم رسالہ ہے اسے بھی شعبہ نشرواشاعت نظام اسلام پارٹی کراچی نے طبع کیا ہے۔

اُسوہ رسول اکرم و اجماعِ صحابہؓ:۔ اِس عنوان سے یہ ایمان افروز تقریر مولانا تھانوی مرحوم نے

جامعہ خیرالمدارس ملتان میں ارشاد فرمائی تھی جو ماہنامہ الخیر ملتان جنوری ۱۹۹۰ء میں طبع ہوئی۔

رازقِ حقیقی:۔ اسی عنوان پر مولانا کی یہ تقریر پشاور سٹیڈیم میں ۲۶ مارچ ۷۶ء کو ہوئی جسے ماہنامہ الخیر ملتان نے مارچ ۸۹ء کے شمارہ میں شائع کی۔

حُبِ نبویؐ کا صحیح معیار:۔ مولانا کی اس اہم تقریر کو بھی ماہنامہ الخیر ملتان نے جنوری ۸۵ء کی اشاعت میں شائع کیا۔

ملت اسلامیہ کا امتیاز:۔ اس موضوع پر یہ تقریر چوک فوارہ پشاور میں مولانا مرحوم نے فرمائی جسے ماہنامہ الخیر ملتان ماہ اپریل ۸۹ء میں شائع کیا گیا۔

احسانِ خداوندی:۔ جلسہ سیرت النبی بمقام چوک فوارہ پشاور صدر مورخہ ۸ مارچ ۸۰ء کو مولانا نے یہ خطبہ ارشاد فرمایا جو ماہنامہ الخیر ملتان ستمبر ۸۹ء میں طبع ہوا۔

محسنِ انسانیت:۔ کے عنوان سے یہ ایک طویل خطاب مولانا تھانوی مرحوم نے سیرت کانفرنس پشاور میں دو روزہ تک ارشاد فرمایا جسے ماہنامہ الخیر ملتان نے تین قسطوں میں ذی قعدہ، ذی الحجہ ۱۴۰۹ء اور محرم الحرام ۱۴۱۰ء مطابق جون، جولائی اگست ۸۹ء میں شائع کیا جو انشاءاللہ علیحدہ کتابی شکل میں بھی طبع ہوگا۔

صوبہ سرحد میں آخری خطاب:۔ کے عنوان سے ڈاکٹر قاری فیوض الرحمن کا مرتب کردہ یہ عظیم الشان خطاب جو مولانا تھانوی مرحوم نے پشاور کے جلسہ سیرت النبی میں ارشاد فرمایا ماہنامہ البلاغ کراچی نے فروری ۱۹۸۲ء میں شائع کیا تھا۔

لیلتہ القدر:۔ اس موضوع پر ایک مفصل تقریر جسے مشتاق احمد صاحب نے مرتب کیا اور ماہنامہ الخیر ملتان نے فروری ۱۹۹۳ء کی اشاعت میں اسے طبع کیا ہے۔

شبِ قدر کا آخری خطاب:۔ جامع مسجد جیکب لائنز کراچی میں ۲۷ رمضان المبارک ۱۳۹۹ء میں کیے گئے مولانا تھانوی مرحوم کے آخری خطاب کو محترم مولانا محمد حنیف جالندھری نے ٹیپ ریکارڈ سے کاغذ پر منتقل کیا اور اس تاریخی تقریر کو ماہنامہ الخیر ملتان نے جون ۱۹۸۴ء کی اشاعت میں طبع کیا۔

خطاب کمالیہ شہر:۔ مولانا تھانوی مرحوم کے اس عظیم الشان خطاب کو جناب مولانا محمد زکی کیفی مرحوم نے ضبطِ تحریر کیا جسے ہفت روزہ صوت الاسلام لاہور نے ۱۹ جون ۱۹۷۰ء کو شائع کیا۔ یہ خطاب عام ۱۱ جون ۱۹۷۰ء کو میونسپل میدان کمالیہ شہر میں نمازِ عشاء کے بعد ہوا۔ جو ایک تاریخی حیثیت رکھتا ہے۔

ان کے علاوہ بہت سے رسائل، خطابات و مقالات اور ملکی و قومی مسائل پر مولانا کے سیاسی

اخباری بیانات، انٹرویوز وغیرہ ملک کے مختلف اخبارات و جرائد اور اداروں نے شائع کئے جن کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔ انشاءاللہ مولانا کے علمی، تبلیغی اور سیاسی خطبات پر مشتمل احقر راقم کی کتاب خطباتِ احتشام کے نام سے جلد منظرِ عام پر آرہی ہے دعا کی درخواست ہے۔

ریڈیو پاکستان سے درسِ قرآن

اللہ تعالیٰ نے مولانا تھانوی مرحوم کو بہت سی خوبیوں اور صلاحیتوں سے نوازا تھا جن میں سب سے بڑی خوبی آپ کی خوش بیانی اور حق بیانی تھی، آپ اس آخری دور کے خطیب اعظم اور شیریں بنیان مقرر تھے۔ لوگ دُور دراز سے مولانا کی تقریریں سننے کیلئے جامع مسجد جیکیب لائنز کراچی پہنچتے تھے اور بڑے ذوق و شوق سے آپ کی تقاریر، درسِ قرآن اور خطبۂ جمعہ سنتے تھے، قیام پاکستان کے بعد ملک اور بیرون ممالک کے مسلمانوں نے حکومت پاکستان سے درخواست کی کہ مولانا کا درسِ قرآن ریڈیو پاکستان سے نشر کیا جائے، چنانچہ مولانا کا درس ریڈیو پاکستان سے جاری کردیا گیا، ریڈیو پاکستان کی تاریخ گواہ ہے کہ جب تک ریڈیو پر مولانا کا یہ پروگرام جاری رہا لوگوں کا ریڈیو سُننا ایک ضرورت بن گیا تھا چاہے کتنی ہی مصروفیت کیوں نہ ہو، ہر شخص ریڈیو سے مولانا کا یہ پروگرام سُنتا تھا، مولانا مرحوم کے بعد کوئی دوسرا شخص آج تک مولانا کے اِس حُسنِ معیار کو قائم نہ رکھ سکا۔ مولانا نے عرصہ دراز تک ریڈیو پاکستان سے درسِ قرآن دیا مگر اس کے بدلے میں انھوں نے کوئی معاوضہ نہیں لیا۔ اس سلسلے میں خود مولانا تھانوی مرحوم ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔

"مجھے ارباب ریڈیو کیطرف سے شروع میں ۷۵۰ روپے ماہانہ ہدیہ کی پیش کش کی گئی تھی لیکن میں نے معاوضہ قبول کرنے سے انکار کردیا، اس غرض کیلئے ارباب ریڈیو کو اپنے اصول میں خاص طور پر تبدیلی کرنا پڑی اور جب مسٹر زیڈ اے بخاری نے مجھے کہا کہ میں درس قرآن کی رفتار تیز کردوں اور تفصیلات بیان نہ کروں تو میں نے صاف انکار کردیا، اس پر انھوں نے اصرار کیا تو میں یہ کہکر اس خدمت سے دستبردار ہوگیا کہ میں ان کی مرضی کے مطابق درسِ قرآن نہیں دے سکتا، خواجہ ناظم الدین کو ایک عرصہ بعد اسکی خبر ملی تو انھوں نے مجھ سے گلہ کیا کہ میں نے اُن سے کیوں ذکر نہ کیا؟ میرا جواب یہ تھا کہ یہ درسِ قرآن میں ایک دینی خدمت کے طور پر دیتا تھا اِس سے میری کوئی ذاتی ۔۔۔۔۔۔ منفعت اور ذاتی غرض وابستہ تھی لیکن جب میں نے محسوس کیا کہ ارباب ریڈیو میری حق گوئی برداشت نہیں کرتے اور مجھ پر غیر ضروری پابندیاں لگانا چاہتے ہیں تو میں خود ہی اس سے دستبردار ہوگیا۔

زمانہ بڑے شوق سے سُن رہا تھا
ہمیں سو گئے داستاں کہتے کہتے

بہرحال مولانا تھانوی مرحوم کا درسِ قرآن اتنا مقبولِ عام ہوا کہ اس سلسلہ کو بند ہوتے ہی ملک و بیرون ملک سے اربابِ حکومت سے بار بار اصرار کا سلسلہ شروع ہو گیا اور ہزاروں عقید تمندوں کے لاکھوں اخطوط مولانا کو ملے جن میں دوبارہ درسِ قرآن کی درخواست کی گئی تھی اور آخرکار حکومت اور عوام کے اصرار پر مولانا نے دوبارہ درسِ قرآن دینے کا وعدہ فرمالیا اور ۲۰ فروری ۱۹۷۴ء کو روزنامہ نوائے وقت کی اشاعت میں مولانا کا ایک بیان شائع ہوا کہ "

" مولانا احتشام الحق تھانوی نے ریڈیو پاکستان سے درس قرآن کی دعوت قبول کرلی ہے اب باقاعدگی سے حسبِ سابقا مولانا کا درس ریڈیو پر نشر ہوگا" مولانا نے اپنا بیان میں فرمایا کہ "

" ریڈیو پاکستان کے اربابِ حل و عقد نے حال ہی میں اپنی خواہش کا اظہار کیا ہے کہ پاکستان اور بیرون پاکستان کے مسلمانوں کی بڑی تعداد کے مطالبے پر وہ ریڈیو درسِ قرآن نشر کرنا چاہتے ہیں، میرا ہمیشہ سے خیال رہا ہے کہ اگر شخصی اور دینی خودداری کے ساتھ پاکستان کی کوئی خدمت انجام دی جاسکتی ہے تو اس سے گریز نہیں کرنا چاہیئے اسلئے بتوفیق الٰہی میں نے حسب سابق بلا معاوضہ درس قرآن کا وعدہ کرلیا" اس کے بعد آخر دم تک مولانا کا درس قرآن ریڈیو پر نشر ہوتا رہا جسے ملتِ اسلامیہ بڑے ذوق و شوق سے سنتی رہی۔ ریڈیو پاکستان پر درسِ قرآن کے علاوہ سعودی حکومت کے تعاون سے قرآنِ حکیم کا مکمل ٹیپ (تیس پاروں کی قرأت) مولانا تھانوی مرحوم کی آوازمیں تیار ہوکر مارکیٹ میں آچکا ہے جو ایک یادگار شاہکار ہے اور مولانا کے عشاق و متعلقین کیلئے ایک عظیم سرمائیہ حیات ہے۔

درسِ قرآن کی خصوصیات

حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی فرماتے ہیں کہ "

" اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی مرحوم کو بہت سی اعلیٰ صلاحیتوں سے نوازا تھا اُنھوں نے ساری زندگی دینِ اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں گزاری، عرصۂ دراز تک ریڈیو پاکستان کے ذریعے تبلیغ دین کا حق ادا کرتے رہے اور مولانا کے ریڈیو پر درسِ قرآن کریم سے عوام و خواص بلکہ بیرون ممالک کے بھی بہت سے مسلمان مستفید ہوتے رہے، علمی تحقیقات کے ساتھ علماء اور طلباء کیلئے بھی اس درس میں کافی مواد پایا جاتا تھا اور صحیح بات یہ ہے کہ مولانا کے درسِ قرآن کا

بدل میسر نہیں آسکا اور مدتوں یہ خلار سامعین کو محسوس ہوتا رہے گا، مولانا جس انداز اور سوز سے قرآن کریم کی تلاوت کرتے تھے اسکی مثال سے دنیا خالی ہے، مولانا کو علوم قرآن وحدیث کے ساتھ گہرا ربط و تعلق، عمیق مطالعہ، بالغ نظری اور اپنے مدعا کو عقل و استدلال کے انداز میں پیش کرنے کی جو اعلیٰ صلاحتیں حق تعالیٰ نے عطا فرمائی تھیں اسکی بھی نظیر نہیں ملتی"

جناب مولانا محمد یوسف قریشی تحریر فرماتے ہیں کہ"

"مولانا کی خطابت اور قرآت میں سحر تھا اسی لیئے جمعہ کی نماز میں جامع مسجد جیکب لائن میں دور و نزدیک سے لوگ اُن کا دلنشین خطبہ سننے اور اُن کی امامت میں نماز پڑھنے آتے تھے اللہ تعالیٰ نے مولانا کو بڑی فیاضی سے شریں بیانی اور خوبصورت لحن سے نوازا تھا، مولانا نے سالہا سال ریڈیو پاکستان سے درسِ قرآن دیا جسے ملک و بیرون ملک بے حد پسند کیا گیا۔ مولانا نہایت سلیس، عام فہم مگر محققانہ علمی انداز میں درسِ قرآن دیا کرتے تھے اور پوری علمی دنیا کے لوگ مولانا کے درس قرآن کو بڑے ذوق و شوق سے سنتے تھے۔ آپ کی خطابت اور درس میں ایک خاص اثر تھا سادہ دل ان پڑھ عوام اور نئی تعلیم کے پروردہ لوگوں پر یکساں اثر ہوتا تھا مولانا نے حکومت کے اصرار کے باوجود کبھی اس درس قرآن کا معاوضہ منظور نہیں کیا آپ بے لوث تبلیغ دین فرماتے رہے"

مولانا تھانویؒ بحیثیت مفسرِ قرآن

دارالعلوم دیوبند نے علم تفسیر اور علمِ حدیث کے بڑے بڑے ماہر پیدا کیۓ ہیں جنھوں نے قرانکریم کی تفاسیر اور احادیثِ نبویؐ کی عظیم الشان علمی و تحقیقی شرحیں لکھی ہیں۔ علماء دیوبند میں شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، شیخ التفیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ اور خطیب الامت حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ بلند پایہ مفسرینِ قرآن تسلیم کیۓ گۓ ہیں ان حضرات نے دارلعلوم دیوبند اور اپنے اپنے مدارسِ عربیہ میں علمِ تفسیر و حدیث کی خدمات انجام دی ہیں۔ حضرت مولانا مفتی سید عبدلشکور ترمذی فرماتے ہیں کہ"

"مولانا احتشام الحق تھانوی مرحوم کو علومِ قرآن و حدیث کے ساتھ گہرا ربط و تعلق عمیق مطالعہ، بالغ نظری اور اپنے مدعا کو عقل و استدلال کے انداز میں پیش کرنے کی اعلیٰ صلاحیتوں کی اللہ تعالیٰ نے خاص صفات عطا فرمائی تھیں، اور حقیقت یہ ہے کہ مولانا تھانوی مرحوم نے قرآن کریم کا بڑا عمیق مطالعہ کیا تھا پھر مطالب قرآن کو نہایت دلکش اور حسین پیرائے بیان میں ادا کرنے کی قوت بھی اللہ

تعالیٰ نے مولانا مرحوم کو بے مثال عطا فرمائی تھی ایک عرصہ تک ریڈیو پاکستان کے ذریعہ بھی مولانا کے درسِ قرآن سے عوام و خواص کو بہت نفع اور فائدہ ہوا، علماء و طلباء بھی آپ کے درس سے مستفید ہوئے، مولانا مرحوم کی تفسیر قرآن جو روزنامہ جنگ کراچی میں قسط وار شائع ہوئی مولانا کے علمی کمال کا نمونہ ہے اس تفسیر قرآن سے مولانا تھانوی کی قرآن فہمی اور مفسرانہ شان ظاہر ہوتی ہے اللہ تعالیٰ مولانا کی اس تفسیر قرآن کو جو زیر تکمیل تھی جلد طبع کرنے کا موقع عنایت فرمائیں۔

ایک مرتبہ خیرالمدارس ملتان کے جلسہ پر حضرت شیخ التفسیر والحدیث مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ سے مولانا احتشام الحق تھانویؒ نے بیان القرآن کے ترجمہ کی خوبیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے بیان کیا کہ سورہ واقعہ میں "وظلل ممدود" کا ترجمہ حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ نے لمبا لمبا سایہ فرمایا ہے، ترجمہ میں یہ تکرار کس لیئے فرمایا گیا، اس پر دیر تک مجلس میں گفتگو ہوتی رہی اور مختلف تراجم مجلس میں دیکھنے کیلئے منگائے گئے۔ اُستاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری رحمۃ اللہ علیہ بھی اس گفتگو میں شریک تھے اور ناکارہ بھی حاضرِ مجلس تھا۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مولانا تھانوی مرحوم نے کس گہرائی اور دقت نظر کے ساتھ قرآن کریم کے حرف حرف پر غور کیا تھا۔ مدینۃ العلوم سرگودھا کے سالانہ جلسہ پر بعض دوسرے علماء کی موجودگی میں احقر نے مولانا غلام اللہ خان صاحب کی تفسیر جواہر القرآن کے حوالہ سے عرض کیا کہ اس میں قد نریٰ تقلب وجھک فی السمآ کا جو یہ مطلب بیان کیا ہے کیا آپ کی نظر سے کسی تفسیر میں گزرا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بار بار آسمان کی طرف دیکھنا اس لیئے تھا کہ کہیں تحویل قبلہ کا حکم نہ آجائے، کیونکہ آپ کی مرضی تحویل قبلہ کی نہیں تھی، مولانا تھانوی مرحوم نے اس کو سن کر بڑی حیرانی اور تعجب کے لہجہ میں فرمایا "بندہ خدا نے یہ کہاں سے لکھدیا"

حضرت مولانا محمد متین خطیب صاحبؒ فرماتے ہیں کہ "

"علمی لحاظ سے بھی مولانا تھانوی مرحوم باصلاحیت اور باوقار شمار ہوتے تھے۔ ہمارے بزرگوں میں مختلف صلاحیتوں کے لوگ گزرے ہیں کوئی علم فقہ میں بلند مقام رکھتا تھا تو کوئی علم الحدیث میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا کوئی خطابت میں لکھتا تھا تو کوئی تفسیرِ قرآن میں اعلیٰ حیثیت کا مالک تھا اس لیئے جانچنے اور پرکھنے کا معیار جدا جدا ہوتا ہے اِس معیار سے اگر جانچا جائے تو میرے نزدیک مولانا تھانوی مرحوم علمِ تفسیر و فقہ اور خطابت میں یکتائے روزگار تھے۔ اُن کی علمی یادگاروں میں دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہ یار سندھ ایک عظیم یادگار ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ تصانیف میں آئندہ کسی زمانہ میں تفسیر القرآن بھی شائع ہوکر سامنے آجائے گی، اُن کے خطبات اور پاکستان یا غیر ممالک میں تقاریر بھی

اُن کے علمی تجر کا بہت بڑا ذخیرہ آخر ثابت ہو گا"۔

شیخ الحدیث مولانا محمد مالک کاندھلوی فرماتے ہیں کہ"

"مولانا تھانوی مرحوم ایک جلیل القدر مفسرِ قرآن ہونے کے ساتھ وسیع النظر عالم، فقیہ، مفتی، مجتہد، محقق اور بلند پایہ خطیب بھی تھے اُنھوں نے ساری عمر قرآن و حدیث کی خدمت میں گزاری، مولانا کے علمی کارناموں میں اُنکی تفسیرِ قرآن ایک عظیم علمی شاہکار ہے خدا کرے وہ جلد کتابی صورت میں طبع ہو جائے"

مولانا کی فقہی بصیرت

مولانا مفتی عبدلشکور ترمذی مدظلہ فرماتے ہیں کہ"

قرآن و حدیث کے گہرے مطالعہ کے ساتھ مولانا تھانوی مرحوم کا علم فقہ میں بھی کافی وسیع تھا اس کی مثال مولانا کا رسالہ عدل و انصاف کا اسلامی فلسفہ ملاحظ فرمایئے، مولانا نے اس رسالہ میں عدل و انصاف پر بڑا فلسفیانہ اور فقیہانہ انداز سے تفصیلی گفتگو کی ہے اس کے علاوہ ہزاروں علمی فتوے مولانا کی فقہی بصیرت کا بین ثبوت ہیں۔ ۱۹۶۹ ء میں مرکزی جمعیت علماء اسلام کے منشور کی تیاری کے سلسلہ میں حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی مدظلہم صدر مفتی جامعہ اشرفیہ لاہور کو کراچی کا سفر پیش آیا اس ناکارہ کو بھی اس سفر میں معیت کا شرف حاصل رہا، اس وقت مولانا احتشام الحق تھانوی مرحوم کے ساتھ کئی کئی گھنٹہ گفتگو کا موقع ملتا رہا، مولانا مرحوم کے مکان پر بھی اور دارالعلوم کراچی کورنگی میں بھی بعض مجلسوں میں مفتی اعظم پاکستان سید حضرتؒ مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی شریک گفتگو ہو جاتے تھے، ایسی مجلسوں میں مولانا تھانوی مرحوم کی علمی وسعت فقہی بصیرت اور دقتِ نظر اصابتِ رائے کا اندازہ ہوتا تھا۔ اس وقت مختلف جماعتوں کے منشوروں میں مختلف الفاظ و عبارت کے ساتھ مسلمان کی تعریف شامل کی ہوئی تھی ایک مجلس میں ان پر غور ہو رہا تھا، مولانا تھانوی مرحوم نے شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے ارشاد کے حوالے سے فرمایا کہ حضرت علامہ عثمانی مرحوم نے ایک ایسی ہی بحث کے موقع پر فرمایا تھا کہ فقہاء کرام کے اصطلاحی الفاظ کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے جس چیز کی جو تعریف جن الفاظ میں فقہاء کرام نے فرمائی ہے انہی الفاظ سے اسکی تعریف کرنی چاہیئے۔ دوسرے الفاظ کے ذریعے وہ مفہوم ادا نہیں ہو سکتا چنانچہ مرکزی جمعیت علماء اسلام کے منشور میں مسلمان کی تعریف ذیل کے اصطلاحی الفاظ کے ساتھ کی گئی ہے۔ "وہ شخص جو محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی ان تمام تعلیمات پر ایمان رکھتا ہو جو ضروریاتِ دین کی حیثیت رکھتی ہیں اور اسلام کے سوا باقی تمام مذاہب

کو باطل سمجھتا ہو" واقعی صحیح بات یہی ہے کہ ضروریات دین کے اصطلاحی الفاظ کے بغیر مسلمان کی جامع مانع تعریف نہیں کی جاسکتی۔ سوشلزم کے خلاف ۱۱۳ علماء کرام کے مشہور فتویٰ میں مولانا تھانوی مرحوم اس ترمیم کے خواہاں تھے کہ فتویٰ میں جس طرح خلاف اسلام کام کرنے والی جماعتوں کی تین نمبروں میں درجہ بندی کی ہے اسلامی نصب العین رکھنے والی جماعتوں میں بھی قدرے تفصیل اور درجہ بندی کا ذکر ہونا چاہیئے چنانچہ مولانا کی ترمیم کو قبول کر کے فتویٰ میں الفاظ ذیل شامل کر دیئے گئے۔

"پہلی قسم کی جماعتوں میں بھی ہمارے نزدیک دو طرح کی جماعتیں ہیں ایک وہ جس کی سرپرستی و قیادت ملک کے متدین علماء کے ہاتھ میں ہے دوسری وہ جس کی قیادت علماء کے ہاتھ میں نہیں ہے تاہم امداد کے معاملہ میں فضیلت و ترجیح پہلی قسم کو حاصل ہوگی" اس ترمیم سے واضح طور پر اشارہ ملتا تھا کہ کالعدم اسلامی جماعت کی نسبت علماء کی جماعت کو تعاون و امداد پر مقدم رکھنا چاہیئے۔

(ماخوذ تذکرہ خطیب الامت ۲۳۰)

مولانا تھانویؒ بحیثیت خطیب

جب تک دنیا قائم ہے اور اسلام کے نام لیوا باقی ہیں۔ خطیب الامت حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمتہ اللہ علیہ کا نام آفتاب کی طرح چمکتا دمکتا رہے گا۔ مستقبل کا مورخ جب اُن مردانِ عزیمت کی داستان مرتب کرے گا جنھوں نے تحریک پاکستان اور تحریک نظام اسلام میں تاریخی کردار ادا کیا تو وہ لامحالہ اس مردِ مجاہد اور خطیب اعظم پر تحسین و آفرین کے پھول نچھاور کریگا جس نے تحریک آزادی میں اپنی سحربیان خطابت سے ایوانِ کانگریس میں زلزلہ مچادیا، خطابت میں جو کمال آپ کو حاصل تھا اس کا اندازہ کچھ وہی لوگ لگاسکتے ہیں جنھوں نے اس بلبلِ ہزار داستان کو چہکتے سنا ہے اور دیکھا ہے دارالعلوم دیوبند نے شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور امیر شریعت سید عطاء اللہ بخاریؒ جیسے عظیم خطیب پیدا کئے ہیں مگر موجودہ دور میں خطیب الامت مولانا تھانویؒ جیسا خطیب نہ موجود ہے اور نہ ہوگا آپ کی خطیبانہ عظمت نے آپ کو شہرت دوام بخشی اور تقریباً نصف صدی تک برصغیر پاک و ہند بلکہ پوری دنیائے اسلام کی فضائیں آپ کی مسحور کن آواز اور قلندرانہ صداؤں سے معمور ہیں، تحریک پاکستان میں اور پھر تحریک نظام اسلام میں ہندوستان پاکستان کے طول و عرض میں اپنی خطابت کے جو موتی بکھیرے ہیں اس وقت کوئی دوسرا مقرر یا خطیب اُن کا ہم پایہ نہیں ہے فنِ خطابت میں مولانا تھانویؒ کو جو کمال حاصل تھا اسکی مثال آج کے دور میں ناپید ہے وہ بولتے نہیں تھے موتی

رودتے تھے، حافظہ بے پناہ تھا، حُسنِ بیان، حاضر جوابی اور استدلال کی سحر کاری میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے، ہمیشہ موضوع کے مطابق لب و لہجہ اور اندازِ بیان سے تقریر کو سنوارتے تھے، جب تقریر شروع کرتے تو فضا میں سناٹا چھا جاتا اور جلسہ گاہ میں آرام و سکون ہو جاتا، لاکھوں کے مجمع پر چھا جاتے اور لوگ آپ کی جادو بیانی سے تڑپ اُٹھتے تھے یوں تو سرزمین پاکستان میں ہزاروں خطیب اور خوش الحان قاری پیدا ہوئے ہیں مگر مولانا تھانویؒ اس میدان میں ایک امتیازی شان رکھتے تھے خدا نے انھیں لحن داؤدی عطا فرمایا تھا۔ قرآن پڑھتے تو فضا میں سناٹا چھا جاتا اور ایسا محسوس ہوتا گویا اب آسمان سے نازل ہو رہا ہے تقریر کے آغاز ہی میں وہ اپنی مترنم مسحور کن قرات سے مجمع کا دل موہ لیتے تھے وہ لوگ جو مخالف بن کر جلسے میں آتے تھے ان کے دل بھی آپ کی وجد آفرین قرات سے موم ہو کر رہ جاتے تھے، آپ ایک عالی ظرف اور وسیع القلب خطیب تھے وہ ہر معترض کے سوال کا جواب نہایت خندہ پیشانی اور خوشدلی سے دیتے تھے زبان میں محبت و شفقت کی شیرینی ہوتی تھی، حُسنِ اخلاق اور شگفتہ مزاجی کیوجہ سے آپ ہر ایک کے دل میں گھر کر لیتے تھے جو شخص ایک دفعہ مولانا سے مل آتا تھا اُسے ہمیشہ آپ سے ملنے کا اشتیاق رہتا تھا جو ایک مرتبہ آپ کی خطابت اور قرات سُن لیتا وہ بار بار سننے کا دل میں شوق رکھتا تھا آپ نے بڑے بڑے جلسوں اور کانفرنسوں میں خطاب کیا لوگ دُور دُور سے افکار خطاب سُننے جاتے اور بڑے شوق و محبت سے مولانا کی تقریریں سنتے، تقریر کے بعد فرطِ محبت سے ہر شخص مولانا سے مصافحہ و معانقہ کرنے کیلئے بے تاب ہو جاتا اور آپ ہر ایک سے خندہ رُو ہو کر مصافحہ کرتے اور خیر و عافیت پوچھتے۔ ہر ملنے والے فہم و ادارک کے مطابق اس سے گفتگو فرماتے اور ہمیشہ حُسنِ اخلاق کا مظاہرہ فرماتے تھے۔ نجی مجالس بھی آپکی باغ و بہار ہوتی تھیں، ظرافت کے پھول بکھیرتے تو تمام مجلس و محفل زعفرانِ زور بن جاتی تھی بہرحال آپ ایک انجمن آراء شخصیت تھے، نہایت جری اور صاحب عزم انسان تھے حق گوئی اور حق بیانی میں اپنی نظیر آپ تھے۔ آپ عالموں میں باوقار عالم تھے، قاریوں میں بے مثل قاری تھے، ادیبوں میں بے نظیر ادیب اور شاعروں میں عظیم شاعر تھے اور پاکستان کے خطیبوں میں خطیبِ اعظم اور سیاستدانوں میں بلند پایہ سیاستدان تھے آپ کی ذاتِ گرامی میں گوناگوں اوصاف و کمالات کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا گویا ایک زندگی میں کئی زندگیاں مجمع ہیں۔

وَلیس علی اللہ بستنکر۔ اَن لیجمع العالم فی واحد

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

حضرت مولانا محمد متین خطیب صاحبؒ فرماتے ہیں کہ

"مولانا تھانوی مرحوم بحثیت خطیب علماء دیو بند میں ایک بلند اور اہم مقام رکھتے تھے جس

میں آخر دم تک مولانا موصوف اپنی جگہ سے نہیں گرائے جاسکے ، دراصل ہر آدمی میں کچھ خصوصی صلاحتیں ہوتی ہیں جن کو دوسرا آدمی حاصل نہیں کرپاتا قرآن پاک میں **تلک الرسول فضلنا بعضھم علیٰ** بعض میں اسی بنیادی اصول کو بیان کیا گیا ہے، حق تعالیٰ نے مولانا مرحوم کو خوش بیانی میں جو مقام عطا فرمایا تھا وہ اس دور میں کسی دوسرے عالم کو نصیب نہیں تھا، ایک مرتبہ عظیم شخصیت چودھری خلیق الزمان مرحوم سے کچھ بات ہو رہی تھی جس میں مولانا تھانوی مرحوم کا ذکر آیا وہ کہنے لگے کہ اگر مولانا تھانوی صاحب علمار کے طبقے سے تعلق نہ رکھتے ہوتے تو میں انھیں اس دور کا " تان سین " کہتا مگر اب میں یہ گستاخی نہیں کرسکتا۔ آج تک مولانا مرحوم کے طرز بیان اور قرآن پاک کی تلاوت کرنے والے نقال موجود ہیں مگر وہ نقل کرنے والے ہی کہلاسکتے ہیں، مولانا تھانویؒ کا بدل نہیں شمار کئے جاسکتے ہیں، ہاں ممکن ہے آگے چل کر مولانا مرحوم کے صاحبزادگان میں سے کوئی یہ جگہ لے سکے۔

قرآن پڑھنے کا ڈھنگ مولانا مرحوم کا اپنے ماموں حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ جیسا تھا وہ یکتا عالم تھے جو انتہائی جاذب نظر، خوش پوش، خوش خوراک، خوش بیان اور خوش اخلاق تھے مجھے اکثر مولانا کے ہمراہ جلسوں میں جانے کا اتفاق ہوا ہے وہ لباس صبح و شام تبدیل کرنے کیلئے سفر میں کئی کئی جوڑے رکھتے تھے حالانکہ چند گھنٹوں کیلئے جانا ہوتا تھا اور میں اُن کی اس عادت سے گھبراجاتا تھا مگر اُن کی وضع داری تھی اس میں کبھی اس میں کبھی بھی فرق نہ آتا وہ اپنی حُسنِ صورت اور حسن سیرت میں بھی بے مثال تھے اور حُسنِ نقابت اور حُسنِ خطابت اُن کا طرہ امتیاز تھا حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ اسی لئے مولانا کو علمار کی جماعت میں دولہا کی طرح ممتاز اور منفرد فرماتے تھے، اور واقعی ان الفاظ میں قطعاً مبالغہ آرائی نہ تھی۔ ایک بات یہ ضروری ہے کہ مولانا تھانوی مرحوم کیلئے خطیب پاکستان کا لقب اکابر علمار نے مخصوص فرمایا تھا، مدرسہ خیرالمدارس ملتان جامعہ اشرفیہ لاہور، دارالعلوم کراچی اور دیگر کئی مدارسِ عربیہ کی سٹیج پر تقریر کرنا ایک سند کی حیثیت رکھتی ہے جہاں حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ، حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مفتیٔ اعظم پاکستان جیسے اکابر علمار تشریف فرما کر مولانا تھانوی مرحوم کی تقریر سماعت فرماتے تھے اور انہی حضرات نے مولانا کو یہ لقب عطا فرمایا تھا جس سے مولانا کی خطابت کی اہمیت کا اندازہ بخوبی ہوسکتا ہے۔

ایک مرتبہ کراچی میں جمعیت علمار اسلام کی ایک عظیم الشان کانفرنس میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ علیہ نے مولانا احتشام الحق تھانوی مرحوم کی تقریر سماعت کے بعد فرمایا"

"اب مجھے دنیا سے رخصت ہونے کا کوئی غم نہیں ہے کہ میرے متعلقین میں سے حق کی

وضاحت واعلان کرنے والا موجود ہے اور میں اس کی تفہیم و تقریر سے اس قدر متاثر اور خوش ہوا ہوں کہ میں آج پیرانہ سالی میں خود کو جوان محسوس کر رہا ہوں"۔

جہاں شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ جیسے شہباز خطابت مولانا مرحوم کی خطابت کی تعریف کریں تو اس میں کسی دوسرے کی رائے کی کیا ضرورت۔ اسی طرح سے ایک بار مدرسہ اشرفیہ سکھر کے سالانہ جلسہ کے موقع پر حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مفتی اعظم پاکستان نے منتظمین جلسہ سے فرمایا کہ "

"مولانا احتشام الحق صاحب کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے تقریر کی ضرورت نہیں رہتی"۔

جب منتظمینِ جلسہ نے حضرت مفتی اعظمؒ سے بھی کچھ کلمات خیر بیان کرنے کی درخواست کی اور بار بار اصرار کیا تو حضرتؒ نے فرمایا کہ"

"خواہ مخواہ کیوں مخمل ٹاٹ کا پیوند لگوانا چاہتے ہو"

حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں کہ"

"مولانا تھانوی مرحوم کی شخصیت بڑی باغ و بہار، شگفتہ اور دلکش تھی ان کی مجلس میں اکتاہٹ کا گزر نہیں تھا وہ بڑے حاضر جواب بذلہ سنج اور خوش کلام عالم تھے، مولانا مرحوم ملک کے مایہ ناز خطیب تھے۔ وہ خطابت میں ایسے دلکش اسلوب بیان کے موجد تھے جو اُن سے شروع ہو کر اُن ہی پر ختم ہوگیا، ان کی دل آویز خطابت نے سینکڑوں انسانوں کو دین سے قریب کیا اور شاید ملک کا کوئی گوشہ ایسا نہ ہوگا جہاں مولانا کی دلکش آواز نہ گونجی ہو، ریڈیو پاکستان سے ان کے درسِ قرآن کا سلسلہ انتہائی مقبولِ عام ہوا اور بعد میں روزنامہ جنگ کے ذریعے شائع ہو کر وہ محفوظ بھی ہو رہا تھا افسوس کہ مولانا کی رحلت سے وہ نامکمل رہ گیا۔ اس وقت پاک و ہند کی سرزمین میں مولانا واحد خطیب تھے جس نے اپنی خداداد ساحرانہ قوت خطابت سے مذہب و سیاست کی وہ بے لوث خدمت کی ہے جو ایک پوری قوم نہیں کر سکتی، تنہا اُن کی شخصیت نے وہ کام کیا جو ایک صدی میں ایک ادارے کو کرنا چاہیئے، قدرت نے فوق العادت زبان کی شیرینی، بیان کی روانی اور فوق العادت مؤثر تعبیر کی قوت عطا فرمائی تھی ایک دفعہ ایک جلسے میں اکابر علماء اور زعماء ملت شریک تھے اور شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی بھی تشریف فرما تھے اس جلسہ میں مولانا تھانوی مرحوم کی بڑی معرکۃ الآراء تقریر ہوئی جس کا مجمع پر اتنا اثر تھا کہ بار بار سامعین شدت جذبات میں اللہ اکبر کے نعرے لگا رہے تھے یہاں تک کہ خود شیخ الاسلام علامہ عثمانی بھی بے حد متاثر ہوئے اور فرمایا۔

"الحمد للہ، مجھے اب مرنے کی فکر نہیں ہے میرے بعد میرا جانشین پیدا ہوگیا"۔ (ماہنامہ

دلکش اندازِ خطابت

خطیب الامت حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ کے دلکش اندازِ خطابت کے جائزے کے طور پر ہم مشہور محقق و مصنف جناب ڈاکٹر قاری فیوض الرحمن صاحب کا مقالہ پیش کر رہے ہیں جو اِس موضوع پر ایک مختصر مگر جامع انداز میں تحریر کیا گیا ہے۔ اِس سلسلے میں قاری صاحب فرماتے ہیں کہ

"حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ پاکستان کے مایہ ناز خطیب اور چوٹی کے مقرر تھے ان کی علمی تقریروں اور خطبات سے ہزاروں کی کایا پلٹ ہوئی اور وہ سچے مسلمان بن گئے۔ مولانا کی تقاریر بیرونی ممالک کے علاوہ پاکستان کے طول و عرض میں بکثرت ہوا کرتی تھیں، ریڈیو پاکستان سے اُن کا درس اور خطبات نشر ہوتے تھے اور ان کی باتیں اپیل کرتی تھیں، ان کی تقریریں بڑی مؤثر ہوتی تھیں، زبان ان کی اپنی تھی، زبان ان کی اپنی تھی، صاف اور شستہ زبان میں بولتے تھے۔ آواز بھی بہت سُریلی تھی، تقریر کے دوران موقع و محل کی مناسبت سے جب کوئی آیت مبارکہ یا عربی فارسی اور اُردو کا کوئی شعر لے میں پڑھتے تھے تو لوگ عش عش کر اُٹھتے تھے اور وجد میں آجاتے تھے، ان کی تقریر کا سُن کر دُور دُور سے کھچے چلے آتے تھے، ریڈیو پاکستان پر ان کا درسِ قرآن حکیم اور تقاریر بکثرت ہوتی تھیں اور انھیں عام مسلمان شوق سے سنتے تھے۔ اسلئے جہاں کہیں مولانا کی تقریر کا اعلان ہوا ہزاروں کا مجمع ہو گیا اور حدِ نظر تک سامعین دکھائی دیتے تھے۔ ان کی تقاریر میں علمی نکات ہوتے، تقریر مربوط ہوتی، جس موضوع پر بولتے اس کا حق ادا کر دیتے، ان کی تقاریر میں عربی فارسی اور اُردو کے اشعار بکثرت ہوتے اور جس جگہ وہ شعر کو فٹ کرتے تھے یوں محسوس ہوتا تھا کہ شاعر نے اسی موقع و محل کو ملحوظ رکھ کر کہا ہے۔ ان کی تقریر میں بڑی چاشنی تھی ان کے خطبات اور تقاریر حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ کے خطبات و مواعظ سے مستفاد ہوتیں مگر زبان اور انداز مولانا کا اپنا ہوتا تھا۔

مولانا کی تقاریر بہت سنیں بعد میں ان کا قرب بھی حاصل ہوا، ۱۹۶۵ء میں نوشہرہ صدر پشاور کے جلسہ سیرت میں ان کا خطاب تھا کھلے میدان میں جلسہ کا انتظام کیا گیا تھا اور ہزاروں کا مجمع تھا تلاوت کلام پاک کی سعادت راقم الحروف کے حصہ میں آئی، مولانا کے قریب بیٹھنے اور قریب سے سننے کا موقع بھی ملا، سال ۶۵ء کا تھا سیرت کے موضوع کے ساتھ جہاد پر بھی بات ہوتی رہی، مجاہد کی شان بیان کرتے ہوئے قرآن و حدیث کے بعد شاعر اسلام ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم کے یہ دو شعر ان الفاظ سے پیش کئے، کہ علامہ اقبال نے کیا خوب چٹکی لی ہے۔

الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن

ملا کی اذاں اور مجاہد کی اذاں اور

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں

کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور

یہ دو شعر بھی پڑھے

ترقی کی نئی راہیں جو زیر آسماں نکلیں

میاں مسجد سے نکلے اور حرم سے بیبیاں نکلیں

ہم ایسی کتابیں قابل ضبطی سمجھتے ہیں

جنھیں پڑھ کر کہ بیٹے باپ کو خبطی سمجھتے ہیں

جامعہ رحیمیہ نیلا گنبد لاہور کی جامع میں ۱۹۶۹ ۔ ۷۰ء میں ایک تقریر فرمائی جس نے بہت متاثر کیا اس میں اسلام کی برتری اور سوشلزم کا رد تھا۔ خوب بولے، یہ تقریر بھی بڑی عجیب تقریر تھی، مولانا نے یہ آیت تلاوت کی۔

یاَ ایھاَ الانساَن ماغرکَ بربکَ الکریم

اے انسان۔ تجھے اپنے کریم رب کریم کے بارے میں کس چیز نے دھوکہ میں ڈال رکھا

ہے"

فرمایا کہ انسان کو انسان کہہ کر پکارنا ہی اُسے شرمندہ کرنا ہے۔ جیسے کمزور آدمی کو گاماں کہنا یا کسی بخیل کو حاتم کہنا، آگے عربی زبان کا یہ شعر پڑھا،

وَماَ سمِیَ الانسان الا لانسہٖ

وما القلب الا انہ یتقلب

کہ انسان کو اُس کے اُنس کیوجہ سے انسان کہتے ہیں اور دل کو اسلیئے کہتے ہیں کہ یہ بدلتا رہتا ہے۔ آگے فرمایا کہ"

"وہ کریم رب جس نے کرم کرنے میں کبھی بخل نہیں کیا، شکم مادر سے لے کر موت تک کوئی لمحہ اس کے احسان سے خالی نہیں رہا۔ اگر کوئی اور مخلوق بھُلا دے تو کوئی بات نہ تھی، انسان کیلئے بھلا سکتا اور ناقدری کر سکتا ہے، کریم کا لفظ اللہ کیلئے بھی استعمال ہوا ہے اور نبیؐ کیلئے بھی اور انسان کیلئے بھی، اللہ کا کرم ہے، ایک کریم کا بندہ بنایا اور دوسرے کا اُمتی، یہاں انھوں نے ایک فارسی کا یا رب تو کریم و رسول تو کریم، اور ایک عربی کا شعر پڑھا تھا۔

فرمایا کہ "روشن خیال کہتے ہیں کہ بچے کم پیدا کرو حالانکہ خلق اللہ کی صفت ہے۔ الاَ لَہُ الخلق وَالاَمر

(ساری زندگی محنت بھی کرتے ہیں چڑیا کا بچہ بھی پیدا نہیں ہوتا، "خلق" انسان کے بس کی بات نہیں۔

لَقَد خَلَقنَا الانسَانَ فی اَحسنِ تَقوِیم

(کہ ہم نے انسان کو بہترین انداز میں پیدا کیا ہے۔)

انسان سب مخلوقات میں سب سے زیادہ حسین ہے، چاند میں چمک تو ہوتی ہے مگر بادرم جیسی آنکھیں کہاں، انسان چاند سے زیادہ حسین ہے۔ ایک وقت جبکہ کرزن وائسرائے تھا اس کا فیشن۔ کرزن فیشن کے طور پر اپنایا گیا، مونچھ کی مکھی سے امتیاز ہوتا تھا، ایک شخص حجام کے پاس گیا، حجام ایسا ظالم تھا کہ انہی جیسی حجامت بنادی جو کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا تھا اس شخص نے استفسار پر بتایا کہ

کچھ تو فیشن کا تصدق کچھ کرم حجام کا
رفتہ رفتہ میری صورت ان کی صورت ہوگئی

آج ماں باپ کو اگر بچہ رات کی تاریکی میں دیکھے تو امتیاز نہیں کرسکتا، نشانی اور امتیاز مٹادیا جائے تو دونوں ملتوں میں فرق نہیں رہتا، اسلام میں سب سے زیادہ اہم عبادت نماز ہے۔ نماز کی روح ہے سجدہ، سجدہ کیا ہے کہ سر کو جھکاتے جھکاتے اتنا جھکایا جائے کہ آگے جگہ ہی نہ رہے، سجدہ اُسے کہتے ہیں کہ پہلے تم سر کو اتنا اونچا کرو کہ اور اونچا کر نہ کرسکو اور پھر اتنا نیچا کرو کہ اور نیچا نہ کرسکو، ایک حدیث میں ہے کہ جب بندہ سجدہ کرتا ہے تو اس کا سر اللہ کے قدموں میں ہوتا ہے، طلوعِ آفتاب، زوال اور غروب آفتاب کے وقت اگر کوئی سر جھکادے تو حرام ہے اس لئے کہ ان اوقات میں مشرکوں کی ایسی قوم بھی ہے جو عبادت کرتی ہے، اس وقت سجدے کی اجازت نہیں دی، امتیاز رکھنے کیلئے سجدے کو حرام قرار دیا، ملتوں میں امتیاز پیدا کیا ہے، دین و مذہب میں بھی امتیاز پیدا کیا ہے، اسلامی غیرت پیوند کاری قبول نہیں کرتی، آداب کلام قرآن کریم نے سکھائے ہیں، حضرت حکیم الامت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ نے مشرک باپ کیلئے مناظرہ کرتے ہوئے تہذیب کا دامن ہاتھ سے جانے نہیں دیا، ابّا جان

اے اباجان،۔ یاَیھَا الذین اٰمَنُوہ تَقولو راعِنا وَ قولو اُنظرنا

راعنا کے اندر ایک معنیٰ رعایت سے لحاظ کے ہیں اور ایک رعونت ۔۔۔۔۔ چرواہا

لیاً بالسنتنھم و طعناً فی الدّین اس لفظ کے کہنے سے روک دیا، عیسائیت میں پادری اور راہب ہے اور اسلام میں عالم اور مسلم دونوں الفاظ کی رعایت فارحبون اور فاتقون میں رکھی گئی ہے

جس طرح اسلامی گرجا، اسلامی پادری نہیں ہوسکتا اسی طرح اسلامی سوشلزم نہیں ہوسکتا، اسلام ہی ایسا غیرت والا دین ہے کہ نہ کسی کے الفاظ استعمال کر سکتا ہے، نہ اخلاق، جس طرح اللہ نے مخلوق میں امتیاز رکھا ہے اسی طرح دین و ملتوں میں رکھا۔

کہتا ہوں وہی بات سمجھتا ہوں جسے حق
میں زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

سوشلزم کا پیوند اسلام کے ساتھ ریشم اور ٹاٹ کے پیوند کی طرح ہے کہا جاتا ہے کہ لباس سے نصرانی نہیں ہوجاتے ۔۔۔۔۔ اگر آپ اپنی بیگم کا غرارہ اور دوپٹہ ایک مہینہ پہنیں گے تو یقین جانیے کہ نسوانی اوصاف آجائیں گے"۔

مولانا تھانوی مرحوم کی تقاریر جو باغ جناح ایبٹ آباد میں ہوئیں وہ بھی تاریخی تھیں اور اُن کا وہ خطبہ جو اُنھوں نے شاہ خالد کی آمد پر کراچی میں لاکھوں فرزندانِ توحید کے سامنے دیا تھا وہ ہمیشہ یاد رہے گا۔ اس کی تعریف تو شاہ خالد مرحوم نے بھی کی تھی، مولانا اپنی تقاریر کے سلسلہ میں کسی سے کچھ نہیں لیتے تھے بلکہ اللہ نے انھیں سبھی کچھ دیا تھا اور وہ اوروں کو دیتے تھے۔ جامعہ خیرالمدارس ملتان، جامعہ اشرفیہ لاہور کے سالانہ جلسوں میں جو تقریریں مولانا کی ہوتی تھیں وہ بھی علمی و تاریخی حیثیت کی ہوتی تھیں۔ مولانا جامع مسجد جیکب لائنز کے خطیب تھے آخر تک خطبۂ جمعہ آپ ہی دیتے رہے اُسی مسجد میں رمضان المبارک میں قرآن مجید بھی سُنانے کا معمول تھا بڑے سکون سے تراویح میں قرآن پڑھا کرتے تھے دور دور سے لوگ آکر اُن کا قرآن مجید سُنا کرتے، لوگ اُن کے گردیدہ تھے۔ ان کی تلاوت کئے ہوئے مکمل تیس ۳۰ پارے آج بھی ہر جگہ کے کیسٹوں کی صورت میں دستیاب ہیں یہ ریکارڈ سُن کر مولانا کی یاد تازہ ہوتی ہے غرض مولانا فنِ خطابت سے خوب آشنا تھے بلکہ اس فنِ خطابت میں اپنے وقت کے امام تھے، فنِ خطابت گویا گھٹی میں پڑا تھا ان کی تقریر سُن کر مخالفت اپنے اور اپنے اور اپنے بن جاتے تھے اُن کا باوقار روجیہ چہرہ ہمیشہ آنکھوں کے سامنے رہے گا وہ عمدہ لباس پہنتے تھے اور عمدہ خوشبو استعمال میں لاتے تھے، زمانہ میں خطیب پیدا ہوتے رہیں گے مگر مولانا تھانویؒ جیسے پیدا نہ ہونگے وہ خطابت سیرت ہی کے سلسلے میں داصل بحق ہوئے امداد اللہ اور اسکے رسولؐ کے دین کی دعوت دیتے ہوئے اُن کا وصال ہوا، اللہ تعالیٰ درجات بلند فرمائے۔ آمین"۔

وجد آفرین قرات

مولانا محمد یوسف لدھیانوی فرماتے ہیں کہ"۔

" حق تعالیٰ شانہ نے مولانا تھانوی رحمتہ اللہ علیہ کو بہت سی خوبیوں سے نوازا تھا جن میں وہ قاریٔ قرآن تھے ان کی آواز کانوں میں رس گھومتی تھی اور مترنم آواز میں قرآن مجید کی تلاوت کرتے تلاوت وجد آفرین تھی۔ وہ بے بدل خطیب تھے ان کا طرزِ بیان لب لہجہ اور اندازِ تکلم بڑوں کیلئے لائق صدر شک تھا مولانا کا طرزِ تلاوت حکیم الامت تھانویؒ جیسا اور اندازِ خطابت شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ جیسا تھا وہ مشکل سے مشکل موضوع کو حکایت و تمثیل کے پیرائے میں بڑی آسانی سے ذہن نشین کرادیتے تھے، ان کے خطبۂ جمعہ کیلئے لوگ دور دور سے کشاکشاں آتے تھے، سالہاسال تک ریڈیو پر ان کا درسِ قرآن ہوتا رہا جسے لوگ بڑے ذوق و شوق سے سنتے تھے ان کی زندگی قرآن حکیم کی خدمت اور تبلیغ دین میں گزری اور بے شمار لوگوں نے ان سے استفادہ حاصل کیا حق تعالیٰ ان کو رحمت و رضوان کی نعمتوں سے مالا مال فرمائے آمین"

شیخ الحدیث مولانا محمد مالک کاندھلوی فرماتے ہیں کہ"

"اللہ تعالیٰ نے مولانا کو بڑی فیاضی سے شریں نوائی اور خوبصورت لحن سے نوازا تھا۔ آپ حافظِ قرآن اور قاریٔ قرآن تھے اور قرآن کریم پڑھنے کا انداز ایسا تھا کہ ایک ایک لفظ قلب کی گہرائی میں اُترتا ہوا موتی کی طرح صاف و شفاف واضح طور پر دائرہ فہم میں آتا کہ مولانا نے کیا لفظ ادا کیا ہے، قرآن کریم ہو۔ حدیثِ نبویؐ ہو، اردو فقروں میں روایت فرما رہے ہوں یا مثنوی مولانا رومؒ پڑھ رہے ہوں، ہر موقع پر صحت لفظی کا پورا اہتمام، حسنِ بیان، سوزِ قرات اور فصاحتِ کلام کے ساتھ نپی تلی گفتگو بھی شگفتہ اور بلیغ ہوتی تھی، قرآن کریم پڑھتے تو معلوم ہوتا کہ ابھی نازل ہو رہا ہے غرض وہ اپنے لہجہ اور قرات میں اپنی نظیر آپ تھے" (تذکرہ خطیب الامت)

اوصاف و کمالات

اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندوں سے کچھ کام لینا چاہتے ہیں اور ان کو کسی شرف سے نوازتے ہیں تو فطری طور پر کچھ ایسے کمالات اُن کو عطا کر دیئے جاتے ہیں جن کی وجہ سے وہ مسلسل جادہ ترقی پر گامزن رہتے ہیں، ایام و سنین گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کے فطری محاسن و کمالات میں برابر اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے اور ان کی پرورش میں وہبی امور کا بھی دخل ہوتا ہے۔ حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمتہ اللہ علیہ پر بھی اللہ تعالیٰ کا یہ فضل و کرم شامل حال رہا کہ حق تعالیٰ نے ایسے فطری محاسن و کمالات سے نوازا

تھاکہ جن کی وجہ سے آپ کی زندگی میں ایک عجیب حُسن اعتدال اور کیف محسوس ہوتا تھا، مختلف ظاہری وباطنی کمالات حاصل کرنے کیلئے کسی جدوجہد کے ساتھ اگر فطری و دستی استعداد بھی جمع ہوجائے تو پھر انسان نور کیوں نہ ہوجائے گا۔

شیخ الحدیث مولانا محمد مالک کاندھلویؒ فرماتے ہیں کہ"

"مولانا تھانوی مرحوم ان گرامی قدر اور عظیم شخصیات میں سے تھے جو ابتداء ہی سے مخصوص و مؤثر طور پر نشوونما پاتی ہیں اور اپنی نوعمری کے باوصف ممتاز ہوتی ہیں، زندگی کے ہر دور میں خداداد صلاحیتوں کی بنار پر ان بلند و بالا سطح پر جانے والی شخصیتوں میں ایک ایسی انفرادیت ہوتی ہے اور اس زمانہ میں ان کا اپنا ایک ایسا درجہ ہوتا ہے جس کو قلوب عام طور پر محسوس کرتے ہیں، ان کا یہ امتیاز، وقار کسب کا زیادہ مرہونِ منت نہیں ہوتا اگرچہ تحصیل استعداد کے بارے میں کسب ہنر کے عام ضابطہ سے اس کی نفی بھی نہیں کی جاسکتی ہے مگر علوم و فنون کے کمالات سے آشنا ہوتے ہوئے مجموعی اعزاز اور عمومی امتیاز حرف وہبی اور عطیۂ خداوندی ہوتا ہے، اس میں ہرگز شک نہیں کہ حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی طالب علمی کے دور میں کافی محنت فرماتے تھے چنانچہ وہ دورہ حدیث اور اس کے بعد فنون میں سے اول آئے اور اس محنت اور مطالعہ کا سلسلہ بعد میں بھی جاری رہا میں نے خود حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے پاس مختلف علوم و فنون کی اس قدر ذاتی کتابیں دیکھی ہیں کہ ان کو ایک بڑے کتب خانے سے تعبیر کیا جاسکتا ہے لیکن ان کی شخصیت کی علمی ہمہ گیری اس محنت و سعی سے کچھ ماوراء ہی تھی، یہی وجہ ہے کہ وہ پہلے ہی سے اذہان اور افکار پر چھاگئے تھے ان کا شمار شروع ہی سے دارالعلوم دیوبند کے نمایاں اور باصلاحیت طلبار میں ہوتا تھا اور وہ صلاحیت کے اس منتہائے کمال پر تھے کہ خود طالب علم ہوتے ہوئے طلبار ان کے معتقد و مداح تھے، حضرت مولانا مرحوم کو اللہ تعالیٰ نے وہبی اور فطری اخلاق و ملکات کے مقامات عالیہ عطا فرمائے تھے کہ ریاضت و مجاہدات کے بعد بھی ان کا حاصل ہوجانا ناقابلِ فخر اور وجہ شرف ہے اس علم و فضل اور شرف و کمال کے ساتھ انکسار و تواضع اور حق گوئی و بیباکی ایک فطری کرامت تھی۔ حضرت مولانا کی حیات خلقِ اسلامی کا نہایت پاک وصاف مرقع تھی، غیرت و مروت، حیار و تواضع، حلم و ایثار، سخاوت و فراخدلی اور بلند نگاہی حضرت مولانا میں بالطبع موجود تھی، تنگ نظری، سخت مزاجی اور تعصب وغیرہ ایسی چیزیں ان کیلئے اجنبی اور مکروہ تھیں اور اخلاق و اوصاف میں سلف صالحین کی یادگار تھے اور ان کا علم و فضل زہد و تقویٰ اور خلوص وہلیت بے نظیر تھا"۔ (تذکرہ خطیب الامت)

حضرت علامہ خالد محمود صاحب فرماتے ہیں کہ"

"خطیب ملت حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت ایسی دلنواز، ایسی حیات افروز، ایسی باغ و بہار اور دلکش شخصیت تھی جس کا احاطہ کرنا مشکل ہے آپ کی ذاتِ گرامی حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی مجسم یادگار تھی، آپ حضرت شیخ الاسلامؒ کے علمی و سیاسی جانشین اور ترجمان تھے، خطابت کے تو وہ شہنشاہ تھے مگر علم تفسیر میں بھی ید طولیٰ رکھتے تھے۔ ان کی قوت حافظہ، وسعتِ مطالعہ، ان کی شیریں بیانی، اندازِ خطابت، حُسنِ قرات، وسعت نظر رواداری، دین کیلئے اُن کا جذبۂ اخلاص وللہیت، اندازِ زندگی میں نفاست، ان کا ذوقِ مہمان نوازی، ان کی باغ و بہار مجلسیں، ان کے عالمانہ لطائف و ظرائف، انُ کا لب ولہجہ، حق گوئی و بیباکی اور جرات واستقامت ایسی صفات ہیں جن کو بھلایا نہیں جاسکتا، حضرت مولانا تھانویؒ کو اللہ تعالیٰ نے حق کے معالے میں غیرت و شدت کا خاص وصف عطا فرمایا تھا اور اپنی انفرادی زندگی میں نہایت نرم، شفیق اور شگفتہ تھے، باطل نظریات کے بارے میں شمشیر برہنہ تھے اور اس معاملہ میں نہ کسی مداہنت یا نرم گوشیکے روادارے تھے اور نہ مصالح کو اہمیت دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے مولانا سے بڑا کام لیا، انکارِ حدیث کا فتنہ ہو یا تجدد اور قادیانیت کا، مودودیت کا ہو یا سوشلسٹ و کیمیونسٹ کا، مولانا ہمیشہ ان کے تعاقب میں پیش پیش رہے اور باطل نظریات کی برملا تردید کرتے رہے اور تحریر و تقریر کے ذریعے ہمیشہ کلمۃ الحق کا فریضہ انجام دیتے رہے"۔

مولانا سید عبدالقادر آزاد فرماتے ہیں کہ"

"مولانا تھانوی مرحوم اپنی ذات میں ایک انجمن تھے وہ بیک وقت ایک جلیل القدر مفسر بھی تھے اور قابلِ ترین محقق بھی ایک مایہ ناز خطیب بھی تھے اور اعلیٰ درجہ کے مصنف بھی، ایک شیخ وقت بھی تھے اور عارفِ کامل بھی، ایک عظیم الشان مدبر و منتظم بھی تھے اور ایک عظیم مجاہد بھی غرض اللہ تعالیٰ نے مولانا کو بہت سے اوصاف و کمالات سے نوازا تھا، قد و قامت، شکل و صورت، قوت و صحت، شجاعت و جرات، فراست و نورِ ایمانی، غیرت و حمیت، ذہانت و ذکاوت، شدت احسان، رقت، عواطف و جذبات کا تلاطم، بلندئی آواز خوش کلوئی، قرآن کریم کے ساتھ قلبی تعلق اور استحضار، ہر موضوع پر منتخب ترین اردو فارسی عربی اشعار کے عمدہ ذخیرہ کا استحضار، دردناک اور شیریں آواز کے ساتھ قرآن کا پڑھنا، مخالفین کے مجمع پر قبضہ کرنا، عالم و جاہل مرد و عورت موافق و مخالف سب کا یکساں متاثر ہونا یہ اُن کی وہ خصوصیات ہیں ان میں کوئی ہمسری نہیں کرسکتا، حاضر جوابی، بذلہ سنجی اور نکتہ آفرنی میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے، زبان و بیان پر حیرت انگیز قدرت حاصل تھی اور اپنی ساحرانہ خطابت و قرات سے لوگوں کو مسحور کر لیتے تھے، فضا میں سماں چھا جاتا اور سامعین پر وجد کی کیفیت طاری ہوجاتی تھی غرضیکہ بہت سی

خوبیوں کے تنہا مالک تھے اللہ تعالیٰ اپنی رحمتیں فرمائیں"۔ (تذکرہ خطیب الامت)

سراپا حُسن و جمال

اللہ تعالیٰ نے خطیب اسلام مولانا تھانوی نور اللہ مرقدہ کی ذاتِ اقدس کو ظاہری و باطنی وافر حُسن و جمال سے آراستہ و مزین فرمایا تھا وہاں انھیں حُسن و جمال کا پاکیزہ اور اعلیٰ ذوق اور قوی احساس بھی مرحمت فرمایا تھا چنانچہ اس کا اظہار و انکشاف آپ کی صورت و شکل، وضع قطع، رفتار و گفتار، نشست و برخاست نیز آپ کے لباس و پوشاک خورد نوش، میل ملاپ، لین دین، تعلیم و تعلم اور نظم و ضبط وغیرہ ہر چیز سے ہوتا تھا لہٰذا آپ اندر ایک شان محبوبیت تھی جو سلیم الفطرت انسان آپ سے ملتا، آپ کی مجلس میں بیٹھتا اور گفتگو سنتا وہ ضرور فریفتہ اور گرویدہ ہو جاتا اور آپ کی نورانی شخصیت کا اس کے دل و دماغ پر ضرور اثر پڑتا، ناممکن تھا کہ کوئی اخلاص کے ساتھ آپسے ملے اور پھر آپ کے حسنِ اخلاق سے متاثر نہ ہو بلکہ بعض دفعہ طرف آپ کو دیکھنے ہی سے دل و دماغ پر نہایت خوشگوار اثر مرتب ہوتا اور آدمی مرعوب ہو جاتا تھا"۔

مولانا سید عبدالسان شاہد، مولانا تھانوی کا سراپا بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ"

"بالا و بلند و سرو قدو خوش طراز، خوش خو، خوش گلو، خوش انداز و خوش ادا، شعر سا ایک جائے۔ آواز تو دیکھو لحن داؤدی، نہایت خوش طبع، بڑے نستعلیق بہت نفاست پسند اور صاف ستھرے انسان جسے وجاہت ظاہری سے حصہ وافر ملا جو دولت باطنی سے بھی مالا مال ہوئے۔ علم میں یکتا، عمل میں منفرد، وضع میں ممتاز، تقریر و خطابت میں سحر طراز، نکتہ نواز، حکیم الامت تھانویؒ کے عزیز، شیخ الاسلام کے معتمد علیہ، علامہ ظفر کے جانشین، حق و صداقت کے علمبردار، باوقار، ملنسار، حسنِ صورت و حسنِ سیرت میں بے مثال، ایک عظیم مفسرِ قرآن، شیرینِ بیان مقرر، بہترین محقق و متکلم، اخلاقِ حسنہ کا مجسمہ اور پاکستان کے خطیب اعظم نفیس طبیعت، خوشبوؤں میں معطر سراپا اسفید لباس، اعلیٰ قسم کی صدری اور پاجامہ میں ملبوس سر پر سفید گول ٹوپی، کاندھے پر عمدہ قسم کا رومال، چہرہ نورانی خندہ پیشانی۔ سجیلا بدن ذی وقار و ذی شان، عالمی مرتبت شخصیت اور علم و عمل کا شاہکار کریم النفس انسان نسباً صدیقی، حسباً فاروقی اور مسلکاً حنفی مشرباً دیو بندی نامِ نامی اسمِ گرامی احتشام الحق تھانویؒ" (روزنامہ جنگ کراچی)

اخلاق و عادات

خطیب الامت حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے اخلاق و عادات بہت بلند تھے اور اللہ جلہ جلالیٰ نے اسی لیئے آپ کو محبوب خاص و عام بنایا تھا، ظاہری حُسن و جمال بھی بلاشبہ آپ کا

مثالی تھا لیکن جو چیز دل و دماغ کو متاثر کر کے آپ کا خادم بنانے پر مجبور کرتی تھی وہ آپ کے اخلاقِ حسنہ اور مکارم شیئم تھے، طہارت و لطافت، شرم و حیا، حمیت و غیرت، دینی خودداری جود و سخا، زہد قناعت، جرات و استقامت، کرم و مروت، علم و حلم، صبر و استقلال، عفو و صلح، ورع و تقویٰ، صدق و صفا، لطیف ودفا، غنا و استغفار خوش مزاجی و خوش گفتاری، دلداری و ملنساری، قدردانی و رتبہ شناسی الغرض فاضلانہ، کریمانہ اور مومنانہ اخلاق و عادات کی فہرست میں سے کوئی بھی عنوان لیجئے حضرت خطیب الامت کی کتاب زندگی میں اس کے گہرے اور واضح نقوش خوب نظر آئیں گے۔

جناب سید مولانا عبدالقادر آزاد فرماتے ہیں کہ "

"حضرت مولانا تھانوی اپنے علم و عمل اور نیکی و راست گفتاری کے باعث ملت اسلامیہ کیلئے ایک مینارہ نور تھے، اُن کی علمی بصیرت و فراست بے مثال تھی۔ اخلاق حسنہ کے بلند معیار پر فائز تھے، اخلاقِ نبوی علی صاحبہا الصلواۃ والسلام کا ایک جامع نمونہ تھے، علوم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے جس قدر حامل تھے اُسی قدر ان پر عامل بھی تھے اِنما یخشی اللہ من عبادہ العلماء کی صحیح تفسیر اور مکمل مصداق تھے، بڑوں کا ادب، چھوٹوں پر شفقت اور ہمعصروں کی عزت کرنا مولانا مرحوم کا فطری شعار تھا، ناداروں اور غریبوں کی امداد کرنا دوسروں کو اپنے پر ترجیح دینا، ایثار سخاوت، دلجوئی و غمخواری غرضیکہ تمام اخلاقِ حسنہ کا آپ مجسم پیکر تھے اور علم و فضل، زہد و تقویٰ اور سادگی و تواضع کا نہایت دلکش مجسمہ تھے۔ طبیعت اس قدر باغ و بہار تھی کہ اُن کے پاس بیٹھنے والا بھی باغ و بہار ہو جاتا تھا ان کو دیکھ کر قلب کو تازگی اور رُوح کو بالیدگی نصیب ہوتی تھی۔

بہت لگتا تھا جی صحبت میں اُن کی

مولانا کی طبیعت میں نفاست بہت زیادہ تھی، صاف ستھرا لباس زیب تن فرماتے جو عمدہ خوشبو میں معطر ہوتا تھا، ہمیشہ کُرتا پاجامہ پہنتے اور اُوپر اعلیٰ قسم کی صدری ہوتی تھی، سر پر سفید گول ٹوپی اور کاندھے پر عمدہ قسم کا رومال ہوتا تھا، وجیہہ نورانی چہرہ تھا باوقار ملنسار شخصیت کے مالک تھے اور اپنے اوصاف و خصائل میں سلف صالحین کا عین نمونہ تھے"

زہد و تقویٰ

حضرت مولانا تھانویؒ کی زندگی کا بیشتر حصہ درس و تبلیغ میں گزرا، تبلیغ و اشاعت کے ساتھ ساتھ عمل اور زہد و تقویٰ کے نمایاں پہلو تھے، اتباعِ سنت کا مجسم پیکر تھے اور خلوص و للہیت میں قرونِ اولیٰ کی مثال تھے، اپنے اخلاق و اوصاف میں منفرد تھے، خوش خلقی، لبوں کی مسکراہٹ، مہمان

نوازی، علمار کی قدر و منزلت، اکابر کے مسلک و مشرب پر سختی سے پابندی چہرہ پر فکرِ آخرت، خوفِ خدا، تقویٰ و طہارت اور متانت و وقار ایسے نمایاں اوصاف تھے جن سے کوئی انکار نہیں کر سکتا، ادا ادا سے علم جھلکتا اور ہر عمل سے زہد و تقویٰ اور اتباعِ سنت کا اظہار ہوتا تھا، مولانا کے نورانی چہرہ پر علم و وقار کے ساتھ مسکراہٹ اور بشاشت ہوتی تھی ان کے لبوں کی مسکراہٹ، متبسم نگاہیں اور مسرور چہرہ ہر شخص کیلئے بڑی کشش کا باعث ہوتے تھے، آپ بڑے عالی وقار اور عالی اخلاق تھے، چھوٹے بڑے سے ایسے پیش آتے کہ کبھی کسی کو شکایت کی نوبت تک نہیں آئی، زندگی میں ہر قسم کے لوگوں سے واسطہ پیش آیا، مخالفوں کی زیادتیوں کو برداشت کرتے رہے مگر کیا مجال کہ زبان سے کوئی ایسی بات نکل ہو جس سے دوسروں کی دلشکنی ہوتی ہو، ہر کسی سے انتہائی نرمی اور حُسنِ اخلاق سے پیش آتے تھے یہی وجہ ہے کہ پوری دنیائے اسلام میں آپ کے متعلقین و معتقدین پھیلے ہوئے ہیں اور ہر ایک ملک اور ہر شہر و بستی میں آپ کے چاہنے والے موجود ہیں اور ان کے متعلقین کیلئے آج اُن کی حیاتِ طیبہ کا ایک ایک پہلو قابلِ تقلید ہے اور اُن کی علمی، دینی اور تبلیغی خدمات ہمیشہ یادگار رہیں گی۔

پروفیسر خلیل احمد صاحب لکھتے ہیں کہ "

" مولانا تھانوی مرحوم اپنے علم و فضل، اخلاق و عادات اور زہد و تقویٰ میں اسلاف کی یادگار تھے، خلوص، توکل، دیانت، امانت صداقت شرافت اُن کے خاص اوصاف تھے، نہایت رقیق القلب اور رحمدل تھے، اُن کا دل اللہ کی عظمت اور رسولِ اکرم کی محبت سے لبریز تھا، عباداتِ الٰہی میں بڑے ذوق و شوق سے مشغول رہتے اور نمازیں انتہائی خشوع و خضوع سے پڑھتے تھے رمضان المبارک میں تو سراپا عبادت بن جاتے تھے آپ ایک مفسر و فقیہہ بھی تھے اور ایک مفسر و فقیہہ کیلئے کسی آیت کی تفسیر لکھنے یا فتویٰ صادر کرنے سے پہلے محتاط اقدام کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ احتیاط تقویٰ کے بغیر ناممکن ہے اور مولانا تھانویؒ یقیناً اس قسم کے تقویٰ سے متصف تھے "

شانِ استغناء اور عالی ظرفی

مولانا تھانوی مرحوم عالی ظرفی اور شانِ استغناء میں بھی اپنی نظیر آپ تھے، ریاضت و عبادت اور تقویٰ و طہارت میں اپنے اکابر کا نمونہ تھے اس سلسلہ میں حضرت مولانا حافظ نذیر احمد صاحب فرماتے ہیں کہ " ۔

" مولانا احتشام الحق تھانویؒ مرحوم نہایت عالی ظرف اور وسیع المشرب انسان تھے ان کے حلقۂ احباب میں مولانا عبد الحامد بدایوانی "، مولانا داؤد غزنویؒ اور علامہ نصیر الاجتہادی مرحوم کے نام بھی

شامل ہیں وہ نہایت حیادار اور مستغنی صفت اور بامروت انسان تھے، دوستوں، ماتحتوں اور زیر دستوں کی لغزشوں سے صرفِ نظر فرماتے اور اُن کی حیا چشمی کا یہ عالم تھا کہ وہ اپنے بد ترین مخالف سے بھی کوئی ایسی بات نہ کہتے جو اس کی دل آزاری اور رنجشِ خاطر کا باعث بنے یہاں میں ایک واقعہ جو خود میری ذات سے متعلق ہے، عرض کرنا چاہتا ہوں جس سے مولانا کی وضع داری اور بلند اخلاقی اور عالی ظرفی کا اندازہ ہوتا ہے، جن دنوں قومی تحریک زوروں پر تھی میری ہمدردیاں قومی اتحاد کے ساتھ تھیں جبکہ مولانا قومی اتحاد کے اس بھان متی کے کنبے کے سخت مخالف تھے، عیدالفطر کے موقع پر جیکب لائنز کی جامع مسجد میں قومی اتحاد کی کامیابی کے لئیے میں نے دُعا کی، عیدین کی نماز اس مسجد میں ہی پڑھاتا ہوں جبکہ مولانا مرحوم عیدین کی نماز نشتر پارک میں پڑھایا کرتے تھے۔ مولانا تھانوی مرحوم کے چند عقید تمندوں کو نماز عید کے اجتماع میں کھل کر میری طرف سے قومی اتحاد کی حمایت سخت ناگوار گزری اور انھوں نے مولانا سے اس کی شکایت کی، مجھے جب اس کی خبر ملی تو میں نے سوچا کہ خود مولانا سے مل کر اپنے طرز عمل کی معذرت پیش کروں، چنانچہ میں نے ایک دن تنہائی میں اُن سے گذارش کی کہ وہ اگر مجھ سے ناراض ہیں تو میں اس کے لئیے معافی کا خواستگار ہوں، فرمانے لگے، حافظ صاحب۔ میں آپ کو اپنا بڑا بھائی سمجھتا ہوں اور میرے دل میں آپ کا بڑا احترام ہے اگر کوئی اور بھی ہوتا تو مجھے ذرہ بھر ملال نہ ہوتا مجھے یہ حق کہاں پہنچتا ہے کہ میں کسی شخص کے نظریات پر پابندی لگاؤں، میں جانتا ہوں کہ جیکب لائنز کی اس مسجد اور اس کے مدرسہ کے عملے کے میرے بارے میں کیا خیالات ہیں اور ان کی سیاسی وابستگی سے بھی میں بخوبی واقف ہوں۔ لیکن بخدا مجھے کسی سے مطلقاً شکایت نہیں ہے، ہر شخص کو اپنے سیاسی نظریات میں کھلی آزادی ہے"

ایک اور واقعہ جو مولانا تھانوی مرحوم کی شانِ استغنار سے تعلق رکھتا ہے چونکہ اس واقعہ سے بالواسطہ میرا بھی تعلق رہا ہے اسلئیے اس کا ذکر بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا، راولپنڈی میں میرے ایک دوست قاری محمد امین ہیں وہ ایک دینی مدرسہ کے مہتمم ہیں انھوں نے مجھے لکھا کہ فلاں تاریخوں میں میرے مدرسہ کا سالانہ جلسہ منعقد ہو رہا ہے۔ آپ مولانا سے عرض کریں کہ وہ اس جلسہ میں شرکت منظور فرمالیں، میں نے اس سلسلہ میں مولانا سے عرض کیا، مولانا نے میری درخواست منظور فرمالی اور پنڈی پہنچ کر جلسہ میں شرکت فرمائی اور اپنی تقریر سے حاضرین کے دلوں کو گرمایا، تقریر سے فارغ ہو کر جب مولانا کار میں بیٹھ کر اپنی قیام گاہ کیلئے روانہ ہونے لگے تو مہتمم صاحب نے لفافہ میں بند کر کے رقم مولانا کی خدمت میں پیش کی مولانا نے کہہ کر رقم لینے سے انکار کر دیا کہ وہ تقریر کا معاوضہ نہیں لیتے اور اسے حرام سمجھتے ہیں، انھوں نے بار بار اصرار کیا تو مولانا بگڑ گئے اور انھیں سختی سے جھڑک دیا، مہتمم صاحب

کا خط میرے نام آیا، جس میں انھوں نے مولانا کی ناراضگی اور برہمی مزاج کا ذکر کیا اور معافی کی درخواست کی، میں نے وہ خط مولانا کی خدمت میں پیش کیا، فرمانے لگے " میری طرف سے بھی معذرت کا اظہار کردیں کہ میں نے ان کیلئے سخت الفاظ استعمال کئے تھے "

مولانا کبھی کسی تقریر کا کوئی معاوضہ نہیں لیتے تھے بلکہ اپنی طرف سے بھی دینی مدارس اور مساجد میں عطیات دیتے رہتے تھے، مولانا کبھی کسی کا احسان نہیں رکھتے تھے کوئی اُن کے ساتھ حُسنِ سلوک سے پیش آتا تو اس سے دس گنا زیادہ حُسنِ سلوک کا مظاہرہ فرماتے، ذاتی تعلقات میں اپنی طرف سے کبھی بگاڑ پیدا نہ ہونے دیتے تھے، کوئی برائی کرتا تو ان کی کیفیت یہ ہوتی کہ بدی کرتا ہے دشمن اور ہم شرمائے جاتے ہیں "

امیر و غریب سے یکساں سلوک

مولانا حافظ نذیر احمد صاحب آف کراچی فرماتے ہیں کہ "

" مولانا احتشام الحق تھانویؒ نہایت کشادہ دل اور کشادہ دست انسان تھے اور مستحقین کی یوں مدد کرتے کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوتی بالخصوص علماء کے ساتھ ان کا رویہ تو بہت ہی نیاز مندانہ تھا اور وہ اہلِ علم کی ہر قسم کی خدمت کیلئے سربستہ رہتے تھے مجھے بارہا ان کے ساتھ بڑے بڑے لوگوں کی مجلسوں اور محفلوں میں جانے کا اتفاق ہوا وہ ہمیشہ ہر مجلس و محفل میں اسی طرح عزت احترام سے پیش آتے جس طرح اُن کا ہمیشہ کا معمول تھا، بارہا مشاہدہ کیا کہ وہ اپنے پرائے اور امیر و غریب سے یکساں سلوک فرماتے تھے اور ہر ملنے والے سے ہمیشہ خندہ پیشانی سے ملتے تھے، بہت جانتے ہیں کہ وزراء حکام اور دوسرے بڑے لوگ شادی بیاہ میں مولانا تھانوی مرحوم کو خاص طور پر مدعو کیا کرتے تھے اور اکثر اخبارات و رسائل میں یہ تصاویر شائع ہوتی تھیں کہ مولانا احتشام الحق تھانوی نکاح پڑھا رہے ہیں، لوگوں کو یہ بھی علم ہے کہ جیسے مولانا مرحوم تقریر کا معاوضہ نہیں لیتے تھے ایسے ہی کبھی بھی کسی شادی بیاہ کی تقریب میں کوئی معاوضہ نہیں لیا، امیر گھرانہ ہو یا غریب خاندان وہ سب کو ایک جیسا سمجھتے تھے اور کسی سے کوئی ایک پائی پیسہ نہیں لیتے تھے جو چاہتا ان کو نکاح کیلئے لے جاتا، کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ انھوں نے ایک دن میں دس دس بارہ بارہ نکاح پڑھائے، مولانا کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ کوئی خالی ہاتھ نہ جائے اور ناراض نہ ہو، ایک مرتبہ ایک بہت سیٹھ نے اپنے بیٹے کی شادی میں مولانا کو مدعو کیا اور درخواست کی کہ وہ نکاح پڑھائیں، مولانا نے رضامندی ظاہر کردی اور نکاح کا وقت معلوم کیا۔ انھیں بتایا گیا کہ بعد نمازِ عصر نکاح ہے اور مغرب تک واپسی ہوجائے گی، مولانا نے سیٹھ صاحب سے کہا کہ وہ ان کو گھر سے لے

جانے کیلئے سواری بھیجدیں، سیٹھ نے چھ بجے کار بھیجنے کا وعدہ کیااور رخصت ہوگئے، ان کے جاتے ہی ایک غریب شخص مولانا کے مکان پر پہنچا، اس کے بھائی کی شادی تھی اور وہ چاہتا تھا کہ مولانا نکاح پڑھائیں اور اس نے بتایا کہ مغرب سے پہلے نکاح ہوگا وہ مولانا کو ذرگ کالونی لیجانا چاہتا تھا، مولانا نے اس سے بھی حامی بھرلی اور کہا کہ ہم ایک نکاح پڑھا کر مغرب سے پہلے واپس آجائیں گے تم سواری لے آنا، ہم تمہارے ساتھ چلے چلیں گے۔ وہ شخص مولانا کو دُعائیں دیتا ہوا رخصت ہوگیا، مقرر تاریخ کو مولانا شام کے وقت تیار ہوگئے اور سیٹھ صاحب کی کار آتے ہی نکاح پڑھانے چلے گئے جہاں انھوں نے یہ بات واضح کردی کہ وہ ایک دوسرا نکاح پڑھانے بھی جائیں گے اسلئے ان کو فوراً رخصت کردیا جائے۔

چنانچہ سیٹھ صاحب نے صرف پانچ منٹ میں نکاح خوانی کا انتظام کیااور مولانا کو کار میں واپس اُن کے گھر بھیجدیا، جب وہ اس عالیشان کار سے اپنے گھر کے سامنے اُترے تو دوسرا شخص موجود تھا وہ غریب آدمی تھا اور رکشا ڈرائیور تھا وہ مولانا کو لے جانے کیلئے اپنی رکشالایا تھا جس میں ایک شخص پہلے سے بیٹھا تھا۔ اس نے مولانا کو سلام کیااور وعدہ یاد دلایا مولانا مرحوم کسی پس و پیش کے بغیر فوراً رکشامیں بیٹھ گئے اور ذرگ کالونی روانہ ہوگئے غرضیکہ مولانا کے دروازے کسی کیلئے بند نہ تھے اور وہ ہر امیر و غریب سے خندہ پیشانی سے پیش آتے تھے اور ان کا اخلاق بہت بلند تھا اور ان کی شخصیت مجموعۂ صفات تھی اللہ تعالیٰ اُن کے درجات بلند فرمائے"

فہم و فراست اور علمی وسعت

مولانا تھانوی مرحوم بڑے ذہین و ذکی عالم تھے اور فہم و فراست میں بھی اپنی نظیر آپ تھے وہ اپنی خوش بیانی، معلومات کی وسعت اور حاضر جوابی سے ساری مجلس پر چھا جاتے، کوئی سا موضوع زیر بحث ہوتا وہ اس میں اپنے علم و فہم کی دھاک بٹھا دیتے، جدید سائنسی انکشافات ہوں یا فلسفہ کی پیچیدہ گھتیاں، نظری و فکری مسائل ہوں یا فقہی و علمی امور وہ ہر فن میں طاق تھے اور اگر کبھی روئے سخن ادب و شعر کی طرف مڑگیا تو ان کی جولانی طبع دیدنی ہوتی، اساتذہ کا کلام اُنھیں ازبر تھا، ہزاروں اشعار ان کی نوکِ زبان تھے۔ وہ خود بھی بہت اچھے شاعر تھے مگر چونکہ شاعری علماء کیلئے کچھ وجہ عزت و افتخار نہیں رہی اسلئے اس جانب ان کی توجہ بہت کم تھی، سیرت النبیؐ پر اُن کی نظر بہت وسیع تھی اور دورانِ خطابت یا نجی مجلسوں میں بات جب ذکرِ حبیبؐ تک پہنچتی تو

پھر دیکھیے اندازِ گل افشانی گفتار
رکھ دے کوئی پیمانہ صہبا میرے آگے

اولوالعزمی و ثابت قدمی

مفتی سید عبدلشکور ترمذی صاحب فرماتے ہیں کہ"

"مولانا تھانوی مرحوم اپنی نازک مزاجی اور نفاست طبع کیلئے بھی بہت مشہور تھے بعض حقیقت ناآشنا لوگوں نے تو اس بات کو مولانا مرحوم کے مطاعن میں شمار کرنے کے لائق سمجھا ہے مگر احقر کا چشم دید واقعہ ہے کہ "مدینۃ العلوم سرگودھا کے جلسہ میں تقریر کے بعد مولانا نے مدرسہ میں کھانے کے بعد مولانا عبدالحنان صاحب راولپنڈی کے ساتھ گفتگو شروع کردی احقر بھی شریک گفتگو ہوگیا۔ بڑی پُر لطف گفتگو تھی بہت سادہ اور بے تکلف انداز میں سلسلہ گفتگو دراز ہوگیا، بستر چارپائی پر بچھا رہا مگر اس پر آرام نہیں کیا۔ صبح کو لاہور واپسی تھی وہاں سے ہوائی جہاز کے ذریعے کراچی جانا تھا مگر سرگودھا سے لاہور تک کیلئے کار کا انتظام نہیں ہو رہا تھا ادھر مولانا عبدالحنان صاحب مرحوم لاری کے ذریعہ لاہور تشریف لے جانے کا ارادہ ظاہر کر رہے تھے، میرے عرض کرنے پر مولانا مرحوم بھی بے تامل لاری کے ذریعہ سفر پر آمادہ ہوگئے اور ساری رات جاگنے کے بعد بھی مولانا عبدالحنان صاحبؒ کے ہمراہ صبح ساڑھے تین بجے سرگودھا سے لاہور کیلئے بذریعہ لاری روانہ ہوگئے۔

اسی طرح ۱۹۶۹ء کے دورہ میں مولانا کے ساتھ رہنے والوں کو بخوبی مشاہدہ ہوتا رہا کہ ایک ایک دن میں تین تین بلکہ بعض دنوں میں چار چار خطاب مولانا کے ہوتے تھے، طویل طویل سفر کرنے کے بعد بھی مولانا بڑی بشاشت کے ساتھ خطاب کرتے تھے، قانون دان اور وکلاء وغیرہ کے مشکل سے مشکل سوالات کے جوابات بھی بلکہ بے جا اور رکیک ذاتی حملوں کے جوابات میں بھی، مولانا کے چہرے پر تبسم آمیز وقار نظر آتا تھا، موقع بہ موقع ظرافت آمیز کلمات سے مجلس کو محظوظ و مسرور فرماتے جاتے تھے اور ہر اعتراض کا جواب بڑی خندہ پیشانی سے دیتے جاتے تھے۔ مولانا نے بڑی اولولعزمی اور ثابت قدمی کے ساتھ سوشلزم وغیرہ لادینی طاقتوں کا مقابلہ کیا اور مغربی و مشرقی دونوں حصوں میں برملا پیغامِ حق پہنچایا، اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کو اس شب و روز کی سعی بلیغ اور اسلام کیلئے انتھک محنت و جدوجہد کی جزائے خیر عطا فرمائیں۔ آمین" اور کسی خوش بخت کو مولانا کی سی اولولعزمی اور ثابت قدمی دے کر نظریۂ پاکستان اور قیامِ نظام اسلام کیلئے بغیر کسی حرص و طمع کے سرگرمِ عمل بنا کر مولانا کی شانِ انفرادیت کا وارث بنائے۔ آمین۔ (تذکرہ خطیب الامت)

شفقت و محبت

مولانا سید عبدالمنان شاہد فرماتے ہیں کہ"

"مولانا تھانوی مرحوم نہایت شفیق و خلیق انسان تھے برصغیر پاک و ہند کے بڑے چھوٹے تقریباً تمام ہی علماء و مشائخ کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا لیکن واقعہ یہ ہے کہ خلوت و جلوت میں جیسا شریف النفس انسان میں نے مولانا کو پایا، گروہ علماء مشائخ میں ان کی نظیر ناپید تھی، مولانا کی محفل میں جب کبھی باریابی نصیب ہوئی، ان کے انداز اور رکھ رکھاؤ میں کسی قسم کا تصنع بناوٹ اور "ہر زیر دلق طمع کمند ہا دارند" کا ادنیٰ شائبہ بھی نظر نہیں آیا وہ انتہائی حیاء چشم بامروت اور پیکرِ خوبی و دل آویزی تھے، وہ الدین کلہ ادب کے سانچے میں ڈھلے ہوئے انسان تھے، طبیعت میں جلال و جمال کا حسین امتزاج تھا اگرچہ رنگ جمال غالب تھا لیکن دینی معاملات میں اور قومی مسائل میں وہ سراپا جلال تھے اور ملک و ملت کے امور میں کسی بے جا مداخلت کو برداشت کرنے کے مطلق روادار نہ تھے۔

مولانا تھانوی مرحوم علماء کی عام روش سے ہٹ کر اخلاق مسائل میں اعتدالِ توازن کا مزاج رکھتے تھے اللہ تعالیٰ نے اُن کو بہت کچھ دیا، خاندانی شرافت و نجابت، علم و عمل اور عالمی شہرت۔ مگر طبیعت میں تواضع بھی تھی اور انکساری بھی، دو چار ملاقاتوں میں بے تکلف ہو جاتے تھے دوست نوازی اُن کے مزاج کا خاصہ تھی، کم آمیز باوقار شائستہ و متین اور مستغنیٔ صفت عالم تھے، کوئی بات طبیعت کے خلاف ہو تو بڑے بڑوں کو خاطر میں نہیں لاتے تھے اور کسی بھی گوشہ سے دین کی مخالفت میں کوئی آواز اُٹھتی تو اسکا فوری نوٹس لینا مولانا ہی کا کام تھا اور اس سلسلہ میں بڑے سے بڑے حاکم وقت کو بھی کھری کھری سنانے میں ادنیٰ تامل روا نہیں رکھتے تھے ان کی بلند و بالا شخصیت میں ایک خاص قسم کا رکھ رکھاؤ اور ایک مخصوص نوع کی ملنساری اور وضعداری تھی۔ صفِ اول کے علماء میں وہ غالباً واحد عالم دین تھے جو تقریر و خطابت کا معاوضہ نہیں لیتے تھے اور محض حسبۃ اللہ مذہبی اجتماعات اور دینی معاملات میں سرگرم حصہ لیتے تھے۔ مولانا کی امتیازی خصوصیات میں شفقت و محبت، دلسوزی و دردمندی، ہمدردی و غمگساری، منکسر المزاجی، خودداری و خوش خلقی خاص طور پر قابل ذکر ہیں"

مولانا انتظار الحق تھانوی فرماتے ہیں کہ"

"ہمارے اباجان (مولانا احتشام الحق تھانویؒ) کے مزاج میں بہت شفقت و محبت تھی وہ ہم سب بھائیوں کے ساتھ بھی اور مسجد میں آنیوالے ہر شخص خصوصاً بچوں کے ساتھ بہت شفقت و محبت سے پیش آتے، کسی بچے کو نماز میں غیر حاضر پاتے تو اس بارے میں دریافت فرماتے تھے وہ اپنے بچوں کو دین کے رنگ میں رنگا دیکھنا چاہتے تھے اور الحمد للہ ان ہی کی تربیت اور شفقت و محبت کا فیضان

ہے کہ ہم سب بھائیوں کے چہرے بھی متشرع ہیں اور نماز کی پابندی بھی بچپن ہی سے ہمارا معمول ہے ابا جان گھر میں ہوتے یا باہر تنہائی میں ہوتے یا مجلس میں ان کا وضعداری اور رکھ رکھاؤ کا انداز یکساں ہوتا، ان کی طبیعت میں بے ساختگی اور ان کی ہر ادا میں ایک گونہ تمکنت تھی جس کی وجہ سے ہم گھر میں اُن سے بے تکلف ہونے کے باوجود ڈرتے بھی بہت تھے لیکن ہمیں ان سے محبت بھی بہت تھی۔ ابا مرحوم کی شفقتیں، عنایتیں اور محبتیں یاد آتی ہیں تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے تپتی جھلستی دوپہر میں ٹھنڈی چھاؤں کا سائبان سر سے اُتار لیا گیا ہو، حقیقت یہ ہے کہ ان کا وجود مسعود نہ صرف اولاد کیلئے بلکہ ہر شخص کیلئے سایہ رحمت سے کم نہ تھا"۔ (روزنامہ جنگ اشاعت خصوصی)

حق گوئی و بیباکی

حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی ساری زندگی اسلام کی خدمت کیلئے وقف تھی وہ حق صداقت کے علمبردار تھے آپ زندگی بھر کسی سے مرعوب نہ ہوئے اصولوں پر قائم رہے اور صراط مستقیم کو کبھی ترک نہ کیا آپ زبان سے بھی جہاد کرتے تھے اور قلم سے بھی، آپ خاموشی کو جرم سمجھتے تھے اور مصلحت کو کمزوری قرار دیتے تھے وہ اسلام اور ملک کے خلاف کوئی بات برداشت نہ کرتے تھے۔ مولانا حافظ احمد صاحب فرماتے ہیں کہ"

"مولانا نے ہمیشہ حق و صداقت کا پرچم بلند رکھا کسی دباؤ کے آگے نہیں جھکے اور کسی حکومت کو اسلام کے معاملہ میں ٹانگ اڑانے کی اجازت نہیں دی وہ دین کے معاملہ میں خاموشی کو جرم عظیم قرار دیتے تھے اور مصلحت کو کمزوری قرار دیتے تھے، ایک مرتبہ رویت ہلال کے تنازعہ میں اُن کی گرفتاری عمل میں آئی، وہ جانتے تھے کہ گرفتاری ہوسکتی ہے اور تشدد بھی ہوسکتا ہے ان کو کچھ دوستوں نے سمجھایا بھی تھا مگر حق کی خاطر ڈٹ گئے اور انھوں نے گرفتاری پیش کرنے میں ذرا بھی تامل نہ کیا اور اس گرفتاری کو بھی اپنے لئے اعزاز سمجھ کر حق گوئی سے باز نہ آئے بلکہ اُن کا عزم و استقلال زیادہ پختہ ہوگیا"

حضرت مولانا صاحبزادہ عبدالرحمن صاحب اشرفی فرماتے ہیں کہ"

"حضرت مولانا تھانوی رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے جہاں حُسن و جمال اور اخلاقِ عالیہ کا مظہر بنایا تھا وہاں حق گوئی کیوجہ سے بھی آپ مقبولِ خلائق تھے، حق بات کہنے میں اسقدر بیباک اور جری تھے کہ اس دور میں اسکی نظیر کم ملے گی، صحابہ کرام کی صفت لایخافون فی اللہ لومۃ لائم کا صحیح عکس تھے۔ جب کبھی خلافِ اسلام کوئی بات سُنتے یا پڑھتے تو اس وقت صفتِ فاروقی واشد ھم فی امر اللہ عمر، کا مکمل نمونہ

ہوتے، ملوک وامراء اور عمائدینِ سلطنت کے سامنے حق بات کہنے سے کبھی تامل نہیں فرمایا اور حق گوئی مولانا کا شیوہ رہا ہے" ۔ حضرت علامہ خالد محمود فرماتے ہیں کہ "

"حق گوئی و بیباکی مولانا تھانویؒ کا ہمیشہ شیوہ رہا اور حق کے معاملہ میں کسی کی ملامت کی فکر نہ کی، ہر دور میں جب بھی کسی حکومت نے دین کے خلاف کوئی قدم اُٹھایا آپ نے اس کے خلاف کلمہ حق بلند کیا، اور جب بھی ضرورت پڑی یا موقع ملا، نہایت اخلاص کے ساتھ حکمرانوں کو نصیحت فرمائی بلکہ بعض اوقات مسلمان سربراہوں سے ملاقاتیں بھی فرمائیں اور ان کو ناصحانہ خطوط بھی لکھے اور حق کہنے سے کبھی گریز نہ کیا اور ایک مجاہد اسلام کی حیثیت سے جرائت و استقامت سے ہر باطل قوت کا مقابلہ کیا ہے۔ حق کے اظہار میں کبھی کوتاہی نہیں کی اور اس معاملہ میں اپنے اور پرایوں سب کی مخالفت مول لی، آج پاکستان، آج پاکستان اس منفرد حیثیت کی شخصیت سے خالی نظر آتا ہے وہ تنہا ایک انجمن اور جماعت کا کام کر رہے تھے اور ان کی آواز سب پر بھاری تھی وہ علمائے حق کے قافلہ کے سالار تھے اور وقتی مصلحتوں کی خاطر باطل کے سامنے جھکنے والے نہ تھے" (ماخوذ تذکرہ خطیب الامتؒ)

نفاست و لطافت

مولانا قاری نظیر الحسن تھانوی فرماتے ہیں کہ "

مولانا تھانوی نور اللہ مرقدہ کو حق تعالیٰ نے بہت اوصاف و کمالات سے نوازا تھا وہ حق و صداقت کے علمبردار تھے اپنی آن کے سچے، موقف کے کھرے اور بات کے پکے تھے، عزم و استقلال کے پیکر تھے پھر یہ محض ایک خدا داد چیز تھی کہ ان کی شہرت چار دانگ عالم میں پھیلی ہوئی تھی۔ طبیعت میں مزاح کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، بات سے بات ایسی نکالتے کہ پوری محفل زعفران زار بن جاتی تھی، ان کے ایسے کتنے ہی واقعات ہیں، اپنی ذات میں منفرد تھے۔ مزاج میں نفاست و لطافت بے انتہا تھی، کبھی ان کا لباس میلا یا داغ دار نہ دیکھا، چاہے گھر میں ہوں یا باہر، خرچ میں کبھی ہاتھ تنگ نہیں رکھا اور نہ ہی اتنا کھلا کہ اسراف میں شامل ہو، کھانے پینے کا ذوق نہایت اعلیٰ تھا مثلاً کسی کی پکائی ہوئی کوئی پسندیدہ چیز ہمیشہ یاد رکھتے اور موقع ملتا تو دوبارہ پکواتے، ان کی ذات سے کتنے لوگ وابستہ تھے۔ کتنے لوگوں کی خاموشی مدد فرمایا کرتے تھے، کتنے لوگوں کو ان سے والہانہ عشق اور لگاؤ تھا اور کتنے ہی لوگ ان کے طرزِ خطابت اور سوزِ قرات کے گرویدہ تھے وہ سراپا حُسن و جمال تھے اور نفاستِ طبع میں بے مثل تھے ہمیشہ کرتا (چکن) کا پاجامہ اور صدری، سر پر مکہ مکرمہ کی گول ٹوپی اور کبھی کبھی عمامہ باندھ لیتے تھے، نورانی چہرہ موزوں قد و قامت، سجیلا بدن، پر کشش شخصیت، جاذبیت سے بھرپور سراپا،

سراپا تن یاسمین پر لباس مصطفےٰ
وہ آئے ہیں نور علیٰ نور ہوکر

(ماخوذ روزنامہ جنگ کراچی)

وسعتِ نظری و بلند فکری

مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت اپنے ظاہری و باطنی اوصاف و کمالات، اپنے معنوی وصوری محاسن و فضائل کے لحاظ سے واقعی اور صحیح معنوں میں ایک عظیم شخصیت تھی جس کی تاریخ میں بہی کم مثال ملتی ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص عنایت کے تحت مولانا کی ذاتِ گرامی کے اندر بہت سے فضائل و محاسن یکجا جمع فرمادیئے تھے جو شاذ و نادر کسی شخصیت میں جمع ہوتے ہیں ان کا حُسنِ صورت، حُسنِ خطابت، حُسنِ قرات، حُسن و جمال، عزم و استقلال اور علم و کمال اپنی نظیر آپ تھے، حق و صداقت کا عظیم پیکر اور اتحادِ اسلامی کے علمبردار تھے۔ آپ ہمیشہ اتحاد و اتفاق کا درس دیتے تھے اور مسلکِ حقہ کے تحفظ کیلئے ہمیشہ کوشاں رہے اسی سلسلہ میں حضرت مولانا فاضل حبیب اللہ صاحب رشیدی آپ کی وسعت نظری اور بلندی فکری کے متعلق فرماتے ہیں کہ "

" حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے سانحہ ارتحال سے چند ایام پہلے جبکہ آپ دارلعلوم دیوبند کے صد سالہ جشن میں شرکت کیلئے تیاری میں مصروف تھے اور خیرپور سندھ میں ایک سیرت کانفرنس میں تشریف لائے تھے میں بھی اس کانفرنس میں حاضر تھا۔ موقع غنیمت پاکر میں نے مولانا سے بعض مسائل میں تبادلہ رخیال کیا، مولانا مرحوم خوب دلائل سے جوابات دیتے رہے کہ بالآخر میں نے دعوتِ اتحاد برائے تحفظ مسلکِ حقہ دیتے ہوئے جو بات چیت کی تو مولانا علیہ الرحمہ نے فرمایا" ۔ فاضل صاحب ۔ الحکمۃ ضالۃ المؤمن اور جب کہ حضور علیہ السلام نے حلف الفضول پر فرمایا تھا کہ میں آج بھی اُس معاہدہ امن و اتحاد و سلامتی کیلئے تیار ہوں، اوکما قال علیہ السلام، مولانا، میں بھی جماعتی اتحاد و ملکی تحفظ کیلئے جہاں بھی آپ دعوت دیں گے بسر و چشم حاضر ہونے کو تیار ہوں" پھر اسکے بعد جیساکہ کراچی میں ایک بزرگ سے بات چیت پر معاملہ درست ہوگیا تھا اور طے پاگیا تھا کہ حضرت مولانا تھانوی مرحوم خانپور کے جماعتی اتحاد کے اجتماع میں ضرور تشریف لائیں گے مگر آہ۔ کیا خبر تھی" رہیں دل میں حسرتیں کہ نشاں قضا نے مٹادیئے" مولانا واصلِ بحق ہوگئے اور ہم اُن کے سائیہ عاطفت سے محروم ہوگئے"

عزم واستقلال

مولانا تھانوی مرحوم نے اپنی ساری زندگی دینِ اسلام کی بے لوث خدمت میں گزاری، ہر لحاظ سے آپ کی شخصیت بے داغ اور بے عیب نظر آتی ہے، مولانا علمار کے اس طبقہ سے تعلق رکھتے تھے جو ذاتی اغراض و مقاصد اور مفادات سے بے نیاز محض اللہ اور اسکے رسولؐ کی خوشنودی اور دین کی سربلندی کیلئے جیتے ہیں اور جابر سلطان کے سامنے بھی کلمۂ حق بلند کرنے سے گریز نہیں کرتے، کسی قسم کا خوف یا لالچ انھیں زہر ہلاہل کو قند کہنے پر مجبور نہ کرسکا اور کوئی مصلحت مولانا کو اپنے موقف اور نصب العین سے انحراف پر آمادہ نہ کرسکی، دین حنیف پر مکمل قدرت دینی علوم و فنون سے گہری واقفیت، چہرے پر شرافت و نجابت بات میں معقولیت، آواز میں ٹھہراؤ اور گفتگو میں متانت، لہجے میں شیرینی و حلوت انداز بیان بھی شوخ اور بات بھی دل میں اُترنے والی، قول کے پکے اور اپنے موقف پر سختی سے ڈٹ جانے والے اصولوں کی خاطر بڑی بڑی طاقت سے بھی لڑجانے والے، عزم واستقلال کے پیکر اور علم و عمل کا مجسمہ غرض مولانا کو حق تعالیٰ نے بہت سی خوبیوں سے نوازا تھا اور مومن کی شان بیان کرتے ہوئے اقبال مرحوم نے کہا تھا جو مولانا پر صادق آتا ہے۔ کہ "

جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم

دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان

صبر و تحمل اور جرات واستقامت

مولانا تھانویؒ کی زندگی کی تمام تر خدمات خواہ وہ دینی و مذہبی نوعیت کی ہوں، ملکی و قومی ہوں یا سیاسی و سماجی ہوں خالصتاً لوجہ اللہ تھیں جن میں اپنی ذاتی اغراض اور اپنی نفسانی ہود ہوس کا شائبہ تک بھی نہ تھا انھوں نے ہمیشہ اعلائے کلمۃ الحق کا پرچم بلند کیا اور انتہائی نامساعد حالات کے باوجود بڑے صبر و تحمل اور جرات واستقامت کے ساتھ اس علم حق کو اپنی پیرانہ سالی میں بھی اپنے سینے سے لگائے رکھا اور ان کے پائے استقلال میں آخر وقت تک ادنٰی سی لغزش بھی نہ آنے پائی، تمام عمران کی زبان و قلم نے جس جرات و بیباکی کے ساتھ دین اسلام، نظریہ پاکستان، پاکستان اور عوام کے بنیادی حقوق کیلئے جہاد کیا اور اپنے مجاہدانہ کردار و گفتار سے جو شاندار روایات قائم کیں وہ نہ صرف ملک کی تاریخ میں آب زر سے لکھی جائیں گی بلکہ اسلام کا مورخ بھی اُن کی ان ناقابلِ فراموش اور گرانقدر دینی و مذہبی، علمی و تبلیغی، ملکی و ملی خدمات کو تاریخ اسلام کے ایک سنہری باب سے تعبیر کرے گا"

مولانا حافظ نذیر احمد صاحب فرماتے ہیں کہ "

"مولانا کا شمار برصغیر کے عظیم علمار حق میں ہوتا تھا وہ علمار کی اُس صف میں شامل تھے جنھوں نے تحریک پاکستان کیلئے جہاد کیا اور پھر استحکام پاکستان کیلئے جدو جہد کی تحریک ختم نبوت میں قربانیاں پیش کیں اور تحریک نظام اسلام کیلئے کوشاں رہے۔ وہ چاہتے تھے کہ یہاں علاقہ داریت ختم ہو اور صوبائی تعصب مٹ جائے تاکہ کراچی سے خیبر تک تمام مسلمان چٹان کی طرح متحد ہو کر اپنے وطن کو گلزار بنائیں، اُنھوں نے مغربی تہذیب کو ناپسند کیا اور مشرقی روایات کو زندہ رکھا آخر سانس تک دین کی سربلندی کیلئے کام کیا اور اسلام و پاکستان کی بھلائی کیلئے ہمیشہ متفکر اور دعا گو رہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو رحمتوں سے معمور فرمائے۔ آمین" (روزنامہ جنگ کراچی)

حسبتہ اللہ دینی خدمت

صفِ اول کے علمار و مشائخ میں وہ غالباً واحد عالم دین تھے جو درس و تقریر کا معاوضہ نہیں لیتے اور محض حسبتہ اللہ مذہبی و دینی خدمات سرانجام دیتے ہیں ورنہ ان جیسا قبولِ عام اور شہرہ آفاق خطیب اگر چاہتا تو صرف تقریر ہی کے فن سے ہزاروں روپے ماہانہ پیدا کر سکتا تھا مگر اُنھوں نے پوری زندگی میں تقریر کا کوئی معاوضہ نہیں لیا اسی طرح ریڈیو پاکستان سے قرآن پاک کا درس دیا اس کا مقررہ معاوضہ لینا بھی گوارہ نہیں کیا جبکہ ریڈیو پاکستان سے مولانا کا درسِ قرآن تمام دنیا میں بڑی دلچسپی اور پسندیدگی سے سنا جاتا تھا، آپ نے دینِ اسلام کی بے لوث خدمت کی اور ایک پیسہ تک لینا حرام سمجھا۔
مولانا کے بعض مخالفین نے الزام لگایا تھا کہ انھوں نے صدر ایوب کے دور میں روٹ پرمٹ لیئے، فیکٹری بنائیں اور متعدد مراعات حاصل کیں، لیکن یہ باتیں اور الزامات سراسر غلط ہیں، مولانا نے اسکی برملا تردید کی اور فرمایا"۔

"صدر ایوب کے دور ہی میں نہیں اس سے پہلے بھی میں نے ارباب اقتدار سے اپنے تعلقات کو کبھی ذاتی منفعت کیلئے استعمال نہیں کیا، میں حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے ساتھ پاکستان بننے سے پہلے کراچی پہنچ چکا تھا، چاہتا تو بہت کچھ اکٹھا کر لیتا، لیکن میں نے اپنی متروکہ جائیداد کے سوا کچھ نہیں لیا اور اگر کوئی شخص یہ ثابت کر دے کہ میری کوئی فیکٹری ہے یا کوئی ٹرانسپورٹ یا اسی نوع کی کوئی اور جائیداد، تو میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ جائیداد اسی کے حوالے کر دوں گا"۔

جناب قاضی حبیب احمد صاحب لکھتے ہیں کہ " مولانا تھانوی کیخلاف الزامات لگانے والے لوگ کم علمی کیوجہ سے بازاری بیان کے عادی ہوتے ہیں انھیں مولانا کے علم و فضل کا اندازہ کبھی نہیں ہو سکتا اور مولانا پر نکتہ چینی علمی نقدان کا نتیجہ تھی، ایوب خان سے مفاد اٹھانے کے الزام کی

نفی تو اس اختلافی نوٹ سے ہی ہو سکی ہے کہ جو ایوبی دورِ حکومت میں عائلی قوانین کے اختلاف میں مولانا مرحوم نے ایک مفصل رپورٹ کی صورت میں تنِ تنہا لکھ کر حکومت کو پیش کی اور ایوب خان سے رسم د راہ کا بہتان کا تعلق جہاں تک ہے اسکے متعلق عرض یہی ہے کہ جب ایوبی حکومت کے اعلان پر بغیر چاند دیکھے ایک یوم قبل عید منانے کا اعلان کیا گیا تھا اور ملک کے تمام علماء حکومت کے اس پروگرام سے دم بخود تھے اس وقت مولانا تھانویؒ ہی کی وہ منفرد ہستی تھی جس نے ببانگ دھل نہ صرف حکومتِ وقت کے خلاف عید کا اعلان کیا بلکہ عید کی تقریر میں جس درشت لہجہ میں حکومت کے رویہ پر نکتہ چینی کی تھی وہ آج تک عوام کے قلوب میں محفوظ ہے اور اس حق گوئی و بیباکی کی بناء پر انھیں قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کرنی پڑیں، اب اگر کوئی ان تمام حقائق سے آنکھیں بند کر کے مولانا کی مجاہدانہ روش کو دیدہ کور کی حیثیت سے دیکھنا چاہتا ہے تو واقعی یہی محسوس ہوگا کہ ایک اینٹ کی مسجد تمام حاشیہ برداروں سے ہٹ کر منفرد حیثیت رکھتی ہے"۔ بہر حال مولانا تھانوی مرحوم کی پوری عمر اسلام کی بے لوث خدمت میں گزری ہے اور زندگی کے چھیاسٹھ برس دین اسلام کیلئے بغیر کسی حرص و طمع کے سرگرم عمل رہ کر گزار گئے اور اپنی اس استغنائی شانِ امتیازی کے ساتھ اسلام، نظریہ پاکستان اور اسلامی نظام کی داستانیں سناتے ہوئے حیاتِ مستعار پوری کر گئے اور بزبانِ حال یہ کہتے ہوئے ہمیشہ کیلئے رخصت ہو گئے زمانہ بڑے شوق سے سن رہا تھا۔ ہمیں سو گئے داستاں کہتے کہتے۔

اللہ تعالیٰ مولانا کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائیں۔ آمین

حج و زیارتِ حرمین شریفین

حضرت مولانا تھانوی رحمتہ اللہ علیہ کے اسفار کی فہرست یوں تو بہت طویل ہے، اپنی حیاتِ طیبہ میں متعدد بار کئی ممالک کے تبلیغی دورے کئے اور اسلامی و سیرت کانفرنسوں میں شرکت فرمائی، مولانا نے اپنی زندگی میں شام، لبنان، اردن، فلسطین، عراق، لیبیا، ترکی، ایران، افغانستان، ہندوستان، تنزانیہ، نائجیریا، کینیا، یوگنڈا، موزمبیق، زمبیا، یونان، فرانس، چین، برطانیہ، امریکہ، ساؤتھ افریقہ، سوئیز آرلینڈ، اسپین اور سعودی عربیہ وغیرہ بلا بلادِ عالم کا سفر بھی کیا اور ہر ملک آپ کے قدم سے سرفراز ہوا، اکثر بلادِ اسلامیہ سے آپ کے پاس دعوت نامے آتے رہتے تھے اور آپ سال میں دو چار مرتبہ مختلف ممالک کا تبلیغی دورہ فرماتے رہتے تھے اور بڑے بڑے دینی و تبلیغی جلسوں اور سیرت کانفرنسوں میں مولانا کا خطاب ہوتا تھا، ہر آدمی مولانا کا فریفتہ ہو جاتا جو دیکھتا اور ملتا مولانا کی دل و جان سے قدر کرتا، ایسا معلوم ہوتا کہ مولانا کی مقناطیسی شخصیت لوگوں کو خود بخود اپنی طرف کھینچے لاتی ہے،

مصری ہو، ترکی ہو، شامی ہو، اردنی ہو، عراقی ہو، یمنی ہو، لیبی ہو یا انڈونیشی، نائیجیریا کا ہو یا افریقہ کا، امریکہ کا ہو یا چائینہ کا، کالا ہو یا گورا جسے دیکھو زانوئے ادب طے کرتا ہوا حاضر ہو رہا ہے اور شرف تخاطب سے اپنے آپکو سعید بنا رہا ہے، یہی وہ قبولیت ہے جس کا تذکرہ حدیث نبویؐ، **ثم یوضع له القبول فی الارض** میں آتا ہے، ہزاروں افراد آپ سے متاثر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے اور ہزاروں کی اصلاح ہوئی۔ مولانا حافظ نذیر احمد صاحب فرماتے ہیں کہ "

"مولانا تھانوی مرحوم نے متعدد بار حج و زیارتِ حرمین شریفین کی سعادت حاصل کی جب مکہ مکرم میں داخل ہوتے تو نہایت ادب و احترام سے حرم پاک میں حاضری دیتے، خشوع و خضوع سے بیت اللہ میں نوافل ادا فرماتے اور بڑے ادب و احترام سے بیت اللہ کا طواف کرتے، چہرے پر خوفِ خدا طاری رہتا، غلافِ کعبہ تھام کر اللہ کے حضور گڑگڑاتے، دعائیں مانگتے اور عین بیت اللہ کے سامنے بیٹھے تلاوت قرآن میں مشغول رہتے۔ غرض حرم پاک میں ایک ایک لمحہ عباداتِ الٰہی میں گزارتے تھے۔

پروفیسر خلیل احمد صاحب فرماتے ہیں کہ "

"حج و عمرہ کے بعد مولانا مرحوم مدینہ منورہ تشریف لے جاتے اور روضۂ رسولؐ کی زیارت کی سعادت حاصل کرتے، مدینہ منورہ پہنچ کر مولانا کی عجیب شان ہوتی۔ نہایت ادب و احترام سے روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار کرتے درود و سلام بکثرت پڑھتے اور مسجدِ نبویؐ میں تلاوت قرآن اور نوافل میں مشغول رہتے، روضہ پاک کے سامنے عقیدت و احترام سے آنکھوں سے بے اختیار آنسو نکل آتے اور لبوں پر درود و سلام کا ورد ہوتا۔ قیام مکہ و مدینہ کے دوران مولانا کی جو حالت ہوتی وہ دیدنی ہوتی تھی آپ سراپا عجز و انکسار اور پیکر خشوع و خضوع بنے محو عبادت اور مستغرق دعا و استغفار ہوتے اور بیت اللہ و مسجد نبویؐ میں ذکر و اذکار اور وعظ و نصیحت میں مصروف رہتے تھے۔

عشقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ عشق تھا اور آپ کے سینہ بے کینہ میں عشقِ نبوی کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا وہ روضہ رسولؐ کی زیارت والہانہ انداز میں فرماتے تھے اور زبان پر درود و سلام کثرت سے جاری رہتا تھا چہرے پر عجیب کیف و سرور عیاں ہوتا اور اپنے ہر قول و فعل سے اپنے والہانہ عشق کا اظہار فرماتے تھے، ملک و بیرون ملک سیرت النبیؐ کے جلسوں اور کانفرنسوں میں سفر کی صعوبتیں برداشت کر کے تشریف لے جاتے اور اپنے آقائے نامدار تاجدار مدینہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و مناقب بڑے ذوق و شوق سے بیان فرماتے تھے، ایک

سیرت النبیؐ کے جلسہ میں مولانا تھانویؒ عشقِ نبویؐ کے متعلق فرماتے ہیں کہ"

"ہر قوم کو اپنے نبی سے اپنے پیغمبر سے اپنے رسول سے محبت ہوتی ہے، ہمیں اور آپ کو بھی محبت اور میرے خیال میں تو یہ کہنا کہ ہمیں اور آپکو محبت ہے۔ بہت کمزور سی بات ہے، کیونکہ مومن صرف محبت نہیں کرتا بلکہ مومن تو عاشق ہوتا ہے، دیوانہ ہوتا ہے اپنے نبیؐ اور پیغمبر کا جب سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے مسلمانوں نے ایسی ہی محبت کی جیسے کوئی دیوانہ اور جیسے کوئی عاشق اپنے محبوب سے محبت کرتا ہے، ہمارے اور آپ کے دل اور قلب لبریز ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے اور ایک مومن اور ایک مسلمان در حقیقت عاشق ہے سرکارِ دو عالمؐ کا تو اتنا عظیم انقلاب جو حضور اکرمؐ نے تیئیس سال کی مدت میں برپا کیا ہے خدا کی قسم اتنا عظیم انقلاب کبھی نہیں برپا ہوسکتا۔ جب ہم اور آپ عاشق ہیں دیوانے ہیں سرکارِ دو عالمؐ کے اور ہمیں اس پر فخر ہے تو ہماری اس دیوانگی اور محبت کا تقاضا یہ ہے کہ ہم سرکارِ عالمؐ کو یاد کریں ہم اُن کی اداؤں کا ذکر کریں ہم اُن کی زندگی کا ذکر کریں۔ ہم ان کے کمالات کو یاد کریں۔ یہ جلسے جو کئے جاتے ہیں اسکا بھی یہ مطلب ہے کہ کسی طریقے سے حضور اکرمؐ کی حیاتِ طیبہ اور سیرتِ طیبہ کا ذکر کیا جائیکیونکہ ہم محبت کرتے ہیں ہمیں آپ کے ذکر میں لذت آتی ہے جس طرح ایک عاشق کو اپنے محبوب کے ذکر میں لذت آتی ہے اور بہت بڑی سعادت ہے یہ ہمارے لئیے کہ ہم یہ جلسے اور محفلیں منعقد کر کے اپنے پیغمبر سرکارِ دو عالمؐ کی بارگاہ میں عقیدت و محبت کا نذرانہ پیش کرتے ہیں، ذکرِ نبیؐ سے اللہ کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں، سکینہ نازل ہوتا ہے اور وہ شہر اور بستی عام آفتوں اور مصیبتوں سے اللہ تعالیٰ محفوظ فرمادیتے ہیں جہاں سرکارِ دو عالمؐ کا تذکرہ بیان کیا جارہا ہو، اور ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ جس جگہ آپ کا ذکر مبارک کیا جاتا ہے وہاں پر اللہ کی برکتیں اور رحمتیں نازل ہوتی ہیں"۔

ایک اور جگہ ارشاد فرماتے ہیں کہ"

"نبیؐ سے عقیدت و محبت کا لازمی نتیجہ حضورؐ سے والہانہ عشق اور اطاعت و پیروی ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے اپنے رسولؐ کی جیسی پیروی چاہتے ہیں وہ اس وقت ہی ممکن ہے جب مومن کا دل سرکارِ دو عالمؐ کے عشق و محبت سے لبریز ہو اور اصل عشقِ رسولؐ، اُسوہ رسولؐ کے تابع ہے"،

جناب مولانا انتظار الحق فرماتے ہیں کہ"

"مولانا احتشام الحق تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے بے پناہ محبت تھی وہ درود پاک بہت کثرت سے پڑھتے تھے اور درود "نجیا" مولانا کا سب سے محبوب درود تھا اور یہ درود ان کا شب و روز کا معمول تھا اور وہ اپنے بچوں اور متعلقین کو بھی اسکے پڑھنے

کی تلقین فرماتے تھے۔

ایک بڑے بزرگ اور عارفِ باللہ نے مولانا کے انتقال کے بعد انھیں خواب میں دیکھا اور ان کی خیریت دریافت کی تو مولانا مرحوم نے ان بزرگ سے کہا کہ، الحمد للہ۔ کہ میرا نام حضورِ اقدس ؐ پر درود پڑھنے والوں کی فہرست میں لکھا گیا ہے"

جناب مولانا کوثر نیازی صاحب فرماتے ہیں کہ"

"مولانا تھانویؒ ایک جید عالم دین اور شہرہ آفاق خطیب تھے وہ انتہائی خوش اخلاق، باوقار بردبار تھے، خطابت میں مولانا کا اسلوب بڑا منفرد اور جُداگانہ تھا، قرآن کریم پڑھنا شروع کرتے تو جی چاہتا کہ بس پڑھتے ہی رہیں ویسے تو وہ ہر موضوع پر بولتے تھے مگر سیرت النبیؐ کا بیان اُن کا دل پسند موضوع اور ایک لحاظ سے ان کی زندگی کا عشق تھا سیرت النبیؐ کے جلسوں میں اُن کا بیان خاص طور دلکش اور نرالا ہوتا تھا وہ آقائے نامدار کے عشق و محبت میں ڈوب کر بیان فرماتے تھے کراچی سے پشاور تک اُن کے بہت سے جلسے اور کانفرنسیں سیرت النبیؐ کے موضوع پر ہی اکثر و بیشتر ہوتی رہتی تھیں۔ بھارت سے بھی سیرت کے جلسوں کیلیے دعوت نامہ آیا اور آپ نے رات دن ذکرِ رسول پر وعظ کئے اور خوب کئے اپنی آخری تقریر مدراس میں کہا کہ ایسا لگتا ہے کہ اہلِ مدراس میرے خون کا ایک ایک قطرہ نچوڑ کر دم لیں گے۔ مگر نہ لوگ تھکنے میں آئے اور نہ مولانا ہی نے ذکر رسول سے تھکاوٹ محسوس کی یہاں تک کہ ذکرِ حبیب کرتے کرتے یہ عاشقِ رسول واصل بحق ہوئے اور اپنی جان جانِ آفرین کے سپرد کردی۔ یہ اس کی دین ہے جسے پروردگار دے۔

سلوک و تصوف

حضرت مولانا تھانوی رحمتہ اللہ علیہ ایک علمی و روحانی خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور اس حیثیت سے وہ انتہائی خوش قسمت انسان تھے کہ ان کا تعلق ایک ایسے خانوادہ رشد و ہدایت سے تھا جس کا ہر فرد شاعر کے اس شعر کے مصداق ہے۔

گرچہ خوردیم نسبتے است بزرگ
ذرہ ہر آفتاب تابانیم

خاندانی شرافت و نجابت بلاشبہ ایک عطیہ خداوندی ہے اور قرآن کریم کا یہ ارشاد وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحًا اسی حقیقت کا آئینہ دار ہے۔ مولانا کے والدِ گرامی مولانا ظہور الحق صاحبؒ بہت بڑے

عالم اور نامور طبیب تھے ان کا بعیت و ارادت کا تعلق شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی مہاجر مکی قدس سرہ سے تھا آپ کی والدہ محترمہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی چھوٹی ہمشیرہ تھیں اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ سے بعیت تھیں، صدیقی اور فاروقی علمی خاندانوں کی اس "قرآن السعدین سے ایک ایسی پاکیزہ شخصیت کا نقش اُبھرا جو دونوں خانوادہ ہائے شرف و مجد کی روایات عظمت کا امین ثابت ہوئی۔ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی خواہش تھی کہ بہن کے پانچوں بچے دینی تعلیم حاصل کریں مگر سعادت میں دوسرا کوئی بھائی مولانا کا شریک نہ ہوسکا اور علم دین کے حصول کی نعمتِ خداداد پانچوں بھائیوں میں صرف ان کے حصے میں آئی اور انھوں نے اس علم کو جو مبدا فیاض سے انھیں ودیعت ہوا تھا کچھ ایسا علم نافع بنایا کہ رشک اقران و اماثل ٹھہرے۔ بزرگوں نے ان کا نام احتشام الحق رکھا اور مولانا کی سعادت مندی یہ تھی کہ انھوں نے اپنے قوائے علم و عمل کو راہِ حق میں کچھ اس طرح فرمایا کہ اسم بامسمی ثابت ہوئے ان کے احتشام الحق ہونے میں کسے کلام ہوسکتا ہے کہ وہ اگرچہ فقیر بوریا نشین تھے مگر ان کے مزاج کی شاہانہ تمکنت کے سامنے بڑے بڑے فرعون صفت حکمرانوں کو جھکتے دیکھا، ان کے تیور دیکھ کر شاعر کا یہ شعر بے اختیار ذہن کی سطح پر اُبھرتا ہے کہ

که بردبه نزد شاہاں زمن گدا پیامے
که به کوئے می فروشاں دوہزار جم به جامے

حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی مدظلہ فرماتے ہیں کہ

خاندانی اعتبار سے اور نسبی حیثیت سے مولانا کو اعلیٰ درجہ کی شرافت حاصل تھی اور تلمذ و ارادت کے لحاظ سے بھی مولانا کا روحانی رشتہ اپنے زمانہ کے مشاہیر علماء کرام اور مشائخ نظام سے قائم تھا۔ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ مولانا مرحوم کے حقیقی ماموں بھی تھے اور روحانی مربی بھی۔ مولانا نے اپنا اصلاحی اور تربیت روحانی کا رشتہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ سے ہی قائم کیا تھا اور شیخ الاسلام ثانی حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے تکمیلِ سلوک کے بعد آپ مجاز بعیت ہوئے۔ مولانا مرحوم بعیت ارادت کے رشتہ کے علاوہ سیاسی مسلک و مشرب میں حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے مسلک کے ہمنوا تھے اور مشرب میں بھی حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے مسلک کے ہمنوا تھے اور ساری زندگی حضرت الامتؒ ہی کے مسلک و مشرب پر قائم رہے۔

حکیم الامت تھانویؒ سے اصلاحی تعلق

مولانا احتشام الحق تھانوی مرحوم دارالعلوم دیوبند کے ممتاز اور مایہ ناز فضلاء میں سے تھے۔ دیوبند سے فارغ ہوکر مولانا نے مولوی فاضل اور انگریزی کے امتحانات بھی دیئے اور اسکول میں کچھ

دنوں ملازمت بھی کی اور انگریزی تمدن سے مرعوب مغرب زدہ قسم کے لوگوں سے رسم و راہ کی وجہ سے وضع قطع اور لباس میں کچھ آزادی بھی آگئی تھی۔ ایک دن حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے اپنے بڑے گھر میں مولانا کو ترکی ٹوپی اور انگریزی جوتا پہنے ہوئے دیکھ کر فرمایا"

"یہ چیزیں مولویوں کی شان کے خلاف ہیں"

بس یہ دن تھا کہ مولانا کی حالت اور طرزِ معاشرت میں تبدیلی آنی شروع ہوگئی اور اصلاحِ احوال کیلئے حضرت حکیم الامت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ کی طرف رجوع ہوگئے۔ مولانا کے اپنے قلم سے یہ ماجرا سنیئے۔ مولانا تھانوی مرحوم حضرت حکیم الامت مولانا اشرف تھانوی قدس سرہ کیخدمت اقدس میں عریضہ لکھتے ہیں کہ"

"آج میں مسلسل ایک سال کی اندرونی کشمکش کے بعد کھل کر عرضِ حال کرنے پر مجبور ہوگیا اُمید ہے کہ اس عاصی پر رحم فرماکر میری آخرت کو درست فرمادیں گے۔ میں تقریباً چار سال ہوئے جب دیوبند سے فارغ ہوا تو جس طرح عملاً وہاں کے فارغین علم و عمل میں آزادانہ خیالات لے کر نکلتے ہیں اسی طرح میں بھی اتنا تو نہیں مگر تاہم طرز سلف سے بیگانہ اور عمل سے کافی دُور نکلا، وضع قطع اور لباس میں پوری نیچریت اور خیالات میں کافی آزادی تھی۔ نتیجہ کے طور پر انگریزی تمدن سے مرعوب، اور مغرب زدہ قسم کے مولویوں سے رسم و راہ تھی اور ہمیشہ ان ہی کے رسائل و مضامین پڑھے اور عبارت آرائی اور ادبیت کے فریب میں پھنسا رہا۔ بنا بر موعلیہ مولوی فاضل اور انگریزی وغیرہ کے امتحانات بھی دیئے اور انگریزی اسکول میں ملازمت بھی کی اور بزعم خود اپنی کامیاب مولویت پر خوش بھی رہا مگر سب سے پہلے مجھے اس وقت کچھ ہوش آئے اور میرے ضمیر نے مجھے ملامت کی جبکہ آج سے دو سال قبل آپ نے بڑے گھر میں مجھے ترکی ٹوپی اور انگریزی جوتہ پہنے ہوئے دیکھ کر ازراہِ شفقت یہ فرمایا تھا کہ یہ سب چیزیں مولویوں کی شان کے خلاف ہیں، اس کے بعد جلد سے جلد میں نے ٹوپی وغیرہ چیزیں تو چھوڑ دیں مگر کوئی خاص تبدیلی پھر بھی نہ ہوئی۔ حُسنِ اتفاق کہ میں جس جگہ مقیم ہوں اور جہاں رمضان المبارک میں محراب بھی سناتا ہوں، وہاں اہل مسجد کے اصرار پر نماز جمعہ اور کبھی کبھی تقریر کا سلسلہ شروع کردیا تھا۔ اِس مبارک تقریب سے جہاں میں نے ابوالکلام آزاد وغیرہ کی تصانیف سے مواد لیا وہیں آنحضرت کے مواعظ بھی میری نظر سے گزرے، آں قبلہ کے مواعظ دیکھ کر میری حیرت کی کوئی انتہا نہیں رہی کہ اس قدر ٹھوس اور کثیر مقدار میں تو شاید کسی بڑی تفسیر وغیرہ میں بھی نہ ہوگا افسوس کہ میری غفلت نے مجھے آج تک علم کی حقیقی چاشنی سے ناآشنا رکھا اور محض ادبیت کے فریب میں پھنسا رہا۔ پھر میں نے علاوہ مواعظ کے کوئی کتاب اس غرض کیلئے نہیں دیکھی، اسی دوران میں کئی مرتبہ مجلس میں بھی حاضر ہوتا رہا، جوں جوں مواعظ پڑھتا ہوں یا مجلس حاضر ہوتا ہوں اسی قدر غبار چھٹتا ہوا

معلوم ہوتا ہے اور اسی قدر اپنی تمام کمزوریاں زیادہ صاف نظر آنے لگی ہیں۔ میری درخواست ہے کے آں قبلہ میرے حال پر رحم فرماکر میری دستگیری فرمائیں اور بعیت فرماکر میری اصلاح فرمائیں۔

مجزاکم اللہ خیر الجزار ددمتم ابدا۔ خویدکم المرجو منکم

حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ نے جواب ارشاد فرمایا کہ"

"عزیزم سلمہ۔اسلام علیکم۔

خط پڑھ کر بہت مسرت ہوئی، الحمد للہ حقیقت منکشف ہوئی، اللہ تعالیٰ بصیرت اور استقامت مین ترقی فرمادے، ایسی حالت میں اصل ضرورت صحبت کی ہے اگر وہ میسر نہ ہو تو اہلِ تحقیق کے کلام کا مطالعہ سواس کاالتزام خاص اہتمام سے رکھناضروری ہے، قیل فی الاول

مقام امن و مۓ بیغش و رفیق شفیق
گرت مدام میسر شود زہے توفیق

وفی الثانی

دریں زمانہ رفیقے کے خالی ازخلل است
صراحیٔ مۓ ناب و سفینہ غزل است

باقی بعیت اس کے معنی حاصل ہیں اور صُورت میں تعجیل مناسب نہیں۔

والسلام

اسکے بعد مولانا احتشام الحق تھانویؒ نے حضرت حکیم الامتؒ کی خدمت میں دوسرا خط لکھا جس کا مضمون درج ذیل ہے۔

"حضرت والد کا مکتوب گرامی بجواب عریضہ موصول ہوکر باعث صد طمانیت دہزار خوشی ہوا۔ مجھے جواب کا اس درجہ انتظار تھا کہ جس روز جواب آنا چاہیۓ تھا اور آیا۔ اُسی روز، آں قبلہ کو میں نے خواب میں دیکھا اور گو صبح کو اسکی تفصیل یاد نہیں تھی مگر طبیعت میں کسی قدر انبساط تھا چنانچہ دوپہر کو مکرمت نامہ کے مطالعہ سے اسی خوشی کی تکمیل ہوگئی۔

حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ نے جواب میں فرمایا کہ"

"اللہ تعالیٰ حقیقت تک پہنچادیں"

مولانا تھانوی مرحوم نے حضرت حکیم الامتؒ کی خدمت میں تیسرا خط تحریر کیا کہ " آں حضرت نے جو کچھ تجویز فرمایا ہے وہ حقیقت میں بالکل درست ہے چنانچہ میں خود بھی محسوس کرتا ہوں کہ آنحضرت کی مجلس میں جو کیفیت مجھ پر مستول ہوجاتی ہے اس کی نسبت سے کلام کے مطالعہ میں وہ غلبہ نہیں ہوتا مگر افسوس کہ جہاں میں مشاغل دنیا میں پھنسا ہوا ہوں وہاں اہل اللہ کی مجلس کہاں نصیب،

جس کے پاس بھی اسی خیال کو لے گیا وہاں بجز ترقی ملک و تحصیل معاش کے چرچوں کے سُننے میں نہ آیا، اہلِ ثروت و دولت کے پاس جانے میں تو اس لئیے اجتناب ہے کہ وہ یقیناً کسی نہ کسی غرض پر محمول کریں گے مگر اب بعض حضرات علماء بھی اپنے اثرات اور رسوخ کی بنا پر ایسا ہی تصور فرماتے ہیں۔ کاش کہ حضرت کی خدمت میں ہی کبھی طویل اور مستقل قیام کی صورت نکل آئے، تو ضرور مقام امن اور رفیق شفیق دونوں حاصل ہو سکتے ہیں بہر حال مافوق کی تمنا اور دُعا کے ساتھ ساتھ مادون یعنی آں حضرت کے مواعظ کا مطالعہ التزام کے ساتھ جاری رکھوں گا اور جب تک مقامِ امن میسر نہیں ہے اُس وقت تک گوشۂ بیت ہی میں فارغ اوقات گزار دُونگا۔

حضرت حکیم الامتؒ نے اس مکتوب کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ"

"صحیح تدبیر ہے معذور کو اسی میں صحبت کے آثار عطا ہو جاتے ہیں"

مولانا تھانوی مرحوم کے چوتھے مکتوب کا مضمون کچھ اس طرح ہے کہ:۔

"بعیت کے متعلق مجھے عجلت نہیں ہے، میرا مقصد اپنے حالات اور ان کی درستی کیلئے بعیت کی خواہش کا آں حضرت کے علم میں لانا تھا، اب کسی تدبیر پر اصرار یا عجلت میرا منصب نہیں، آپ جو تجویز فرمائیں گے اور جس وقت تجویز فرمائیں گے وہ ہی صواب ہے اور اسی سے مجھے فائدہ ہو سکتا ہے۔

اس مکتوب کے جواب میں حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ نے ارشاد فرمایا کہ"

"ہنیاً لکم العلم" (ماخوذ خاتمہ السوانح ۳۵ تا ۳۸)

حضرت مولانا مفتی محمد وجیہہ صاحب فرماتے ہیں کہ"

"مولانا تھانوی مرحوم کا روحانی سلسلہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ سے منسلک تھا اور انھوں نے فراغتِ تعلیم کے بعد اصلاح و تربیت کیلئے حضرت حکیم الامت تھانویؒ ہی کی طرف رجوع کیا، خط و کتابت کے ذریعے بھی اور پھر مجلسی صحبت کے ذریعے بھی مولانا نے حضرت حکیم الامتؒ قدس سرہ کے ارشاداتِ عالیہ پر عمل کیا اور سلوک و تصوف کے منازل طے کئے اور پھر انہی کے دستِ حق پرست پر بعیت کا شرف حاصل کیا، حضرت حکیم الامت تھانویؒ، مولانا احتشام الحق صاحب مرحوم کے شیخ و مربی ہونے کے ساتھ ساتھ حقیقی ماموں بھی تھے، اسی لئیے بچپن ہی سے حضرت حکیم الامتؒ کی نظرِ عنایت مولانا مرحوم پر تھی اور تعلیم و تربیت اپنی زیرِ نگرانی ہی کرائی تھی" (مکتوبِ گرامی بنام راقم)

اجازت و خلافت

حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی مرحوم نے حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ سے سلوک تصوف کے منازل طے کرنے کے بعد ان کے دستِ حق پر بعیت کی اور پھر ساری زندگی انہی کے مسلک و مشرب پر سختی سے ڈٹے رہے اور انہی کے بتائے ہوئے اصولوں پر قائم رہے بعد ازاں حضرت حکیم الامت قدس سرہ کی رحلت کے بعد شیخ المحدثین حضرت علامہ ظفر احمد عثمانی قدس سرہٗ سے روحانی تعلق قائم کیا اور اصلاح و تربیت کا سلسلہ جاری رکھا اور تجدید بعیت کی پھر ان کے ارشاداتِ عالیہ پر عمل پیرا رہے اور خلعتِ خلافت سے نوازے گئے، حضرت مولانا عثمانی قدس سرہ نے اپنی خود نوشت سوانح "انوار النظر فی آثار الظفر جلد دوم میں آپکا اسمِ گرامی اپنے خلفاء عظام کی فہرست میں چھٹے نمبر پر لکھا ہے کتاب کا ۱۴۶ صفحہ ہے۔

بہرحال حضرت مولانا تھانوی مرحوم ساری حیات اپنے شیخ و مربی حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ اور اُن کے بعد حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے بتائے ہوئے اصولوں پر عمل پیرا رہے اور انہی حضرات کی علمی و روحانی صلاحیتوں سے متاثر اور مطمئن رہے اور پوری طرح انہی حضرات کے مسلک و مشرب کو اپنایا کوئی کام ان کے مشورہ اور صلاح کے بغیر نہیں کیا۔ اور آخر دم تک انہی حضرات سے تعلق قائم رکھا اور تبلیغ و اصلاح میں مصروف رہے اور لاکھوں بندگانِ خدا کی اصلاح کا ذریعہ بنے آج دنیا میں کوئی خطہ یا ملک ایسا نہیں ہے جہاں مولانا تھانوی مرحوم کے عقیدت مند موجود نہ ہوں آپ نے تبلیغ دین کے ذریعے لاکھوں مسلمانوں کی اصلاح کی اور ہزاروں کو مشرف بہ اسلام کیا اللہ تعالیٰ درجاتِ عالیہ نصیب فرمائے۔

مشاہدات و تاثرات و واقعات

خطیب الامت حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ اُن علماءِ حق میں سے تھے جن کا علم و فضل، تقویٰ اور طہارت اور خلوص و اہلیت ایک امرِ مسلمہ کی حیثیت رکھتے ہیں آپ اپنے دور کے جلیل القدر مفسر، بہترین محقق اور مایہ ناز خطیب تھے ایسی عظیم شخصیات کہیں صدیوں میں پیدا ہوتی ہیں اور آپ برصغیر پاک و ہند میں اسلاف کی عظیم یادگار تھے۔ ذیل میں چند مشاہیر علم و دانش کے مشاہدات و تاثرات واقعات پیش کئے جاتے ہیں جن سے مولانا کی خدماتِ جلیلہ، اوصاف و کمالات و واقعات اور مزاج و مزاق پر کافی روشنی پڑتی ہے۔

کریم النفس مولانا تھانوی رح (از مفتی جمیل احمد تھانوی)

مولانا احتشام الحق تھانوی رح دنیائے اسلام میں ایک بلند پایہ عالم دین اور مایہ ناز خطیب کی حیثیت سے پہچانے جاتے تھے اب ان جیسا حق گو جری عالم پوری دنیا میں نظر نہیں آتا وہ بہت سی خوبیوں کے مالک تھے، لوگ کہدیتے ہیں کہ تھانوی نہ تھے کیرانوی تھے، اول تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، کیرانے کا فاصلہ تھانہ بھون سے صرف دس میل کا ہے اور یہ کوئی فرق نہیں ہوتا، دوسرے ان کی والدہ جو حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی قدس سرہ کی علاتی بہن تھیں وہ تھانہ بھون کی تھیں اور بحکم ابن اخت القوم منہم (قوم کی بہن کا بیٹا بھی انھی میں سے ہے) پھر بھی تھانوی ہو گئے، تیسرے یہ کہ نسبت جیسے وطن سے ہوتی ہے علم و فضل سے بھی ہوتی ہے چوتھے وطن ہی کی نسبت لی جائے تو میں خود اس کا شاہد ہوں کیونکہ وطن دراصل وہ نہیں ہوتا جہاں کوئی پیدا ہو یا جہاں جائیداد رکھتا ہو جبکہ سفر میں پیدا ہونے والوں اور غریبوں کا بھی کوئی نہ کوئی وطن ہوتا ہے اور یہ ضروری نہیں کہ جو باپ کا وطن ہو وہ ہی وطن ہو بلکہ اصل وطن وہ ہے جہاں آدمی مستقل بود و باش کی نیت کرلے جہاں اسکی قصر نماز جائز نہیں۔ مولانا تھانوی مرحوم نے دہلی کی ملازمت کے زمانہ میں خود مجھ سے کہدیا تھا کہ تھانہ بھون میں میرے لئے مکان دلوا دو، میں اب یہاں ہی رہا کرونگا اگرچہ موقع نہ مل سکا اسلئے نیت کے اعتبار سے وطن تھانہ بھون بنالیا تھا اسلئے بھی وہ تھانوی ہو گئے تھے پانچویں یہ کہ حضرت حکیم الامت تھانوی رح کی مجلس میں یہ طے ہوا کہ پاکستان میں کام کرنے والے یہی لوگ ہونگے جو آجکل نئی دہلی میں کام میں لگے ہوئے ہیں سب سے مقدم کام نئی دہلی میں تبلیغ کرنا ہے اگر یہ اسلام پر جم گئے تو پورے پاکستان کیلئے یہ تبلیغ ثابت ہوگی یہ طے ہونے پر مولانا احتشام الحق مرحوم کو نئی دہلی کیلئے خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون نے ایک مبلغ مقرر کر کے کام میں لگادیا اور پاکستان کے بڑے بڑے وزراء اور حکام میں جو کچھ اثر اسلام کا دیکھا گیا ہے جیسے لیاقت علی خان، سردار عبدالرب نشتر، خواجہ ناظم الدین اور محمد علی جناح وغیرہ ہم کا دینی رجحان صرف تھانہ بھون کیوجہ سے تھا کیونکہ حضرت حکیم الامت رح نے مجلس دعوۃ الحق کے نام سے علماء کی ایک تنظیم اعلیٰ حکام کی تبلیغ کیلئے تشکیل دی تھی اور مولانا احتشام الحق صاحب بھی اسی مجلس کے پروگرام کے مطابق نئی دہلی میں تبلیغ دین کا کام کر رہے تھے۔

قیام پاکستان کے بعد قرار دادِ مقاصد۔

۲۲ نکاتی دستور، دینی مدارس کا قیام اور دینی مسائل پر اہم اجتماعات وغیرہ جو نمایاں کارنامے نظر آرہے ہیں یہ سب تھانہ بھون کا کام ہے اور اسی تھانوی جماعت کے حضرات کی کاوشوں

کا نتیجہ ہے تو مولانا چونکہ خانقاہ تھانہ بھون کے مبلغ تھے اسلئیے بھی تھانوی کہلا سکتے ہیں بلکہ وہ سب لوگ بھی جنھوں نے حضرت حکیم الامت تھانویؒ کا اثر قبول کیا وہ سب تھانوی کہلا سکتے ہیں۔ایک اعراض یہ بھی چل رہا ہے جو بعد وفات پیدا ہوا ہے کہ اخبار جنگ نے مولانا کو مولانا اشرف علی تھانویؒ کا داماد لکھ دیا ہے حالانکہ حضرت کے کوئی اولاد نہیں تھی اس کیلئے عرض ہے کہ داماد کی بھی بہت سی قسمیں ہیں بلا واسطہ یا بیوی یا بھائی یا بہن کے واسطہ سے بلکہ دو تین واسطوں سے بھی ہوتا ہے جیسے داماد، بھانجا داماد، نواسہ داماد اور پوتا داماد وغیرہ پھر بھائی بہن کے بواسطہ داماد بھی اپنے داماد ہوتے ہیں ان کے نواسہ داماد اور پوتا داماد بھی اپنے ہیں تو حکیم الامت تھانوی کے حقیقی بھائی منشی اکبر علی صاحب مرحوم کی نواسی سے مولانا کی شادی ہوئی ہے تو ان کے نواسہ داماد قرار پائے تو حضرت حکیم الامت کے بھی نواسہ داماد ہوئے معلوم نہیں اس میں خلجان کیوں پیدا ہوا ہے۔یہ کوئی اعتراضات نہیں ہیں یہ اعتراضات گویا اس بات کی دلیل ہیں کہ مولانا میں ان کے علاوہ کوئی عیب نہیں ہیں۔ تھانوی کہلانا اور حکیم الامت کا داماد لکھ دینا کوئی عیب نہیں ہیں، وہ تھانوی بھی پکے تھے اور حکیم الامت کے نواسہ داماد بھی پکے تھے۔ مولانا مرحوم سیاست میں بڑی سوجھ بوجھ رکھتے تھے اور سب کی نبضیں شناخت کرتے تھے اور اسکے موافق کام کرتے تھے حتی الامکان اسلام اور مسلمین اور پاکستانیوں کو بچاتے تھے افسوس ہے کہ وہ اب نہیں رہے اللہ تعالیٰ پاکستان کو ہر شر سے محفوظ رکھے، بھٹو کے دور میں ہم سب خطرناک دوراہے پر کھڑے تھے اسلام اور پاکستان دونوں کو خطرہ تھا اور ہوا بھی یہی کہ پاکستان کا ایک بازو کاٹ کر ہم سے علیحدہ کر دیا آخر زمانہ میں لوگوں کو یہ بھی غلط فہمی ہو گئی تھی کہ مولانا مرحوم بھٹو کا ساتھ دینے لگے ہیں ہمیں اس بات کا یقین نہیں آتا تھا کہ مرکزی جمعیت علماء اسلام کا بانی و قائد، سوشلزم و کمیونزم کو کفر قرار دینے والا مجاہد کیسے یہ کر سکتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ جیسے بھٹو نے بیان میں یہ کہ دیا تھا کہ میں اسلام کا قانون جاری کرنے کو تیار ہوں، جن لوگوں کا مقصد ممبری اور عہدہ نہیں ہوتا اور صرف اسلام کی سربلندی ہوتا ہے تو ان کو یہ زیب نہیں دیتا کہ نہیں تم نہیں ہم جاری کریں گے، تو اس بات پر مولانا کا کچھ نرم ہونا قرین قیاس تھا۔ ویسے بھی مولانا ایک کریم النفس انسان تھے وہ اخلاق کریمانہ میں یکتا عالم تھے، ہمارے نزدیک مولانا تھانوی مرحوم کی شخصیت شک و شبہ سے بالاتر تھی اُنھوں نے عمر بھر دین اسلام کی بے لوث خدمت انجام دی ہے۔ دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈو الہ یار سندھ اور جامع مسجد جیکب لائن کراچی مولانا کی عظیم یادگار ہیں، اللہ تعالیٰ اُن کے درجات بلند فرمائے۔ آمین۔

مسلکِ دیوبند کے ترجمان (از قاری محمد طیب قاسمیؒ)

مولانا احتشام الحق تھانوی مرحوم جماعت علماء دیوبند میں ایک ممتاز عالم و فاضل تھے۔ ایک صاحب الرائے مفکر اور بے بدل خطیب و مقرر تھے۔ مولانا اس علمی ذوق کے امین تھے جو اکابر دیوبند سے بطور وراثت آپ کو ملا تھا حکیم الامت حضرت اقدس مولانا اشرف علی تھانویؒ مولانا کے ماموں اور شیخ و مربی تھے حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے مخصوص علوم و معارف پر مولانا کی گہری نظر تھی اور اپنے وعظوں اور درسوں میں حضرت کے علوم و معارف کی بہترین تفہیم کے ساتھ تقریر فرماتے تھے دوسرے علوم میں بھی مولانا کی نظر نہایت گہری اور عمیق تھی۔ قرآن کریم کے مفسر بھی تھے اور روزنامہ جنگ کراچی میں بالاقساط آپ کے درس شائع ہو رہے تھے جو ایک علمی ذخیرہ ہے۔

مولانا نے سندھ میں ٹنڈوالہ یار کے مقام پر دارالعلوم الاسلامیہ قائم کیا جس کے آخر تک مہتم و نگرانِ اعلیٰ رہے، ہزاروں افراد اس مدرسہ سے فیضیاب ہوئے مولانا نے تعمیر پاکستان میں بھی بھرپور حصہ لیا اور جو عظیم خدمات انجام دیں وہ ان کے سیاسی شعور، اسلام کی حقیقت سے کماحقہ آگاہی، خلوصِ نیت اور جذبہ جہاد کی آئینہ دار تھیں۔ پاکستان کی دستور سازی میں بھی مولانا نے عظیم کارنامے سرانجام دیئے اور ۱۹۵۱ء کا بائیس نکات پر مشتمل دستوری خاکہ مولانا ہی کی سعی و کاوش کا نتیجہ تھا۔

مولانا احتشام الحق تھانوی مرحوم رشتہ میں میرے عزیز بھی ہوتے تھے اس لیئے کہ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی حقیقی بہن دیوبند میں ہمارے ہی خاندان میں بیاہی تھیں جن سے مولانا سعید احمد عثمانی اور مولانا ظفر احمد عثمانی پیدا ہوئے۔ یہ دونوں حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کے بھانجہ ہوتے تھے اس طرح مولانا احتشام الحق تھانوی مرحوم حضرت حکیم الامت کی علاتی بہن کے بطن سے تھے اور بھانجے ہوتے تھے اس لیئے ان سے عزیز داری کی صورت میں قائم تھی جب وہ دارلعلوم دیوبند میں پڑھنے کیلئے آئے تو اتفاق سے کمرے سب گھر چکے تھے اور کوئی جگہ رہنے کیلئے مل نہیں رہی تھی تو میں نے دفتر اہتمام کے بالکل اوپر کا کمرہ جو دفتر اہتمام کا جزو تھا ان کے لئے خالی کرادیا اور انھیں وہاں رکھا، مرحوم کئی سال دارالعلوم میں مقیم رہے اور نہایت نیک نامی کے ساتھ زمانہ رطالب علمی پورا کیا، فارغ التحصیل ہونے کے بعد وہ دہلی چلے گئے ان کے بڑے بھائی وہاں دہلی ہی میں سرکاری ملازم کی حیثیت سے رہتے تھے مولانا مرحوم بھی ان کے پاس مقیم ہوگئے۔ قیام دہلی کے زمانہ میں ان کا معمول تھا کہ تقریباً ہر دوسرے تیسرے ماہ مجھے نئی دہلی بلاتے اور گریجویٹوں کو جمع کر کے مجھ سے تقریریں کرواتے اور بہت مسرور ہوا کرتے تھے، ۱۹۴۷ء میں جب ہندوستان تقسیم ہوا تو ان کے بھائی اور گریجویٹ طبقہ کے بکثرت افراد پاکستان چلے گئے ممدوح بھی ان کے ساتھ پاکستان

پہنچ گئے اور وہیں بس گئے لیکن میرے ساتھ وہ قدیم تعلق بدستور باقی رکھا۔

مولانا تھانوی مرحوم کو قدرت نے ذکاوت و ذہانت سے وافر حصہ عطا فرمایا تھا علمی استعداد ان کی اپنی محنت کا ثمرہ تھا اس لئے اس وہبی اور کسبی نعمت نے مل کر انھیں اونچا اٹھایا اور بہت جلد مقبول خواص و عوام بن گئے، درس و تدریس کا عرفی انداز میں مشغلہ تو نہیں رہا مگر وعظ و خطابت سے پاکستان کے باشندگان کو ان سے کافی نفع پہنچا، جیکب لائن کی جامع مسجد میں خطیب کی حیثیت سے ان کا فیضانِ عام ہوتا رہا اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ ان کے کلام اور اخلاق سے غیر معمولی طور پر متاثر ہوا، آخر میں سیاسی امور میں بھی لوگ ان کی قیادت تسلیم کرنے لگے جس سے مولانا موصوف ایک زعیم کی حیثیت سے بھی نمایاں ہوئے اور مقبولیت عامہ پیدا کرالی اور بحیثیت فاضل دارالعلوم دیوبند ہونے کے ان کی خدمات پایہ اعتبار و قبول کو پہنچی رہیں، مولانا مرحوم بذلہ سنج اور لطیفہ گو بھی تھے جو طبعی ذکاوت کا خاصہ ہوتا ہے کراچی میں ایک صاحب اتفاق سے میرے سامنے آئے بخار کی شکایت تھی کہنے لگے کہ بخار آگیا ہے، میں نے کہا "مبارک ہو" ہم تو مسلم ہی تھے آپ ماشاء اللہ مسلم ہونے کے ساتھ بخاری بھی ہوگئے اور یقیناً مولانا احتشام الحق سے بڑھ گئے مولانا احتشام الحق برجستہ بولے کہ، نہیں جناب آپ اگر مسلم اور یہ بخاری ہیں تو الحمد للہ میں مسلم و بخاری ہونے کے ساتھ نسائی بھی ہوں، کیونکہ کبھی کبھی بخاری بھی ہوجاتا ہوں اسلیئے مجھ میں تین وصف ہیں۔ بہرحال عملی طور پر بذلہ سنج اور لطافت گو تھے، حضرت اقدس حکیم الأمت تھانویؒ کے مواعظ پر کافی نظر تھی اور کہا کرتے تھے کہ حضرت کے چالیس وعظ مجھے تقریباً ازبر ہیں، مولانا مرحوم علمی استعداد طبعی ذکاوت حضرت اقدس حکیم الامت تھانویؒ کی نسبت اور ان کے مواعظ میں مہارت نے مل کر ان کی شخصیت کو بہت اونچا کردیا تھا۔

دارالعلوم دیوبند کے اجلاس صد سالہ کے سلسلہ میں دیوبند کیلئے روانہ ہوئے مگر ویزا ملنے میں دیر لگی اسلیئے اجلاس میں شریک نہ ہوسکے ایک دن بعد پہنچے اطلاع ہونے پر میں ملنے کے لئے چلا تو معلوم ہوا کہ پاسپورٹ کی انٹری کرانے سہارنپور چلے گئے ہیں وہاں سے شب میں کسی وقت واپس ہوئے ارادہ تھا کہ صبح کو ان سے ملوں گا لیکن معلوم ہوا کہ ابھی شب میں ٹمل ناڈو ایکسپریس سے مدراس کیلئے روانہ ہوگئے، ملاقات نہ ہوسکی جس کا افسوس رہا، طبعی طور پر خیال تھا کہ واپسی میں انھیں دیوبند آنے کیلئے لکھا جائیگا کہ اچانک مدراس پہنچ کر عالم آخرت کیلئے سدھار گئے اور جان، جان آفرین کے سپرد کردی۔

پاکستان ایک اچھے جید عالم دین، مایہ ناز خطیب اور ذکی عالم سے محروم ہوگیا۔ یہ اہل مدراس کی خداترسی اور اخلاص کا جذبہ تھا کہ انھوں نے ہوائی جہاز کے ذریعہ مولانا کی میت کو کراچی بھیجنے کا بندوبست کیا جس سے ان کے پسماندگان اہل و عیال ان کی زیارت کرسکے اور اہلِ مدراس کے

ممنون اور ان کے حق میں دعاگو ہوئے۔

حق مغفرت کرے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں۔

خطیب پاکستان رحمتہ اللہ علیہ (از مولانا محمد متین خطیبؒ)

خطیب پاکستان حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمتہ اللہ علیہ اس آخری دور کے علماء میں ایک خاص امتیازی خصوصیت کے مالک تھے، میری سب سے پہلی ملاقات ۱۹۳۲ء میں دیوبند میں ہوئی جبکہ میں فارغ التحصیل ہو کر مدرسہ عربیہ معین الاسلام انبالہ چھاؤنی میں مہتمم و صدر مدرس کے فرائض انجام دے رہا تھا اور مولانا تھانوی مرحوم تحصیل علم کیلئے دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے تھے۔ مولانا عمدہ پوشاک میں تھے سر پر ترکی ٹوپی پاؤں میں اعلیٰ قسم کا انگلش جوتا تھا میرے برادرِ نسبتی حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کے مکان پر مولانا مرحوم کے بڑے بھائی عزیز الحق صاحب مرحوم دوپہر کے کھانے پر مدعو تھے میں بھی اُس میں شامل ہوا۔ دوران گفتگو مولانا کی زندگی اور صلاحیت کا کچھ اندازہ ہو گیا تھا لیکن بعد میں کوئی ملاقات عرصہ دراز تک نہ ہو سکی، تحریک پاکستان کے دوران شیخ الاسلام قبلہ علامہ شبیر احمد عثمانی کی معیت میں دہلی جانے کا اتفاق ہوا اور علامہ مرحوم نے مولانا تھانوی مرحوم کے برادر بزرگ کے مکان پر ایک علماء کا اجتماع کیا تو اس وقت دوسری ملاقات ہوئی۔ یہ زمانہ تھا جب مولانا تھانوی صاحب وائسرائے ایگل لان کی مسجد میں جمعہ پڑھاتے تھے یہ جگہ غلام احمد پرویز صاحب سے نمازیوں نے خالی کرا کر مولانا تھانوی صاحب کو دی تھی جبکہ مولانا سبزی منڈی مسجد دہلی میں خطابت و امامت فرماتے تھے اور دہلی میں مولانا کی طوطی بول رہی تھی۔ نیز مولانا کی خطابت و شیریں بیانی کا ہر جگہ چرچا تھا اسی وجہ سے نوابزادہ لیاقت علی خان مرحوم کے الیکشن میں تھانہ بھون کیرانہ، شاملی، مظفر نگر وغیرہ میں دہلی سے مولانا تھانوی مرحوم کو بلا کر تقاریر کا پروگرام بنایا گیا تھا جو بہت کامیاب ثابت ہوا جبکہ ضلع سہارنپور کے قصبات اور دیہات میں مجھے کام کرنے پر لگایا تھا تحریک پاکستان کے کاموں کا ہجوم تھا اس لیئے پھر کسی جگہ ملاقات نہ ہو سکی، پاکستان کے قیام ۱۹۴۷ء کے بعد میں شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ کے ساتھ خصوصی معتمد کی حیثیت سے کراچی میں مقیم تھا تو مجھے علامہ مرحوم نے جیکب لائن کی ایک مسجد میں جانے کا حکم دیا اور فرمایا مولانا احتشام الحق تھانویؒ دہلی سے آرہے ہیں تم وہاں موجود رہنا اور میری طرف سے خوش آمدید کہنا، میں وہاں گیا تو ہر طرف سرکاری بیرک تھیں اور درمیان میں ایک چھوٹی سی شکستہ مسجد جس کا نام پتھر پر بلوچ مسجد کندہ تھا موجود تھی، مختلف ٹرک آجا رہے تھے ٹوٹا پھوٹا سامان دفتر ملازمین اپنے ساتھ لا رہے تھے جبکہ کراچی سے جانے والے ٹرک بھر بھر کر جلی

لکڑیاں پرندے اور جانور تک بھارت لے جارہے تھے کہ مکان کی کھڑکیاں الماریاں دروازے تک اکھاڑ کر لے گئے۔ مولانا تھانوی صاحب بھی ایسی خستہ حالی کے ساتھ تشریف لائے تو مسجد کے متصل ایک مکان میں جس پر کھپریل کی چھت اور کچی دیواریں تھیں انھیں جگہ دی گئی اس دن کے بعد اکثر آنا جانا رہتا تھا اور میرے قریبی دوستانہ تعلقات قائم ہوگئے تھے۔ شیخ الاسلام علامہ عثمانی مرحوم کے پاس مولانا تھانوی صاحب کی آمد و رفت تھی اور میں تو اکثر ان کی خدمت میں رہتا تھا حُسنِ اتفاق کہ مجھے حضرت علامہ مرحوم نے لاہور روانہ کیا تاکہ میں حضرت علامہ عثمانیؒ کے خاندان کے افراد اور میرے بچوں کو لاہور میں اُتار کر کراچی لاؤں، علامہ مرحوم نے زاہد حسین مرحوم کو جو بھارت میں ہائی کمشنر تھے، کراچی میں فرمایا تھا کہ میرا کتب خانہ میرے خاندان کے ساتھ مولوی محمد متین کے بچوں کو کسی طرح لاہور بھجوادیں، جنوری ۱۹۴۸ء میں لاہور جاتے ہوئے میں نے علامہ صاحب مرحوم سے عرض کیا کہ اب میں خدا جانے کب تک واپس آؤں اس لئے مولانا تھانوی صاحب اگر آپ کے ضروری امور میں اعانت کردیا کریں تو بہت اچھا ہوگا چنانچہ حضرت علامہ مرحوم نے میری تجویز کو پسند فرمایا اور اس طرح سے مولانا تھانوی مرحوم حضرت علامہ عثمانیؒ سے قریب تر ہوگئے اور جمعیت علماء اسلام کے کاموں میں ترقی کیلئے دن رات کام کرتے رہے۔

پھر ایک وقت ایسا آیا کہ مولانا تھانوی مرحوم مرکزی جمعیت علماء پاکستان کے ناظم اعلیٰ مقرر ہوئے اور میں نائب ناظم کے طور پر کام کرتا رہا لیکن ایک وقت ایسا آیا کہ ملتان میں صوبہ پنجاب کی شاخ نے جمعیت علماء اسلام بنا ڈالی ہم نے اس تفریق کو دُور کرنے کی کوشش کی تاکہ ایک ہی مسلک کے باہم تصادم سے محفوظ رہیں مگر ایسا نہ ہوسکا۔ مولانا مرحوم نے ایسی حالت میں کام کرنے سے انکار کردیا اور نظامت میرے سپرد کردی جس پر میں کام کرتا رہا اور دور ایوبی میں سیاسی جماعتوں کو حکومت نے ختم کردیا تھا اور جب امتناعی احکام واپس لیئے گئے تو دوبارہ جمعیت نے کام شروع کردیا یہاں تک کہ ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں مرکزی جمعیت علماء اسلام نے انتخابات میں حصہ لینے کا فیصلہ کیا اور حضرت مولانا تھانوی صاحب کو نگرانِ اعلیٰ مقرر کیا گیا مشرقی و مغربی پاکستان سے ایک بڑی تعداد کو الیکشن لڑنے کیلئے کھڑا کیا گیا مگر دونوں حصوں میں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا اور اس طرح سے تھانوی اور ہزاروی گروپ مستقل طور پر علیحدہ علیحدہ ہوگئے یہ مختصر سی کہانی مولانا مرحوم کی سیاسی زندگی کی تھی۔ جہاں تک مولانا تھانوی مرحوم کی ذاتی زندگی کا تعلق ہے وہ ہر دور میں کامیاب رہی اس لئے کہ مولانا مرحوم اپنے ذاتی اوصاف خصوصاً خطابت میں علماء دیو بند میں ایک بلند اور اہم مقام رکھتے تھے جس میں مرتے دم تک مولانا مرحوم اپنی جگہ سے نہیں گرائے جاسکے دراصل ہر آدمی میں کچھ خصوصی

صلاحیتیں ہوتی ہیں جسکو دوسرا آدمی حاصل نہیں کر پاتا، قرآن پاک میں تلک الرسول فضلنا بعضھم علیٰ بعض میں اسی بنیادی اصول کو بیان کیا گیا ہے، حق تعالیٰ نے مولانا مرحوم کو خوش بیانی میں مقام عطا فرمایا تھا وہ اس دور میں کسی دوسرے عالم کو نصیب نہیں تھا ایک مرتبہ عظیم شخصیت چودھری خلیق الزمان مرحوم سے کچھ بات ہو رہی تھی جس میں مولانا مرحوم کا ذکر آیا وہ کہنے لگے کہ اگر مولانا تھانویؒ علماء کے طبقے سے تعلق نہ رکھتے ہوتے تو میں انھیں اس دور کا تان سین کہتا مگر اب میں یہ گستاخی نہیں کر سکتا آج تک مولانا مرحوم کے طرز بیان اور قرآن پاک کی تلاوت کرنے والے نقال موجود ہیں مگر وہ نقل کرنے والے ہی کہلا سکتے ہیں، حضرت مولانا تھانوی مرحوم کا بدل نہیں شمار کئے جاسکتے ہیں ممکن ہے آگے چل کر مولانا مرحوم کے صاحبزادگان میں کوئی یہ جگہ لے سکے، اس اعلیٰ ذاتی خوبی کے علاوہ مولانا جاذب نظر خوش پوش، خوش خوراک اور انتہائی خوش اخلاق انسان تھے مگر ساتھ ہی عالم کو موجودہ دور میں جس وقار کے ساتھ زندگی بسر کرنی چاہیئے۔

اس میں وہ یکتا عالم تھے مجھے اکثر مولانا کے ہمراہ جلسوں میں جانے کا اتفاق ہوا ہے وہ لباس صبح و شام تبدیل کرنے کیلئے سفر میں کئی کئی جوڑے رکھتے حالانکہ چند گھنٹوں کیلئے جانا ہوتا تھا اور میں اُن کی اسی عادت سے گھبرا جاتا تھا مگر اُن کی وضعداری تھی اس میں کبھی بھی فرق نہ آتا تھا یہ بات ان کے گھر والوں کے سوا کسی کو شاید معلوم نہیں ہے کہ بیگم شائستہ اکرام اللہ کے شوہر نامدار مسٹر اکرام اللہ صاحب جو بڑے . لی عہدہ پر فائز رہ چکے ہیں ان کا کپڑے دھونے والا ایک ملازم تھا جو اب تک ان کی کوٹھی کے احاطے میں ہی رہتا ہے اکرام اللہ صاحب دنیا کے کسی بھی ملک میں مقیم ہوتے اُن کے کپڑے دھل کر کراچی سے جاتے تھے یہ مولانا مرحوم سے خاص عقیدت بلکہ عشق کی حد تک تعلق رکھتا تھا اسکی خواہش اور اصرار پر مولانا نے اپنے کپڑے اس سے ہی دُھلانے کا بندوبست کر رکھا تھا لیکن خود مولانا مرحوم اپنے لباس کی دیکھ بھال کا خاص خیال رکھتے تھے، یہی وجہ ہے کہ انتقال سے پیشتر بھی وہ اپنی ٹوپی دھونے کیلئے غسل خانہ میں بیسن پر گئے جبکہ میزبان نے بہت اصرار کیا کہ میں نوکر سے یہ کام کرا دونگا مگر مولانا نے فرمایا کہ آپ کا نوکر وہ طریقہ نہیں جانتا جس طریقہ سے میں ٹوپی دھو سکوں گا غرض مولانا مرحوم اپنے ذاتی اوصاف میں ید طولیٰ رکھتے تھے، ہمارے اسلاف اور بزرگوں میں چند ہی علماء ایسے ہوئے ہیں جن کا دستر خوان وسیع تھا۔

ان میں مولانا مرحوم بھی شامل ہیں ہر جمعہ کو بعد نماز جمعہ چائے کا دستر خوان کراچی میں صرف اور صرف جامع مسجد جیکب لائن میں مولانا کے مکان پر ہر موسم اور ہر حالات میں قائم رہا، ہمارے اکابرین میں سے حضرت مولانا حبیب الرحمن عثمانی مہتمم دار العلوم دیوبند کا دستر خوان چائے کیلئے اور شیخ الاسلام

حضرت مولانا حسین احمد مدنی کا دسترخوان کھانے کا مشہور تھا۔

حضرت مولانا تھانوی مرحوم کی ایک خوبی یہ بھی تھی کہ وہ کسی صورت بھی حاکم وقت سے خائف نہیں ہوتے تھے اگرچہ ملتے وقت انتہائی انکساری و تواضع کا برتاؤ کرتے تھے لیکن دین پر اگر کوئی حرف آتا تو چٹان کی طرح سامنے آجاتے تھے لوگ تو مولانا مرحوم کے بارے میں مختلف چہ مگوئیاں کرتے ہی رہتے تھے لیکن مجھے بخوبی اس کا اندازہ ہے کہ اگر کوئی نام کا عالم بھی اسلام کی خدمت کرنے لگے تو مسلمان اُسے جس طرح نوازتے ہیں اس کی مثال نہیں ملتی۔ اس لیئے اگر حضرت مولانا تھانویؒ جیسی شخصیت دن رات قوم کے جینے مرنے میں ساتھ دینے لگے تو کراچی جیسی بستی میں جو مال و دولت کا خزینہ ہوتی ہے مولانا مرحوم کے کس قدر مداح اور خدمت کرنے والے ہوں گے اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے، درحقیقت ان کے عشاق نے انھیں اس قدر بے نیاز کر دیا تھا کہ لوگ طرح طرح کی قیاس آرائیاں کرتے تھے جس میں کوئی حقیقت نہ ہوتی تھی، مولانا مرحوم کا ایک اور وصف یہ تھا کہ وہ اپنے دشمن سے بھی اسطرح ملتے تھے کہ وہ ان کے سامنے پانی پانی ہو جاتا تھا، یہی وہ بات تھی جس کی وجہ سے سرکاری حکام اور ان کے مخالفین مولانا مرحوم کے سامنے پانی بھرتے تھے۔

علمی لحاظ سے بھی مولانا تھانوی مرحوم باصلاحیت شمار ہوتے تھے۔ ہمارے بزرگوں میں مختلف صلاحیتوں کے لوگ گزرے ہیں کوئی علم فقہ میں بلند مقام رکھتا تھا تو کوئی علم الحدیث میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا، کوئی خطابت میں یکتا تھا تو کوئی تفسیر قرآن میں اعلیٰ حیثیت کا مالک تھا، اسلئے جانچنے اور پرکھنے کا معیار جُدا جُدا ہوتا ہے، اس معیار سے اگر جانچا جائے تو پھر یہ گرانے اور بڑھانے کا چکر ختم ہو جاتا ہے۔ میں نے اپنی زندگی میں اسی معیار کو ہی اپنائے رکھا اور خود کو ہر بزرگ کے ساتھ خادم کی حیثیت سے آگے نہیں بڑھنے دیا۔ اور یہی نعرہ لگایا کہ میرا شیوہ یہ ہے **لانفرق بین احدمن رسلحہ** حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ کی علمی یادگار دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہ سندھ ہے اور انشاء اللہ تصانیف میں آئندہ کسی زمانہ میں تفسیر القرآن بھی شائع ہو کر سامنے آجائے گی، اُن کے جمعہ کے خطابات اور پاکستان یا غیر ممالک میں تقاریر بھی ان کے علمی تبحر کا بہت بڑا ذخیرہ آخر ثابت ہوگا۔ انشاء اللہ مولانا مرحوم کا خاندان صدیقی تھا جو کیرانہ ضلع مظفر نگر میں آباد تھا اور پاکستان خصوصاً کراچی میں بڑی تعداد میں ان کے عزیز اقارب موجود ہیں۔

مولانا کے خاندان کے اکثر لوگ بڑے بڑے عہدوں پر فائز رہے ہیں۔ روحانی مرتبہ پر ایک بلند شخصیت حضرت حکیم الامت تھانوی کی ہے جو مولانا کے ماموں تھے اور قرآن پڑھنے کا ڈھنگ مولانا نے حضرت حکیم الامت سے سیکھا تھا۔ مولانا کی ایک اور عظیم یادگار جیکب لائن کی عظیم الشان جامع

مسجد ہے جس میں مولانا نے شاہجہانی تعمیرات اور جدید تعمیرات کو شامل کر کے ایک خوبصورت امتزاج پیدا کیا ہے اسکے خوبصورت بلند و بالا مینار و محرابین اور بغیر ستون کے طول و عریض چھت سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا مرحوم کا تعمیری ذوق بھی شاہانہ تھا غرض ہمہ جہت خوبیاں حق تعالیٰ نے مولانا مرحوم کو بخشی تھیں البتہ افسوس اس کا ہے کہ ہم نے مولانا کی قدر نہ کی آج اُن کی خوبیاں یاد آتی ہیں تو ہم افسوس کرتے ہیں کہ ہم نے ایک بلند و بالا اور بہترین انسان اپنے ہاتھ سے کھو دیا جس نے ہم جیسے نا قدروں کے درمیان مرنا بھی پسند نہ کیا" ۔ اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کی بال بال، مغفرت فرمائیں۔ آمین۔

ایک تاریخ ساز شخصیت

(از مولانا محمد مالک کاندھلوی)

برعظیم پاک و ہند کے بے مثل خطیب، جلیل القدر مفسرِ قرآن، واعظِ خوش بیاں حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمۃ اللہ علیہ جن کے پُرشکوہ الفاظ و معانی کی اثر انگیزی اور سحر آفرینی اور ہر طبقہ خیال میں وسعت قلبی سے تسلیم کیا جاتا تھا اور جن کی زندگی پاکستان کے قیام سے پہلے اور اس کے بعد کی بھرپور جدوجہد سے عبارت تھی اور جن کو عوام و خواص کی کثیر تعداد ایک ممتاز عالم دین، شہرہ آفاق خطیب اور مقرر شیریں بیان کی حیثیت سے اپنی متاعِ حیات سے عزیز تر جانتی اور تصور کرتی تھی، اب جہانِ آب و گل میں انجمن آرا نہیں رہے، اب علم و دانش کی وہ پُر رونق محفلیں سونی پڑی ہیں مگر اُن کا منفرد اور سحر آفرین اندازِ خطابت لاکھوں دلوں پر ہمیشہ نقش رہے گا اور ان کی گرانقدر بے مثال دینی علمی اور سیاسی خدمات ہمیشہ عالم اسلام کے سامنے رہیں گی۔

اللہ تعالیٰ نے مولانا کی ذاتِ گرامی میں ایسی بے بہا اور بے حد و حساب صلاحیتیں جمع فرما دیں تھیں کہ جس نے انھیں اس عہد کی تاریخ ساز شخصیت بنا کر رکھدیا تھا۔ مولانا ایک علمی و روحانی خانوادے کے چشم و چراغ تھے اور دارالعلوم دیوبند میں اس دور کے اکابر اساتذہ سے فیض تدریس و تعلم حاصل کیا پھر تحریک پاکستان میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی رفاقت میں عظیم کارنامے انجام دیئے اور مولانا نے مسلمانوں کے علیحدہ قومی تشخص اور جداگانہ خود مختار مملکت کی ضرورت پر زور دینے کیلئے سینکڑوں جلسوں اور عام اجتماعات سے خطاب کیا اور صوبہ سرحد کے معرکۃ الآراء ریفرنڈم میں مولانا مرحوم نے حضرت شیخ الاسلامؒ کے ہمراہ مسلمانوں کو ملت اسلامیہ کے متعدد فیصلے کی اہمیت سے آگاہ کیا اور پھر نظام اسلام تحریک میں سب سے نمایاں کردار مولانا تھانوی نے سرانجام دیا، آپ نظام اسلام کیلئے ہمیشہ کوشاں رہے اور ۲۲ نکات پر مشتمل ایک اسلامی خاکہ مرتب کیا جو ایک عظیم

کارنامہ ہے، دارالعلوم اسلامیہ منڈوالہ یار اور جامع مسجد جیکب لائنز مولانا کی علمی یادگاریں ہیں اور جامع مسجد جیکب لائن سے متصل مولانا کی قیام گاہ اکابر علماء کی مشاورت گاہ تھی جہاں شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ، علامہ سید سلیمان ندویؒ، مولانا مفتی محمد حسنؒ، مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، مولانا مفتی محمد شفیعؒ، مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، مولانا خیر محمد جالندھریؒ، مولانا احمد علی لاہوریؒ اور مولانا محمد یوسف بنوریؒ اس عہد کے واقعات میں مولانا تھانویؒ کے ساتھ مشوروں میں شامل ہوتے تھے اور مولانا کی قیام گاہ ایک پارلیمنٹ کا منظر پیش کرتی تھی۔ جامع مسجد جیکب لائن میں دور و نزدیک سے ہزاروں لوگ مولانا کا دلنشیں خطبہ سننے اور نماز پڑھنے آتے تھے۔ عیدین کی نمازیں مولانا مرحوم نشتر پارک میں پڑھاتے تھے۔ جہاں لاکھوں کا اجتماع ہوتا تھا۔ علمی کارناموں میں مولانا کی تفسیر قرآن بھی ایک عظیم علمی شاہکار ہے اسکے علاوہ سالہا سال ریڈیو پاکستان سے درس قرآن دیتے رہے جسے ملک و بیرون ملک بے حد پسند کیا جاتا تھا مولانا کے لاکھوں عقیدت مند دنیا اسلام میں پھیلے ہوئے ہیں۔

مولانا تھانوی مرحوم کی سب سے بڑی صفت بلا خوف لومۃ لائم کلمۂ حق کا اظہار اور اعلان حق میں جرات وبیباکی کی عادت تھی دین کے بارہ میں کسی کی رو رعایت کی کوئی جگہ ان کے یہاں نہیں تھی جس بات کو حق سمجھا علی الاعلان اور برملا اس کا اظہار بڑی قوت و جرات کے ساتھ کیا اسی طرح مولانا نے ہر اس آدمی یا جماعت کا ساتھ نہیں دیا جو مسلکِ دیوبند کے خلاف تھا اور اس معاملہ میں مولانا نے کبھی چشم پوشی یا مصلحت بینی اور مداہنت سے کام نہیں لیا اسکی بہت سی مثالیں ملتی ہیں جن میں سے دورِ ایوبی کے عائلی کمیشن کی رپورٹ میں مولانا کا اختلافی نوٹ عیدین کے چاند پر حکومت سے مولانا کا تصادم پھر نظر بندی جیسے اہم معاملات ہیں جن کے بارے میں مولانا کے کٹر دشمن بھی سر تسلیم خم کر دیتے تھے۔ میرے والد مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ۔

مولانا احتشام الحق تھانویؒ کے خاص محب و محبوب تھے وہ دونوں حضرات ایک دوسرے سے بڑی محبت رکھتے تھے اور آپس میں بڑے گہرے روابط و تعلقات تھے جب بھی والد مرحوم کراچی تشریف لے جاتے مولانا تھانوی مرحوم کے ہاں قیام فرماتے تھے اور گھنٹوں علمی مجلس قائم رہتیں اور دینی علمی اور سیاسی مسائل پر گفتگو ہوتی رہتی تھی۔ حضرت والدِ مرحوم مولانا سے ملکر بے حد خوش ہوتے تھے اور مولانا کی تعریف کرتے رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ مولانا کے درجات بلند فرمائے۔ آمین

علماء حق کی زینت

(از مولانا عبدالحلیم قاسمی)

خطیب پاکستان حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی

رحمۃ اللہ ایک ممتاز عالم دین کی حیثیت سے تحریک پاکستان کے پر جوش حامی اور بے لوث خادم اسلام تھے، تقسیم ملک سے پہلے آپ نیو دہلی کے سیکرٹریٹ کی جامع مسجد کے خطیب ہونے کے سبب اکثر مسلم لیگی رہنماؤں کے دوست اور ایک مذہبی رہنما تھے، زعمار لیگ آپ کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور تقریبات شادی و غمی میں آپ کی شرکتت کو باعث برکت اور رحمت تصور کرتے تھے، قیام پاکستان کے بعد چونکہ پاکستان کا دارلخلافہ کراچی تھا بریں وجہ آپ نے کراچی کو اپنا دعوت و تبلیغ کا مرکز بنایا، کراچی جیکب لائنز ایک عظیم الشان وسیع و عریض جامع مسجد کی تعمیر کی اور ٹنڈو والہ یار میں دارالعلوم اسلامیہ قائم کیا جہاں ہزاروں طالب علم اقامت پذیر ہو کر درس نظامی کے تحت تمام علوم عربیہ اسلامیہ کی تعلیم پاتے رہے ہیں اور ہزاروں فارغ التحصیل ہو کر دینی علمی اور تبلیغی خدمات میں مصروف ہیں، جنرل محمد ایوب خان کے دور میں اس دارالعلوم میں آپ نے ایک جلسہ تقسیم اسناد رکھا تھا اور اسکا اہتمام خود حضرت مولانا تھانویؒ نے فرمایا تھا جس میں صدر پاکستان کے علاوہ بہت سے وزرار علمار اور زعمار ملت شریک ہوئے تھے، لاہور سے حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، حضرت مولانا سید محمد داؤد غزنویؒ اور ہم دونوں بھائی ٹنڈو الہ یار گئے تھے، راولپنڈی سے مولانا غلام اللہ خان صاحب اور ملتان سے مولانا خیر محمد جالندھریؒ اور مولانا محمد علی جالندھریؒ اور دیگر علمار شریک جلسہ ہوئے، حضرت مولانا مرحوم نے بڑے وسیع پیمانے پر جلسہ کا انتظام فرمایا تھا اُس وقت مسند حدیث پر حضرت شیخ الاسلام مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فائز تھے، سندھ، پنجاب، سرحد، بلوچستان، آزاد کشمیر اور مشرقی پاکستان سے کثیر تعداد میں علمار کرام و مشائخ عظام شریک جلسہ تھے یہ سب کچھ مولانا تھانوی مرحوم کا اثر ورسوخ تھا کہ ایوب خان جیسے آمر کو عربی مدرسہ کے اجلاس میں لائے ورنہ یہ لوگ تو کالجوں کے چکر میں رہتے ہیں ان کو عربی مدارس سے کیا غرض، البتہ عربی مدارس کو قبضانے میں سعی لاحاصل کرتے رہتے ہیں۔ شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں آپ اُن کے دستِ راست اور جمعیت علمار اسلام کے جنرل سیکرٹری اور ناظم اعلیٰ کے فرائض سرانجام دیتے رہے ہیں حضرت مولانا کی زندگی میں دوسری دینی جماعتوں کی حیثیت ذیلی تھی، اصل جماعت صرف جمعیت علمار اسلام ہی تھی جس نے نظام اسلامی کے سلسلہ میں بھرپور کوشش کی جس کا اثر یہ ہوا کہ پاکستان کو اسلامیہ جمہوریہ آئینی طور پر بنا دیا گیا اور قرار دادِ مقاصد کی منظوری کے بعد ملک صحیح معنوں میں اسلامی سلطنت بنا پھر ۲۲ نکات پر اتفاق کا کارنامہ سرانجام پایا، حضرت شیخ الاسلام علامہ عثمانی قدس سرہ ضعف و پیرانہ سالی کے باعث، ملک کے دُور دراز علاقوں میں نہ جاسکتے تھے یہ مولانا احتشام الحق تھانویؒ کی ذاتِ گرامی تھی جو سارے پاکستان کا دورہ کرتے تھے اور پیش آمدہ مسائل میں جمعیت علمار اسلام کا نقطۂ نگاہ ظاہر فرماتے،

مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کے تمام بڑے شہروں اور قصبوں میں مولانا کی آواز گونجی اور ملتِ اسلامیہ پاکستان مولانا کی آواز پر لبیک کہتے، راقم الروف جمعیت علماء اسلام پنجاب کا ناظم اعلیٰ تھا اور عزیزم مولانا عبدالعلیم قاسمی ناظم تھے جب بھی حضرت مولانا تھانوی رحمتہ اللہ علیہ پنجاب تشریف لاتے ہم دونوں بھائی ساتھ رہتے، متعدد بار لاہور جیسے مرکزی شہر میں حضرت مولانا کا خطاب ہوا، ہمارے مدرسہ کے سالانہ جلسوں میں بھی حضرت مولانا رحمتہ اللہ علیہ تشریف لاتے تھے اور بڑی شفقت و عنایت فرماتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے مولانا کو لحنِ داؤدی عطا فرمایا تھا، عربی مدارس کے طلباء اور اساتذہ تو آپ کے گرویدہ تھے ہی، مگر کالجوں، یونیورسٹیوں اور سکولوں کے طلباء بھی مولانا کی تقریر دلپذیر بڑے ذوق و شوق سے سنتے تھے، ملازم پیشہ حضرات وکلاء، علماء تجار، دانشور اور عوام و خواص ہر ایک کی خواہش ہوتی کہ مولانا کی زبان شیریں سے اللہ کا پاک کلام سنیں اور اپنی روح کو زندگی دیں، مولانا کا طرز بیان، اندازِ فکر و عمل اندازِ تبلیغ کا طرز کچھ ایسا تھا جس کو احاطہ تحریر میں لانا مشکل تھا وہ اپنی ذات اور صفات میں اپنی مثال آپ تھے، آپ کی قد آور شخصیت وجاہت ظاہری اور باطنی ایسی تھی کہ صحیح معنوں میں وجیھاً فیالدُّنیاوَالآخرہ کا عملی پیکر نظر آتے تھے۔

حضرت مولانا رحمتہ اللہ علیہ کی زندگی میں دو مرتبہ الیکشن ہوا جس میں آپ کی جرات اور بیباکی نمایاں طور پر ہوئی، بعض اضلاع میں مخالفین سر توڑ کوشش کرتے کہ مولانا کی تقریر نہ ہوسکے، ایک مرتبہ تشریف لائے، فرمانے لگے سرگودھا کے لوگ سخت ہیں وہاں سے مسلسل دھمکی آمیز خطوط آرہے ہیں اور یہی حال گوجرانوالہ کا ہے ان دو شہروں مین جانا تو رُسوائی کا باعث ہوگا وہاں جلسہ کرنا مشکل ہے ان دو شہروں کا پروگرام منسوخ کر دینا چاہیئے کیونکہ وہاں کے مقامی علماء دوسرے گروہ میں شامل ہیں چونکہ راقم الحروف ضلع سرگودھا کا رہنے والا ہے وہاں پر قبلہ والد صاحب پچیس برس تک خطیب رہے اسلیئے مولانا سے عرض کیا آپ فکر نہ کریں سرگودھا شہر تو ہمارا گھر ہے، فرمانے لگے، آپ سب بھائی تو عرصہ سے لاہور میں رہتے ہیں اب وہاں دوسرے لوگوں کا زور ہے جواباً عرض کیا کہ آپ دعا فرمائیں وہاں جلسہ ہوگا، گوجرانوالہ میں بھی راقم الحروف اور عزیزم عبدالعلیم قاسمی تین برس تک رہے ہیں اور مختلف مساجد میں درس قرآن دیتے رہے ہیں وہاں بھی اللہ کی رحمت سے پرانے دوست احباب ذی اثر ایسے ہیں کہ جلسہ کامیاب ہوگا، حضرت مولانا تھانویؒ کچھ تردد میں تھے، الحمد للہ اسی عاجز نے اپنے دونوں فرزند حافظ حسین احمد اور قاری محمود الحسن کو سرگودھا بھیج دیا تاکہ جلسہ کا وسیع گراؤنڈ متصل سنی تھانہ میں انتظام

کریں جناب عبدالحمید صاحب باجوہ مرحوم اتفاقاً وہاں ایس پی تھے انھوں نے نہ صرف بھرپور تعاون کیا بلکہ اپنی گاڑی بھی فیصل آباد سے مولانا کو لانے کیلئے حسین احمد اور محمود الحسن کے حوالہ کردی خدا کے فضل و کرم سے ایسا عظیم الشان جلسہ ہوا جس کی مثال سرگودھا شہر میں نہیں ملتی اسی طرح گوجرانوالہ میں مدرسہ عربیہ میں جلسہ کیا گیا وہ بھی حد درجہ کا کامیاب رہا، حضرت مولانا علیہ الرحمۃ فرماتے تھے کہ ہمارا خیال تھا کہ آپکا اثر صرف لاہور میں ہے لیکن آپ تو پورے پنجاب پر چھپائے ہوئے ہیں"

یہ حضرت مولاناؒ کا حسن ظن تھا بہر حال اس قسم کے متعدد واقعات و مشاہدات ہیں جو اس مختصر مضمون مین شائع کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ایک جلیل القدر مفسرِ قرآن اور خطیب پاکستان تھے، سالہا سال تک روزانہ صبح کے وقت ریڈیو پاکستان پر درسِ قرآن دیتے رہے تھے جس کا اثر علماء اور عوام پر یکساں تھا اپنے پرائے سب بڑی عقیدت و محبت سے اللہ کا پاک کلام سنتے تھے اُن کے بعد آج تک ریڈیو پر ایسا درسِ قرآن نہ ہوسکا مولانا کے بعد کراچی شہر بلکہ پاکستان ایک عظیم خطیب اسلام سے ایسا خالی ہوا جس کا پورا ہونا خدا کی قدرت کا منتظر ہے اور سچی بات یہ ہے کہ ایسا خطیب اب پاکستان میں نہیں ہے غرض یہ کہ مولانا کی ذات ستودہ صفات ہمہ گیر شخصیت کی حامل تھی اور مولانا مرحوم علماء حق کی زینت تھے اُن کے بعد علماء حق اپنے آپ کو یتیم محسوس کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین۔

ایک دِلنواز شخصیت

(از مولانا حافظ نذیر احمد صاحب)

مولانا احتشام الحق تھانویؒ کے ساتھ میرے تعلقات کا عرصہ تقریباً نصف صدی پر محیط ہے اس لئے اُن کے وصال کے بعد آج تک ایسا دن نہیں گزرا کہ جب ان کی دلکش شخصیت کی یاد نے دردِ دل پر دستک نہ دی ہو وہ ایک نامور عالم دین اور مذہبی رہنما تو تھے ہی مگر اس سے بڑھ کر وہ ایک عظیم انسان بھی تھے، ایک ایسا شریف النفس اور کریم النفس اور کریم الشمائل انسان جسکی رفعت کا اندازہ دوسرا کوئی کیسے لگا سکتا ہے، مولانا تھانوی مرحوم کے ساتھ میرے تعلقات کا آغاز زمانہ قیام دہلی کے دوران ہوا۔ ان کے بڑے بھائی جناب عزیز الحق تھانوی سینٹرل گورنمنٹ آف انڈیا میں اعلیٰ سرکاری افسر تھے اور ان کا قیام نئی دہلی میں تھا وہیں میری پہلی ملاقات مولانا سے ہوئی یہ غالباً ۳۳ء کی بات ہے اور اس زمانہ میں دارالعلوم دیوبند کے طالبعلم تھے اور اپنے بڑے بھائی کے ہاں آتے رہتے تھے اس کے بعد جب وہ دیوبند سے فارغ ہو کر مستقلاً دہلی میں

قیام پذیر ہوئے تو ملاقات کا معمول تقریباً روزانہ کا ہوگیا۔ ان دنوں مولانا کا قیام سبزی منڈی کے علاقہ میں تھا لیکن انھوں نے اپنے اوقات کی تقسیم کچھ اس انداز میں کی تھی کہ اُن کا سارا وقت تبلیغ و اشاعت دین میں صرف ہوتا، دن کا آغاز وہ درسِ قرآن سے کرتے جو وہ خواجہ میر درد کی مسجد میں ہر روز نماز فجر کے بعد دیتے اس زمانہ میں وہ مولانا محمد الیاس کاندھلوی کی تبلیغی جماعت سے بھی وابستہ تھے اور روزانہ تبلیغی جماعت کے ساتھ گشت پر جاتے، انگریزی پڑھے لکھے دیندار لوگوں نے جمعیت الانصار المسلمین کے نام سے ایک خالصتاً تبلیغی تنظیم قائم کر رکھی تھی اور اس کے ماتحت دہلی کے مختلف علاقوں میں اور نئی دہلی میں دینی مدارس اور مکاتب قائم تھے۔

مولانا مرحوم اس جمعیت کے تدریسی امور کی نگرانی بھی فرماتے۔

مولانا تھانوی مرحوم کا تعلق چونکہ ایک خوشحال زمیندار گھرانہ سے تھا اس لئے قیام دہلی کے دوران وہ تمام دینی خدمات بلا معاوضہ حسبۃ اللہ سرانجام دیتے رہے، عوام و خواص میں جلانا کا طرز خطابت بہت مقبول ہوا اور لوگ ان کی خطابت کے گرویدہ ہوتے چلے گئے پھر اس وجہ سے بھی لوگوں کے دلوں میں اُن کیلئے عقیدت و احترام و محبت کے جذبات پیدا ہوئے کہ وہ دورانِ تقریر اختلافی مسائل سے بہت دامن کش رہے وہ اتحاد بین المسلمین کے بڑے داعی تھے اور دینی مسائل کو اس خوش اسلوبی کے ساتھ پیش فرماتے کہ پارلیمنٹ کے مسلمان ممبران اعلیٰ سرکاری افسران اور سیاسی کارکنان بڑے ذوق و شوق سے مولانا کی تقریر سنتے، ان کی مترنم آواز اور ان کا شائستہ لہجہ دلوں اور دماغوں کو یکساں متاثر کرتے، قیام پاکستان سے چند روز قبل مولانا مرحوم کراچی تشریف لے آئے اور کچھ ہی عرصہ بعد جیکب لائنز کی یہ مسجد ان کا مستقر قرار پائی۔ ۷۴ء میں مجھے مولانا مرحوم نے اس مسجد سے متصل مدرسہ کا مدرس مقرر کیا یہ بتیس سال کا ساتھ تو گویا شب و روز کا ساتھ تھا اور اس میں مولانا کو بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا، اور میرا اُن کا ہمسایہ بھی تھا، میں ان کا مدرس ماتحت بھی اُن کے بچوں کا استاد بھی تھا لیکن میرے ساتھ مولانا کا معاملہ ہمیشہ بھائیوں کا سا رہا۔

مولانا تھانوی مرحوم نے ہمیشہ حق و صداقت کا پرچم بلند رکھا اور کبھی کسی دباؤ کے آگے نہیں جھکے اور کسی حکومت کو اسلام کے معاملہ میں ٹانگ اڑانے کی اجازت نہیں دی اور دین کے معاملہ میں خاموشی کو جرم عظیم قرار دیتے تھے اور مصلحت کو کمزور قرار دیتے تھے، ایک مرتبہ رویت ہلال کے تنازعہ میں اُن کی گرفتاری عمل میں آئی وہ جانتے تھے کہ گرفتاری ہوسکتی ہے اور تشدد بھی ہوسکتا ہے مگر وہ حق کی خاطر ڈٹے رہے، مولانا کا شمار برصغیر کے عظیم علماء میں ہوتا تھا وہ علماء کی اُس صف میں شامل تھے جو تحریک پاکستان کیلئے جہاد کر رہی تھی انھوں نے پاکستان بننے کے بعد اس مملکت

خداداد کی ترقی و خوشحالی کیلئے بھی بڑی جدو جہد کی تھی وہ چاہتے تھے کہ علاقہ داریت ختم ہو، صوبائی تعصب مٹ جائے تاکہ کراچی سے خیبر تک کے تمام مسلمان چٹان کی طرح متحد ہو کر اپنے وطنِ عزیز کو گلزار بنائیں انھوں نے مغربی تہذیب کو ناپسند کیا مشرقی روایات کو زندہ رکھا اور آخری سانس تک دین کی سربلندی کیلئے کام کرتے رہے اسلام اور پاکستان کی بھلائی کیلئے ہمیشہ متفکر اور دُعاگو رہتے تھے، مولانا تھانوی مرحوم نہایت کشادہ دل اور کشادہ دست انسان تھے ایک نہایت عالی ظرف اور وسیع المشرب انسان تھے۔ امیر و غریب سے یکساں سلوک کرتے اور مستحقین کی ہمیشہ امداد کرتے رہتے تھے ان کا اخلاق بہت بلند تھا اُن کی شانِ استغنار اور تواضع و انکساری بے مثال تھی اور مولانا کی شخصیت مجموعۂ صفات تھی۔ اللہ تعالیٰ اُن کی قبر کو رحمتوں سے معمور فرمائے۔ آمین

اور خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں۔

مولانا کی چند باتیں اور یادیں

(از مولانا سید عبدالمنان شاہ) مولانا احتشام الحق تھانویؒ کے حالاتِ زندگی، ان کی نجی اور گھریلو زندگی، ان کے مشاغل، ان کی پسند و ناپسند کے بارے میں جو معلومات میں نے مختلف ذرائع سے حاصل کیں ان کے مطابق مولانا مرحوم کا خاندان اس برصغیر میں اپنی دینی و ملی خدمات کی بنا پر نہایت معروف و مقبول خاندان ہے اور علمی اور مذہبی حلقوں میں رجعیت کا اونچا مقام رکھتا ہے، مولانا کے والدِ گرامی مولانا ظہور الحق قطب العالم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے شرف نسبت رکھتے تھے، مولانا کے ماموں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا علمی مقام محتاجِ تعارف نہیں، مولانا کی والدہ ماجدہ حضرت شیخ الہند سے بعیت تھیں۔ مولانا کو اپنے دادھیالی اور ننھیالی بزرگوں سے شاندار روایات کا جو ورثہ ملا تھا وہ اس کے پوری طرح وارث و امین ثابت ہوئے اور ان کی پوری شعوری زندگی اس ورثہ کو خلق خدا میں تقسیم کرنے میں صرف ہوئی۔

مولانا کے بارے میں معلومات کے حصول کیلئے سب سے پہلے میں ان کے ایک فرزند جناب نظام الحق صاحب سے ملا۔ نظام صاحب ایک تجارتی فرم کے مینجنگ ڈائریکٹر ہیں کافی عرصہ امریکہ میں رہے ہیں شکل و صورت اور سیرت و اخلاق میں ہو بہو اپنے والدِ گرامی کا نقشہ۔ میں نے نظام صاحب سے پوچھا، اپنی اولاد کے ساتھ مولانا کا برتاؤ کیسا تھا، وہ کہنے لگے، ابا کی طبیعت میں جلال بھی تھا اور جمال بھی مگر رنگِ جمال غالب تھا تاہم ہم بھائی بہنوں پر ان کا رعب اس قدر تھا کہ ہم اس عمر میں بھی ان کے سامنے آنکھ اُٹھا کر بات نہیں کر سکتے تھے، نماز روزے میں کوتاہی یا غیر متشرع انداز کو وہ سخت ناپسند

کرتے تھے، بیٹوں میں احترام بھائی اور تنویر الحق سے بہت تعلق خاطر تھا وجہ یہ تھی کہ ہم سب بھائیوں میں دینی تعلیم انہی دونوں نے حاصل کی، بیٹوں سے بھی بہت پیار تھا اور انھیں کبھی نہیں ڈانٹا کرتے تھے فرماتے تھے کہ بچیاں تو پرایا دھن ہوتی ہیں میں نے دوسرا سوال کیا، مولانا کی مرغوب غذائیں کونسی تھیں، نظام صاحب نے بتایا کہ مولانا گھر میں تیار کیا ہوا حلیم بہت پسند فرماتے تھے ہر کھانے کے بعد میٹھا، سویٹ ڈش، ضرور تناول فرماتے، بڑے گوشت سے پرہیز تھا، سبزیوں میں ساگ ہر قسم کا مرغوب تھا، کھانے میں اپنے لئے امتیاز پسند فرماتے تھے، خوش خوراک تھے لیکن بسیار خور نہیں تھے، کوئی بات گھر میں خلاف طبع ہوتی تو خاموشی سے اپنے کمرے میں چلے جاتے۔ کبھی آپ نے مولانا کو غمگین یا آزردہ خاطر دیکھا، میں نے نظام صاحب سے دریافت کیا، میں نے ایک مرتبہ ابا کو بچوں کی طرح بلک بلک کر روتے دیکھا یہ وہ موقع تھا جب مشرقی پاکستان کی علیحدگی کی سازشی عروج پر تھی اور مولانا اس کوشش میں تھے کہ کسی طرح تمام محب وطن اور اسلام دوست جماعتیں متحد ہو کر ملک دشمن جماعتوں کے مقابلہ میں ایک مضبوط اور فعال محاذ قائم کریں، اس سلسلے میں ابا رات بھر جاگتے ایک روز ان جماعتوں کا اجلاس رات بھر جاری رہا، صبح پانچ بجے اجلاس برخاست ہوا تو دو نیم مذہبی نیم سیاسی جماعتوں نے اس اتحاد میں شمولیت سے گریز کیا ابا کو بہت مایوسی ہوئی اور ان لوگوں کے جانے کے بعد ابا جان زارو قطار رونے لگے، اماں اور احترام بھائی نے آکر بمشکل انھیں سنبھالا اور پھر جب سقوط ڈھاکہ کا قومی سانحہ پیش آیا تو ان کا اضطرب دیکھا نہیں جاتا تھا۔

اس اثنا میں مولانا تھانوی مرحوم کے دوسرے فرزند جناب اعتصام الحق تھانوی بھی تشریف لے آئے وہ ایک عرصہ سے لندن میں کاروبار کرتے ہیں اور وہیں بال بچوں کے ساتھ اقامت پذیر ہیں وہ کہنے لگے، ابا کا مزاج بہت نازک تھا وہ گرمی اور حبس برداشت نہیں کرسکتے تھے۔ جیکب لائنز کی جامع مسجد سے ملحقہ (مدرسہ اشرفیہ جس کا نام اب جامعہ احتشامیہ ہے) کے صدر مدرس حضرت مولانا حافظ نذیر احمد صاحب جن کی مولانا تھانوی مرحوم کے ساتھ رفاقت نصف صدی کے عرصہ پر محیط ہے بھرائی ہوئی آواز اور رندھے ہوئے لہجہ میں پرانی یادوں کو تازہ کرتے ہوئے کہنے لگے، وہ سراپا خیر انسان تھے اور احسان شناسی اور سپاس گزاری میں مولانا کا جواب نہیں تھا میں ان کے بچوں کا استاد ہوں میرے ساتھ اس عرصہ میں مسلانا کا جو سلوک رہادہ نہایت مثالی تھا۔ جامع مسجد جیکب لائنز کے انتظامی امور کے نگران الحاج رحمت اللہ صاحب جو پچھلے تیس سال سے اس مسجد سے متعلق رہے انھوں نے مولانا مرحوم کے بارے میں اپنے تاثرات میں کہا، مولانا تھانوی کی ذاتِ گرامی یوں تو مجموعہ رکمالات تھی لیکن اپنے فرائض کی ادائیگی کے سلسلہ میں مولانا کی جن خوبیوں نے مجھے متاثر کیا ان میں سے چند یہ

تھیں، پہلی بات تو یہ کہ مولانا ملازمین اور خادمین کے بارے میں ہمیشہ اعتماد کا مظاہرہ فرماتے، دوسرے یہ کہ وہ جس طرح خود مستغنی مزاج اور بے نیاز طبیعت کے مالک تھے چاہتے تھے کہ ان سے تعلق رکھنے والا ہر فرد بھی مزاجاً مستغنی ہو، حریص و طماع نہ ہو، تیسرے یہ کہ مولانا اپنے بدترین مخالفوں کے ساتھ بھی نہایت حُسنِ سلوک سے پیش آتے اور ان کی ضرورتوں میں ان کی مدد کر کے خوشی محسوس فرماتے تھے۔

مولانا تھانوی مرحوم کے جانشین اور ان کے بعد جامع مسجد جیکب لائنز کے خطیب اور جامعہ احتشامیہ کے مہتمم جناب مولانا قاری تنویر الحق تھانوی کی آواز، جن کا انداز، جن کا لب و لہجہ، جن کی خطابت کا اسلوب اور جن کی وضع حیرت ناک حد تک مولانا مرحوم سے مشابہ ہے اور یہ سچ دھج اَلْوَلَدُ سِر لِّاَبِیہِ (بیٹا اپنے باپ کی باطنی صفات کا آئینہ دار ہوتا ہے) کی حدیث نبویؐ کے عین مصداق ہیں انھوں نے بتایا کہ "مولانا مرحوم کو بچوں کی دینی تربیت کا بہت اہتمام تھا اور وہ نہ صرف اپنے بچوں کی دینی تعلیم اور مذہبی تربیت کے بارے میں بہت متفکر رہتے تھے بلکہ عام مسلمان بچوں کی اخلاقی اور دینی تعلیم و تربیت کا بھی بطور خاص خیال رکھتے تھے اس مقصد کیلئے جیکب لائنز کی جامع مسجد کے اندر قائم مدرسہ سے سینکڑوں بچوں نے قرآن پاک اور نماز روزے اور دینی مسائل اور فقہی احکام کی تعلیم حاصل کی، سینکڑوں بچے حفظ قرآن کی دولت سے مالا مال ہوئے اور یہ مولانا کی خصوصی توجہ کا نتیجہ تھا اس کے علاوہ ٹنڈو الہ یار حیدر آباد میں مولانا مرحوم نے دارالعلوم دیوبند کی طرز پر جو عظیم الشان دینی درسگاہ قائم فرمائی تھی اس میں پاکستان کے علاوہ ایشیا اور افریقہ کے بہت سے ملکوں کے بچوں نے دینی تعلیم حاصل کی اور آج اس درسگاہ کے فارغ التحصیل بے شمار علماء دنیا کے مختلف علاقوں میں تبلیغی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ ہر جمعہ کے بعد مولانا کے ہاں نشست ہوتی اور اس میں ہر شخص شرکت کر سکتا تھا اس میں چائے کا دور چلتا ایسی ہی نشستوں میں پابندی سے شرکت کرنے والے ایک صحافی جناب شاہد جمیل نے بتایا کہ " مجھے مولانا کی جس بات نے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ ان کی شگفتہ مزاجی ان کی حاضر جوابی اور شعر و ادب سے ان کی گہری وابستگی تھی وہ متانت و شائستگی کا پیکر تھے مگر اس کے باوجود ان کے ہاں ظرافت زندہ دلی اور خوش طبعی کا رنگ نمایاں تھا مولانا کا پسندیدہ موضوع حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ تھا" مولانا مفتی محمد اکمل صاحب فاضل دیوبند نے فرمایا کہ " مولانا احتشام الحق تھانوی کی زندگی میں سلیقہ اور رکھ رکھاؤ بہت تھا جو شخص ان سے ایک مرتبہ ملتا وہ ان کے حُسنِ اخلاق اور ان کی دل نواز شخصیت سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا وہ اخلاق و تواضع کا پیکر تھے۔ میں نے اکیس برس میں ان کے اُجلے لباس پر نہ شکن دیکھی نہ دھبہ وہ نہایت صاف ستھرے اور پاکیزہ نفس انسان تھے وجاہت ظاہری و باطنی سے مالا مال خلیق، فیاض اور ہمدرد انسان تھے"

ان سطور کے راقم نے مولانا تھانوی مرحوم کی زندگی میں ان کا ایک قلمی خاکہ تیار کیا تھا جو میری زیر طبع کتاب، عصرِ حاضر کے نامور علمار میں شامل ہے۔ بہر حال مولانا مرحوم اپنی عائلی زندگی اور خاندانی شرافت و نجابت کے اعتبار سے بڑے خوش نصیب انسان تھے، وہ اپنے علم و عمل میں یکتا، خطابت میں سحر طراز نکتہ نواز، نفاست میں بے نظیر، حُسنِ اخلاق میں بے مثل اور حق گوئی و بیباکی میں جواب نہیں رکھتے تھے جب سکندر مرزا اور داخلہ کی حیثیت سے برسر اقتدار آئے اور انھوں نے علمار کو آنکھیں دکھانی شروع کیں اور یہاں تک دھمکی دی کہ وہ حکومت کے مخالفت علمار کو چاندی کی کشتی میں بیٹھا کر بھارت بھیجدیں گے تو ایک گونج دار آواز تھی جو طبقہ علمار سے اسکے جواب میں بلند ہوئی تھی انھوں نے سکندر مرزا کو ترت جواب دیا تھا، قبل اسکے کہ سکندر مرزا علمار کو چاندی کی کشتی میں بھارت بھیجیں ہم انگریز کے ان بد دماغ افسروں کو لکڑی کے تابوت میں بند کر کے اُن آقاؤں کے دیس انگلستان روانہ کردیں گے اور کم از کم سکندر مرزا تک ان کا ارشاد الہامی ثابت ہوا۔ اسی طرح ایوب خانی دور میں پہلی مرتبہ جرمِ حق پرستی کی پاداش میں جیل کی ہوا بھی کھا چکے تھے، قسمت شہباز و شاہین کے مزے بھی لوٹ چکے تھے مگر انھوں نے اس آزمائش میں بھی عزمیت و صبر و استقامت کا شاندار مظاہرہ فرمایا تھا۔ مولانا مرحوم کی طبیعت کے مختلف اندازان کی مزاجی خصوصیات کا متنوع اور ان کے فکر و عمل کے متعدد پہلو دیکھ کر برصغیر کی بہت سی نامور علمی شخصیتوں کے خاکے نظروں کے سامنے ایک گیٹ کے گزرنے لگتے ہیں ان میں اپنے مرشد طریقت حکیم الامت تھانویؒ کا سا علم و فضل، مفتی کفایت اللہ کا سا تفقہ، علامہ شبیر احمد عثمانی کی سی خطابت و نکتہ آفرینی، مولانا حسین احمد مدنی کا سا زہد و تقویٰ، سید سلیمان ندوی کا سا علمی و ادبی ذوق، مولانا حسرت موہانی کی سی حق گوئی و حق پژوہی اور سلف صالحین کے بیشتر بزرگوں جیسی خوبیاں موجود تھیں اور انھیں دیکھ کر ماضی قریب و بعید کی کتنی دلکش شخصیتوں کی یادیں دل میں تازہ ہو جاتی تھیں ایسی ہی جامع شخصیت کے حوالے سے شاعر نے کہا ہے۔

اس ایک شکل میں کیا کیا نہ صورتیں دیکھیں
نگار تھا نظر آیا نگار تھا نظر آیا نگار خانہ وہ

ایک روشن دماغ عالم

(از مولانا انتظار الحق تھانوی)

والدِ گرامی مولانا احتشام الحق تھانویؒ کی پینتالیس سالہ تبلیغی زندگی کا یوں تو ہر لمحہ اسی جدوجہد میں گزرا کہ اسلام کا پیغام زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچایا جائے ان کی زندگی کا اختتام بھی ایسے ہی ایک تبلیغی سفر میں گھرے۔ بہت دُور جنوبی بھارت کے دُور

افتادہ شہر مدراس میں ہوا، ملک اور بیرون ملک ان کے تبلیغی دوروں کا سلسلہ جاری رہتا، آج کراچی میں ہیں تو کل پشاور میں پرسوں پنڈی میں ہیں تو اس سے اگلے دن لاہور میں، کبھی فیصل آباد کا سفر درپیش ہے تو کبھی ملتان کا کبھی سری لنکا کے تبلیغی اجتماع میں شرکت کیلئے کولمبو جارہے ہیں تو کبھی چین آسٹریلیا، زمبیا، کینیا، ماریشس، لندن اور ایسے ہی دوسرے بہت سے علاقوں اور ملکوں میں بھی انھوں نے اپنے دلکش لب ولہجہ میں اسلام کا پیغام پہنچایا اور ہر جگہ اُن کی خطابت نے لاکھوں کو اپنی پُر سوز اور اپنے پرخلوص انداز سے متاثر کیا غرضیکہ انھیں راحت و آرام اور سکون واطمینان کے بہت کم لمحات میسر آئے اور اسی نے ان کی صحت پر بُرا اثر ڈالا۔ دارالعلوم دیوبند سے ۳۷ء میں فارغ التحصیل اور اس کے بعد زمانہ قیام دہلی ہی سے وہ تبلیغی سرگرمیوں میں ہمہ تن معروف ہو گئے اور یہی معروفتیں ۱۱ اپریل ۱۹۸۰ء تک جاری رہیں۔

اک - روشن دماغ تھا نہ رہا

شہر میں اک چراغ تھا نہ رہا

مولانا تھانوی مرحوم کو دو چیزوں سے عشق تھا اسلام اور پاکستان ان کی تمام تگ ودو انہی دو باتوں کے اردگرد مرکوز رہی، نہ وہ یہ برداشت کرسکتے تھے کہ اسلام کے بارے میں کوئی غلط بات کی یا کہی جائے نہ وہ یہ گوارا کرتے تھے کہ وطن عزیز پاکستان کے خلاف کوئی شخص لب کشائی کرے، ان دو محاذوں پر وہ ہر قوت سے ٹکرانے کیلئے ہر وقت مستعد اور سرگرم عمل رہتے تھے جن دنوں قومی اتحاد کا طوطی بول رہا تھا جیکب لائنز کی جامع مسجد کے قریب وجوار میں عموماً قومی اتحاد کے جلسے منعقد ہوتے۔ ان جلسوں میں عموماً مقرر لوگ ابا جان کو معمولاً بُرا بھلا کہتے، لاؤڈ اسپیکروں کے ذریعے یہ آوند ابا مرحوم کے کانوں تک پہنچتی رہتی مگر وہ اس کا بُرا نہ مانتے اور نہ اس پر بر ہمی خاطر کا اظہار فرماتے، اباجان کی خوبی یہ تھی کہ وہ کسی بھی فرد یا گروہ کی مخالفت کو خاطر میں نہ لاتے تھے اور جو بات اپنی دانست میں حق سمجھتے تھے اس کا برملا اظہار کرنے سے ان کو کوئی خوف یا مصلحت باز نہیں رکھ سکتی تھی، بعض مرتبہ اُن کے سیاسی یا دینی موقف سے گھر کے سب ہی لوگ پریشان ہو جاتے اور گھبرا جاتے لیکن اباجان ان باتوں کا کوئی اثر نہ لیتے، فرماتے:۔

"سر اور داڑھی کے بال سفید ہو گئے ہیں بڑھاپا آگیا ہے طبعی زندگی پوری ہو چکی ہے تو جتنا بھی جی رہے ہیں ایسے میں اگر دین کیلئے مرنا نصیب ہو جائے تو اس سے بڑی خوش قسمتی اور کیا ہوگی"

اور پھر اپنی مترنم آواز میں یہ شعر پڑھتے جو انھیں بہت پسند تھے۔

اے دل تمام نفع ہے سودائے عشق میں
اک جان کا زیاں ہے سو ایسا زیاں نہیں

اسی ضمن میں سودا کے یہ شعر بھی انھیں بہت پسند تھے اور وہ انھیں مزے لے لے کر پڑھتے تھے۔

سودا قمار عشق میں خسرو سے کوہ کن
بازی اگرچہ لے نہ سکا سر تو کھو سکا
کس منہ میں اپنے آپ کو کہتا ہے عشق باز
اے رُوسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

ابا مرحوم کو اشعار کا بڑا عمدہ ذوق ودیعت ہوا تھا وہ خود شعر کہتے، اور ہر اچھا شعر سن کر پھڑک جاتے، سفر ہندوستان سے صرف چار دن پہلے ۲۱ مارچ کو جمعہ کے بعد کی مجلس میں ایک صاحب نے قمر جلالوی کا یہ شعر پڑھا تو ابا جان نے ان سے یہ شعر دوبارہ سنا اور ابا کی آنکھیں شبنمی ہو گئیں۔

دبا کے خاک میں سب چل دیئے دُعا نہ سلام
ذرا سی دیر میں کیا ہوگیا زمانے کو

علامہ اقبال مرحوم کے اُردو و فارسی کے اشعار کے جتنا اچھا انتخاب ابا جان کے حافظہ میں محفوظ تھا، شاید ہی کسی اور کو اتنے اشعار ازبر ہوں، اسکے علاوہ بھی انھیں اُردو فارسی اور عربی کے بلامبالغہ ہزاروں اشعار یاد تھے اور ابا جان خود بھی بہت اچھے شاعر تھے۔

پاکستان کے قیام سے قبل ابا جان نے پاکستان اور نظریہ پاکستان کے سلسلہ میں حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے زیرِ قیادت مسلمانوں کے پڑھے لکھے طبقے میں گراں قدر خدمات انجام دیں اور قیام پاکستان کے بعد ابا مرحوم نے اس ملک میں اسلامی نظام کے قیام اور اسکے اسلامی تشخص کو اُبھارنے کیلئے بھرپور جدوجہد کی جس روز قادیانیت کا مسئلہ حل ہوا اور قومی اسمبلی متفقہ طور پر قادیانیوں کو دائرہ اسلام سے خارج اور اقلیت قرار دیا تو وہ دن ابا جان کی زندگی کا سب سے خوشیوں بھرا دن تھا اور وہ اتنے مسرور اور ہشاش بشاش نظر آتے تھے جیسے انھیں دولت کونین مل گئی ہو، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے ابا جان کو بے پناہ محبت تھی، ایک بہت بڑے بزرگ نے ابا کو خواب میں دیکھا اور خیریت دریافت کی تو ابا نے کہا کہ:۔

"الحمد للہ۔ میرا نام حضور پر درود پڑھنے والوں کی فہرست میں لکھا گیا ہے" ابا جان بہت کثرت سے درود پاک پڑھتے رہتے تھے اور متعلقین کو بھی اسکی تلقین فرماتے رہتے تھے۔ ابا کے مزاج میں شفقت و محبت تھی وہ ہم سب بھائیوں سے بہت محبت و پیار سے پیش آتے۔ جب میں ملازمیت

کے سلسلہ میں مسقط جانے لگا تو ابا کی جدائی کے خیال سے میرا جی نہیں چاہتا تھا کہ میں گھر سے دور رہوں، وہاں رہتے ہوئے بھی مجھے ہر دم یہی خیال رہتا تھا کہ ان کی صحت و تندرستی کے بارے میں معلومات رکھوں اور یہ غالباً اسی تعلق و محبت خاطر کا نتیجہ تھا کہ میں اچانک دو روز پہلے مسقط سے کراچی پہنچا تو یوں مجھے ان کا آخری دیدار کرنے کی بروقت سعادت نصیب ہوئی، انھیں میرے بچے منظرالحق سے بہت تعلق تھا اور فرماتے تھے کہ میرے بعد یہ میرا جانشین ہوگا اور مجھے خاص طور پر ہدایت فرمائی کہ منظر کو حفظ قرآن کیلئے تیار کرنا۔ بہرحال ابا مرحوم کی شفقتیں اور محبتیں یاد آتی ہیں تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے تپتی چھلستی دوپہر میں ٹھنڈی چھاؤں کا سائبان سر سے اُتار لیا گیا ہو، حقیقت یہ ہے کہ ان کا وجود نہ صرف ان کی اولاد کیلئے بلکہ ہر حاجتمند کیلئے سایۂ رحمت سے کم نہ تھا۔ اقبال کا یہ شعر ابا کو بہت پسند تھا اور اب سوچتا ہوں تو یہ شعر خود ان کی ذات پر کیسا منطبق ہوتا تھا۔

چناں تیری کہ اگر مرگ تست مرگ دوام　　　خدا نہ کردہ خود شرم سار تو گردد

ہمارے تایا ابا جناب عزیزالحق صاحب کا یہ شعر بھی ابا جھوم جھوم کر پڑھا کرتے تھے اور یہ شعر بھی ان کی پوری زندگی کا آئینہ دار ہے۔

تمام عمر اس احتیاط میں گزری
کہ آشیاں کسی شاخ پر بار نہ ہو

خطیبِ اسلام

(از مولانا مرتضیٰ عثمانی)

مولانا تھانویؒ کا شمار عہد حاضر کے جید اور صف اول کے ممتاز علماء میں ہوتا تھا، نہ صرف یہ کہ علوم دینیہ میں آپکو عبور اور گہری بصیرت حاصل تھی بلکہ موجودہ دور کے تقاضوں اور حالات سے بھی آپ کو پوری واقفیت تھی اور آپ کی تقاریر میں ان دونوں کا حسین امتزاج نہ صرف صاف صاف جھلکتا نظر آتا تھا بلکہ یہ آپ کی تقاریر کا خاصہ اور ایک دلکش پہلو تھا، آپ کی تلاوت کلام پاک میں حد درجہ حلاوت اور شیرنی تھی جس کے اثر سے لوگ مبہوت ہوجاتے تھے اور اس کے سننے کے مشتاق و آرزومند رہتے تھے یہ بات حد درجہ باعث خوشی ہے کہ مولانا کی آواز میں پورے قرآن پاک کا ٹیپ تیار کرلیا گیا ہے۔

حضرت مولانا تھانوی قدس سرہ کی زندگی کا سب سے نمایاں پہلو آپ کی تبلیغی خدمات ہیں جس کیلئے آپ نے تمام زندگی وقف کردی تھی حتیٰ کہ بھارت کا آخری سفر بھی اسی مقصد کیلئے تھا جو کہ آپکی زندگی کا آخری سفر ثابت ہوا، آپ کو خطابت کا زبردست ملکہ حاصل تھا اور آپکا طرز بیان نہایت

دلکش اور پُر اثر تھا یہ ایسی خوبیاں ہیں جنھیں عطیہ خداوندی ہی کہا جاسکتا ہے اور بلا شبہ بہت ہی تھوڑے لوگ اس سعادتِ عظمیٰ سے سرفراز ہوئے ہیں یہی وجہ ہے کہ آپ کو خطیب پاکستان کے امتیازی لقب سے یاد کیا جاتا ہے جو کہ اس ضمن میں آپ کے امتیازی رُتبے اور منصب کا آئینہ دار ہے۔ آپ کی تبلیغی و اصلاحی سرگرمیوں کا دائرہ صرف اندرون ملک تک ہی محدود نہیں تھا بلکہ بیرون ممالک میں بھی خصوصاً افریقہ میں آپ نے دین اسلام کی ترویج و اشاعت کی زبردست خدمات انجام دی ہیں جس کے نتیجے میں ان ظلمت کدوں میں اسلام کی روشنی پھیلی اور لوگوں کی ایک کثیر تعداد قبولیت اسلام کے شرف سے سرفراز ہوئی۔ آپ کی انہی تبلیغی سرگرمیوں کے نتیجے میں افریقی ممالک سے طلبار کی ایک کثیر تعداد علوم دینیہ کے حصول کیلئے دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہ یار آئی جس کے مولانا تھانویؒ مہتمم تھے یہ طلبار یہاں سے فراغت پاکر افریقہ کے دور دراز علاقوں میں اشاعتِ اسلام اور اسلامی تعلیمات کو فروغ دینے میں آج بھی معروف ہیں۔

حضرت اقدس مولانا تھانوی رحمتہ اللہ علیہ ایک علمی خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور آپ نے برصغیر پاک و ہند کی مشہور دینی و علمی درسگاہ دارالعوم دیوبند میں جلیل القدر اساتذہ کے زیر سایہ تعلیم حاصل کی آپ نے اپنی تبلیغی سرگرمیوں کا آغاز دہلی سیکرٹریٹ مسجد کی خطابت سے کیا اور بعد ازاں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے معتمد خاص کی حیثیت سے ان کے شانہ بشانہ تحریک پاکستان میں سرگرمی سے حصہ لیا، ریفرنڈم کے سلسلے میں علامہ عثمانی کے ہمراہ مولانا تھانوی کا دورہ صوبہ سرحد خاص طور پر قابل ذکر ہے جو کہ وہاں کی رائے عامہ کو پاکستان کے حق میں استوار کرنے میں نہایت معاون ثابت ہوا، آپ نے مرکزی جمعیت علمار اسلام کی تنظیم کے سلسلے میں بھی نمایاں خدمات انجام دیں اور قیام پاکستان کے بعد یہ مولانا تھانوی ہی کی ذاتِ گرامی تھی جن کی انتھک کوششوں اور جدوجہد کے نتیجے میں تمام علمار ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوئے اور پاکستان میں نظام اسلام کے قیام کیلئے ایک ۲۲ نکاتی دستور مرتب کیا گیا جسے آج بھی پاکستان میں نظام اسلام کے نفاذ کیلئے ایک اساس تسلیم کیا جاتا ہے، دوسری جانب تحریک ختم نبوت کیلئے بھی، جس کے نتیجے میں قادیانی فرقے کو سرکاری سطح پر غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا گیا۔ آپکی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں اور آپکی تمام زندگی تبلیغ اور اسلام کے فروغ و سربلندی کیلئے وقف کر دینے سے تعبیر ہے۔ نیز اُن اعلیٰ وارفع مقاصد کے حصول کیلئے آپ کبھی ظاہری رکاوٹوں کو خاطر میں نہ لاتے بلکہ ہر طرح کی رکاوٹوں اور نامساعد حالات کا صبر و تحمل اور اولوالعزمی کے ساتھ مقابلہ کیا اور ہمیشہ سرخرو ہوئے۔

بہرکیف یوں تو مولانا تھانوی قدس سرہ، کی تمام زندگی دینی و علمی کارناموں سے تعبیر

ہے لیکن ان کا سب سے بڑا دینی و علمی کارنامہ دارالعلوم الاسلامیہ اشرف آباد ٹنڈ والہ یار ہے جو ملک کی عظیم الشان علمی درسگاہ ہے اس درسگاہ کو یہ شرف حاصل ہے کہ اسکا قیام جلیل القدر عالم شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ کے مبارک ہاتھوں سے عمل میں آیا اور انھوں نے ہی مولانا تھانویؒ کو اس دارالعلوم کا پہلا مہتمم مقرر فرمایا جنھوں نے اپنے آخری سانسوں تک اس ذمہ داری کو سنبھالا اور اسکی سرپرستی فرمائی، اس مدرسہ میں مولانا اشفاق الرحمن کاندھلویؒ، مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ، مولانا عبدالرحمن کاملپوریؒ، مولانا محمد مالک کاندھلویؒ اور قبلہ والدِ گرامی مولانا ظفر احمد عثمانیؒ جیسی عظیم المرتبت شخصیتوں نے خدمات انجام دی ہیں، قبلہ والد صاحب مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ بیس سال سے زائد عرصہ تک اس دارالعلوم سے وابستہ رہے اور شیخ الحدیث کے منصب جلیلہ پر فائز رہے، دارالعلوم سے علوم دینیہ میں فراغت حاصل کرنے والے ہزاروں طلباء آج بھی پاکستان اور بیرون پاکستان تبلیغ و اشاعتِ دین میں معروف ہیں، ان مذکورہ جلیل القدر شخصیات کے تعلق کی بناء پر اس دارالعلوم کو زبردست شہرت اور امتیازی مقام حاصل ہے دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا تھانوی مرحوم کے اس مقدس ورثے کو ہمیشہ قائم و دائم رکھے اور مولانا کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔ آمین۔

آہ گلچین چمن یہ تجھ سے نادانی ہوئی
پھول وہ توڑا کہ گلشن بھر میں ویرانی ہوئی

آفتاب علم و عمل

(از مولانا حکیم انیس احمد صدیقی)

خطیب الامت حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ہماری جماعت میں نہایت ذہین و متین اور وجیہہ و باوقار شخصیت کے مالک تھے اپنے حسنِ خطابت، حُسنِ نفاست اور حُسنِ صورت و سیرت میں منفرد مقام رکھتے تھے خطابت میں مولانا کا اسلوب بڑا منفرد اور جداگانہ تھا اور وہ ایک خوش الحان قاری تھے جب قرآن حکیم کی تلاوت فرماتے تو جی چاہتا کہ بس آپ پڑھتے ہی رہیں، آپ کی خطابت اور قرات سے پتھر دل بھی موم ہو جاتا اور سامعین جھوم جھوم جاتے، وہ ایک سچے عاشقِ رسول تھے سیرتِ رسول ﷺ کا بیان ان کا دل پسند موضوع اور ایک لحاظ سے ان کی زندگی کا مشن تھا آپ ایک آفتاب علم و عمل تھے جسکی روشنی سے ہزاروں چراغ جل رہے تھے آپ تحریک پاکستان کے مجاہد تھے اور نظریہ متحد قومیت کے مخالف تھے وہ ایک سچے مسلمان اور پکے پاکستانی تھے وہ اتحاد و اتفاق کے علمبردار تھے اور انھوں نے مسلمانوں میں اتحاد پیدا کرنے کیلئے تمام مکاتب فکر کے جید علماء کرام جن میں دیوبندی، بریلوی، اہلحدیث اور شیعہ شامل تھے) کا اجلاس طلب کیا

اور ۲۲ نکات پر مشتمل دستورِ اسلامی مرتب کر کے اتفاق و اتحاد کی ایک عظیم مثال قائم کی، آپ نے قراردادِ مقاصد منظور کرانے میں شیخ الاسلام علامہ عثمانی کے ساتھ ملکر اہم کردار ادا کیا، اسی لیئے شیخ الاسلام کے محبوب اور منظورِ نظر رہے، آپ نے تحریک ختم نبوت میں مثالی کردار کا مظاہرہ کیا اور پھر لادینی تحریکات کے مقابلہ میں حق گوئی کی مثال روایت قائم کی اور ایک مجاہد اسلام کی حیثیت سے اپنا فرض ادا کیا۔

حضرت مولانا تھانوی رحمتہ اللہ علیہ کا شمار اُن علمائے حق میں ہوتا تھا جنھوں نے ارضِ پاک میں اسلام کی سربلندی کیلیئے عزم و استقلال سے دن رات کام کیا، آپ نے تبلیغ دین اور اشاعت اسلام کیلیئے رات کو رات اور دن کو دن نہ سمجھا، اور آخری سانس تک اسکا حق ادا کیا۔

مولانا تھانویؒ قیام پاکستان سے دو ہفتے قبل کراچی تشریف لائے اور جیکب لائنز کی بستی میں قیام پذیر ہوئے جہاں ایک چھوٹی سی مسجد تھی مگر آج یہ مسجد پاکستان کی عظیم الشان جامع مساجد میں شمار ہوتی ہے یہ سب مولانا کی سعی و کاوشوں کا ثمر ہے اسی طرح سے ٹنڈوالہ یار کے مقام پر ایک عظیم الشان دارالعلوم قائم فرمایا جہاں سے ہزاروں ملکی اور غیر ملکی طلباء علم دین کی تعلیم حاصل کر چکے ہیں، اسکے علاوہ بھی متعدد دینی و علمی درسگاہیں اور تبلیغی انجمنیں قائم فرمائیں جو مولانا کی علمی یادگاریں ہیں اور صدقہ جاریہ ہیں۔ جب پاکستان وجود میں آیا تو ریڈیو پاکستان سے مولانا ہی کی آواز میں صبح ہی صبح درسِ قرآن کے عنوان سے کانوں میں رس گھولتی اور ان کی آواز کا سوز و دردِ دل کی گہرائیوں میں اُترتا جاتا تھا پھر یہ آواز اور درس اتنا مقبول عام ہوا کہ روزنامہ جنگ کراچی میں مسلسل ہفتہ وار کالم درس قرآن کے عنوان سے مولانا کی آخر حیات تک شائع ہوتا رہا اور ناغہ نہیں ہوا، مولانا نے اس درس کا کبھی معاوضہ نہیں لیا، بڑے بڑے جلسوں اور ملک و بیرون و ممالک خطاب کیا مگر کوئی نذرانہ وصول نہیں کیا اور بے لوث دین کی خدمت کی۔ بہرحال ایک آفتاب علم و عمل تھا جو غروب ہوگیا جسکی ضوفشانیوں سے تمام عالم اسلام منور تھا۔ اللہ تعالیٰ ان کی بال بال مغفرت فرمائے۔ آمین۔

ہے رشک اک جہاں کو جوہر کی موت پر
یہ اسکی دین ہے جسے پروردگار دے

اسلاف کی آخری یادگار

(از مولانا قمر احمد عثمانی)

حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمتہ اللہ علیہ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں، آپ ایک ممتاز عالم دین، عظیم الشان مفسر قرآن، بہترین محقق،

رفیع الشان فقیہہ اور مایہ ناز خطیب تھے۔ ملک کے مقتدر ترین سیاسی رہنما، محبوب مذہبی و روحانی پیشوا اور دینِ حق کے عظیم مبلغ تھے، آپ کی پوری زندگی جہد و عمل اور سرگرم دینی و ملی خدمات سے عبارت تھی اور آپ نے پاکستان کی دینی اور سیاسی بساط پر وہ اَن مٹ نقوش چھوڑے ہیں جو اس خطے کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہیں گے، حق تعالیٰ نے مولانا کو جن صلاحیتوں اور جن صفات و کمالات سے نوازا تھاان کا احاطہ کرنا بہت مشکل ہے، حق تعالیٰ نے آپ سے خدمت دین کے بے شمار کام لئیے ہیں، دینی علوم میں آپ کی فاضلانہ بصیرت و مہارت بے مثل ہے آپ نے پوری دنیامیں اپنی ذہانت طباعی اور علمی وسعت کا لوہا منوایا ہے۔ حق تعالیٰ نے آپ کی شخصیت کو نہایت محبوب بنایا تھا۔ حق گوئی و بیباکی ہمیشہ آپکا شیوہ رہا اس کے ساتھ سنجیدگی متانت اور تحمل آپ کی خاص صفت تھی، مختلف سرد گرم مواقع پر آپکو دیکھنے کا اتفاق ہوا لیکن کبھی آپ کو مشتعل چراغ پایا جذباتی ہوتے نہیں دیکھا۔ مخالف سے مخالف بات کو بھی آپ پورے صبر و تحمل سے سنتے اور پوری متانت سے اس کا جواب دیتے تھے۔ متعدد مواقع پر آپ کے مؤقف کے خلاف لوگوں کو بات کرتے دیکھا لیکن ہر موقع پر آپکو انتہائی متحمل، بردبار اور متین پایا، یہ صفت آج دنیامیں بہت کمیاب ہے۔

حضرت مولانا مرحوم کی ایک عظیم خصوصیت یہ بھی تھی کہ آپ کے سیاسی نقطہ نظر اور طرزِ عمل نے خواہ کتنا ہی اختلاف پیدا کیا ہو لیکن یہ بات ناقابل انکار ہے کہ جس مؤقف کو آپ نے درست اور حق سمجھا اس پر انتہائی سخت حالات میں بھی وہ مضبوطی کے ساتھ جمے رہے اور کسی قسم کا خوف یا عہدہ و منصب کا لالچ آپ کو اپنے مؤقف سے متزلزل نہ کر سکا حالانکہ اگر آپ چاہتے تو بڑے سے بڑے منصب اور عہدے بھی حاصل کر سکتے تھے لیکن جس مؤقف کو آپ نے درست و حق سمجھا اسکی خاطر بڑی سے بڑی قربانی سے بھی دریغ نہیں کیا اور اعلائے کلمۃ الحق بلند کرتے رہے۔

آپ ایک عالم دین بھی تھے اور با عمل شیخ کامل بھی تھے مفسر مقرر بھی تھے اور مایہ ناز خطیب و ادیب بھی، باوقار و جیہہ بھی تھے اور جامہ زیب بھی، خوش خلق بھی تھے اور خوش گلو بھی، جب آپ آیات قرآنی کی تلاوت فرماتے تھے تو لحن داؤدی کا سماں باندھتے تھے، آپ اُن واعظوں اور خطیبوں میں نہ تھے جو اپنے سامعین کو اپنے سے کمتر سمجھتے ہیں جو صرف اپنی کہتے ہیں اور دوسروں کی نہیں سنتے۔ آپ اپنی بات اس طرح سمجھاتے تھے کہ دلنشین ہو جاتی تھی اور ان کی صحبت میں بیٹھنے والا ہمیشہ کچھ لے کر اٹھتا تھا۔ آپ کی عظیم یادگاروں میں دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہ یار جامع مسجد جیکب لائن، جامعہ احتشامیہ کراچی اور دوسرے متعدد مدارس و مکاتب شامل ہیں جو آپ کیلئے عظیم صدقہ جاریہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپکی خدمات جلیلہ کو مقبولیت بخشے

کچھ قمریوں کو یاد رہے کچھ بلبلوں کو حفظ
عالم میں ٹکڑے ٹکڑے مری داستاں کے ہیں

دارالعلوم دیو بند کے نامور سپوت

(از مولانا کوثر نیازی)

خطیب اسلام حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ ایک جید عالم دین، شہرہ آفاق خطیب اور مفسرِ قرآن تھے، حضرت مولانا مرحوم سے میری پہلی ملاقات پشاور میں ہوئی۔ آج سے تقریباً اکیس بائیس سال پہلے وہ اور میں دونوں ادارہ تبلیغ اسلام پشاور کی دعوت پر ربیع الاول کے اجتماعات سے خطاب کرنے کیلئے یکجا ہوئے تھے، قیام بھی ہم دونوں کا ایک ہی جگہ تھا، پشاور مشہور سماجی رہنما اور صنعت کار سید ظفر علی شاہ ہمارے میزبان تھے ان دنوں ہمارے اور مولانا کے نظریات میں کوئی خاص ہم آہنگی نہیں پائی جاتی تھی مگر یہ دو تین دن کا ساتھ بڑے مزے کا تھا، شعر و شاعری، لطیفے، چٹکلے، سیاسی و دینی مباحث ہر موضوع چھڑا، اور ہر میدان میں مولانا کی خداداد ذہانت اور حاضر جوابی کا قائل ہونا پڑا۔ لین دین، پڑوسی، سفر میں یکجائی، یہ تین پیمانے ایسے ہیں کہ کسی انسان کی حقیقی شخصیت انہی سے ماپی جاسکتی ہے۔ لین دین کی تو مولانا سے کبھی نوبت نہ آئی لیکن سیرت کے جلسوں اور کانفرنسوں وغیرہ میں پشاور سے لیکر راولپنڈی سے لیکر بہاولپور، لاہور، ملتان کراچی اور کوئٹہ تک مولانا کے ساتھ کئی کئی دن سفر میں اکٹھے گزارے۔ اسلئے پڑوس اور سفر کے معیار سے مولانا کی شخصیت کو جانچنا اور پرکھنا کوئی مشکل کام نہ تھا۔ اب یاد کرتا ہوں تو اُن کی پابندی اوقات، آداب مجلس کا لحاظ نشست و برخاست کا خیال، کیا کیا پہلو سامنے نہیں آتا، لباس میں توازن کی اپنی ایک مخصوص وضع تھی، ساری عمر سفید پوشاک پہنی، اس پر سفید واسکٹ اور سفید ہی دو پلی ٹوپی، ہاتھ میں عصا، پاؤں میں دیسی جوتا، اس پر سفید ڈاڑھی، خوشبو لگانے کا اہتمام، جب بھی دیکھا لباس پر نہ کوئی داغ نظر آیا نہ کوئی شکن، خوش وضع اور خوش لباس، لوگ بہت سے دیکھے لیکن حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ کی سی سج دھج کسی میں کم ہی نظر آئی۔

مولانا تھانوی مرحوم ایک باوقار، بردبار، خوش اخلاق اور دارالعلوم دیو بند کے نامور عظیم سپوت تھے۔ ان کے علاوہ خطابت میں بھی مولانا کا اسلوب بڑا منفرد اور جداگانہ تھا، قرآن کریم پڑھنا شروع کرتے تو جی چاہتا کہ بس پڑھتے ہی چلے جائیں، کانوں میں رس گھلتا اور پتھر دل بھی پانی پانی ہوجاتا تھا۔ کبھی کبھی دورانِ تقریر کوئی شعر پڑھتے تو اُس پر سوز ترنم سے سامعین جھوم جاتے، اصلاً

واعظ تھے اس لئے تقریر میں بھی وعظ کا پھیلاؤ ہوتا، بات سے بات پیدا کرتے چلے جاتے تھے، کہانیاں اور حکایتیں بھی سناتے اور مثنوی کے اشعار سے بھی دلوں کو گرماتے، اہلِ زبان تھے، زبان بھی بہت خوبصورت استعمال کرتے، دو دو ڈھائی گھنٹے کی تقریریں تو اُن کا روزمرہ کا معمول تھا ممکن نہ تھا کہ وہ بول رہے ہوں اور لوگ طوالت سے اُکتا کر اُٹھنے لگ جائیں، ان کے مواعظ میں لوگ یوں ساکت وصامت ہوتے جیسے ان کے سروں پر چڑیاں بیٹھی ہیں۔

یوں تو مولانا مرحوم دین کے سلسلے میں جملہ ہی معاملات میں شمشیر برہنہ تھے۔ ارباب حکومت سے تعلقات بھی ہوتے تو ان کی کسی مخالف اسلام حرکت پر خاموش نہ رہتے، کھل کر کلمہ حق کہتے۔ رویت ہلال کے مسئلہ میں تو وہ بطورِ خاص بڑے حساس تھے ان کے نزدیک یہ صرف چاند نظر آنے یا نہ آنے کا سوال نہ تھا، اسلامی عبادات کی صحت اور ادائیگی کا بھی اس پر بڑی حد تک انحصار تھا اُس کیلئے جیل بھی کاٹی واقعہ یہ ہے کہ رمضان اور عیدین کے چاند کے سلسلے میں ان کا نام اس حد تک بریکٹ ہوگیا تھا کہ لوگ جب تک اُن کا اعلان نہ سُن لیتے کسی بیان پر یقین ہی نہ کرتے۔ میں نے قومی اسمبلی میں رویت ہلال کا بل منظور کرایا تو کمیٹی کے پہلے چیرمین حضرت مولانا تھانویؒ ہی منتخب ہوئے اور انھوں نے اپنے فرائض اِس دقتِ نظر اور خوش اسلوبی سے ادا کیئے کہ ملک سے سال ہا سال کا یہ تفرقہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ختم ہوگیا۔ بہرحال آپ بہت بڑے خطیب، مفسرِ قرآن اور جید ترین عالم دین تھے وہ ہر موضوع پر بولتے تھے مگر سیرت النبیؐ کا بیان ان کا دلپسند موضوع اور ایک لحاظ سے اُن کی زندگی کا مشن تھا آپ دل کے مریض تھے۔ مدراس (بھارت) سے سیرت کے جلسوں کیلئے دعوت نامہ آیا تو اپنے معالج کی مخالفت کے باوجود سفر پر روانہ ہوگئے۔ رات دن ذکرِ رسولؐ پر وعظ کیئے اور خوب کیئے اپنی آخری تقریر میں کہا بھی کہ ایسا لگتا ہے کہ اہلِ مدراس میرے خون کا ایک ایک قطرہ نچوڑ کر دم لیں گے۔ مگر نہ لوگ تھکنے میں آئے اور نہ مولانا ہی باز آئے یہاں تک کہ ذکر حبیبؐ کرتے کرتے ہی جان، جانِ آفرین کو سونپ دی۔

ہے رشک اِک جہان کو جوہر کی موت پر
یہ اسکی دین ہے جسے پروردگار دے

مولانا تھانوی مرحوم اور اکابر علماء کرام

خطیب الامت حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی مرحوم کو قدرت نے بہت سے اوصاف و کمالات اور فطری ملکات و خصوصیات سے نوازا تھا۔ اور بڑی فیاضی و فراوانی سے نوازا تھا پھر آپ کو

اکابر علماء کرام اور مشائخِ عظام کی صحبت و معیت اور رفاقت و شفقت کی قابلِ رشک نعمت بھی میسر آئی جس نے آپ کی شخصیت کو اور زیادہ نکھارا اور آپ کے سینۂ بے کینہ کو مزید جلہ بخشی اور آپ نوعمری سے پیرانہ سالی تک اپنے دور کے اکابر و مشائخ کے محب و محبوب رہے، ذیل میں چند اکابر علماء کرام و مشائخ عظام سے آپ کے تعلق کا مختصر ذکر کیا جاتا ہے تاکہ آپ کے علمی و روحانی اور شخصی عظمت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکے۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ

خطیب الامت مولانا تھانویؒ آپ کے عزیز بھانجے تھے اور بچپن ہی سے انہی کے زیر سایہ تعلیم و تربیت حاصل کی اور انہی سے بعیت و سلوک کے منازل طے کئے، ساری زندگی حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کے مسلک و مشرب پر قائم رہے اور آخر دم تک حضرت حکیم الامتؒ کے علوم و معارف کی ترجمانی فرماتے رہے۔ حضرت حکیم الامت مقدس سرہ مولانا احتشام الحق صاحب کو خصوصی عنائیتوں اور شفقتوں سے نوازتے رہے اور اپنی طرف سے دہلی میں مولانا کو مبلغ بناکر بھیجا جہاں عرصہ تک مولانا مرحوم تبلیغی خدمات انجام دیتے رہے۔ حضرت حکیم الامتؒ قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ:۔

"پاکستان میں بھی یہی لوگ کام کرنے والے ہونگے جو آج نئی دہلی میں کام میں لگے ہوئے ہیں"

حضرت حکیم الامتؒ کا یہ اشارہ مولانا تھانوی مرحوم کی طرف ہے کیونکہ وہی نئی دہلی میں درس و تبلیغ کا کام بڑی تندہی سے کر رہے تھے اور حضرت حکیم الامت مجدد الملت کا یہ اشارہ واقعی صحیح ثابت ہوا، بقول مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی مدظلہ کہ"

پاکستان میں جتنا بھی دین کا کام ہوا ہے زیادہ تر اسی تھانوی جماعت کا کام ہے، قراردادِ مقاصد کی منظوری، علماء کے بائیس نکات، اسلامی مشاورتی بورڈ کا قیام، دینی مدارس کا ملک بھر میں قیام، تبلیغ و اشاعت کا کام وغیرہ یہ سب کچھ مولانا تھانوی مرحوم اور اسی جماعت تھانہ بھون کا کام ہے۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ

مولانا تھانوی مرحوم کے شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ نہایت شفیق استاد و مربی تھے۔ آپ حضرت شیخ الاسلام کے علمی و سیاسی جانشین اور دستِ راست تھے دینی اُمور میں مولانا ہی حضرت شیخ

الاسلام کے مشیر خاص رہے، مولانا تھانوی مرحوم فرماتے تھے کہ "

"ہم نے حضرت حکیم الامت تھانویؒ اور شیخ الاسلام علامہ عثمانی کا دامن پکڑا تھا الحمد اللہ ابھی تک نہیں چھوڑا اور انہی کے مسلک و مشرب پر قائم ہیں اور انہی کے ادنیٰ شاگرد کی حیثیت سے دینی کاموں میں لگے ہوئے ہیں"

شیخ الاسلام علامہ عثمانی رحمتہ اللہ علیہ کو مولانا تھانویؒ پر مکمل اعتماد تھا اور بارہا مولانا کی تعریف میں کلماتِ خیر ارشاد فرماتے، ایک دفعہ مولانا تھانویؒ کی تقریر سن کر حضرت شیخ الاسلام نے فرمایا کہ "

"اب مجھے مرنے کی فکر نہیں ہے، الحمد للہ میرے بعد میرا جانشین پیدا ہو گیا ہے"

شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ

شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ مولانا تھانوی مرحوم کے شفیق اُستاد تھے، آپ نے دورہ حدیث مولانا مدنیؒ نے پڑھا، مولانا تھانویؒ فرماتے تھے۔ حضرت الاستاد مولانا مدنیؒ سے میرا تعلق بہت ہی گہرا تھا، حضرت مولانا مدنیؒ بہت شفقت و محبت فرماتے تھے اُن کا زہد و تقویٰ اور خلوص و الہیت بے مثال تھا۔

مولانا سعید الرحمن علوی فرماتے ہیں کہ "

"مولانا تھانوی مرحوم کو شیخ الاسلام حضرت مولانا مدنی قدس سرہ سے ایک خاص تعلق و عشق تھا وہ اپنے اُستادِ مکرم سے اپنے تعلقِ شاگردگی و نیاز مندی کا بارہا ذکر کرتے تھے اور مولانا مدنی کی شفقتوں اور عنائیتوں کا اپنی علمی و نجی مجالس میں اکثر تذکرہ فرماتے رہتے تھے"

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ

آپ مولانا تھانویؒ کے شیخ و مربی تھے۔ مولانا تھانویؒ فرماتے تھے کہ "

"مولانا عثمانی برصغیر پاک و ہند میں اسلاف کی یادگار اور اُستاد الکل کی حیثیت رکھتے تھے وہ میرے مرشد و مربی اور محترم بزرگ تھے مولانا عثمانی کی دینی علمی اور سیاسی خدمات تاریخ میں سنہرے حروف سے لکھی جائیں گی"۔

مولانا عثمانی مرحوم مولانا تھانوی کی علمی و سیاسی بصیرت پر مکمل اعتماد فرماتے تھے ایک دفعہ فرمایا کہ "مولانا احتشام الحق کی علمی و سیاسی بصیرت شک و شبہ سے بالاتر ہے ہمیں ان پر مکمل اعتماد ہے

اور نظام اسلام کی جد وجہد میں مولانا سب سے آگے ہیں"۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ

علامہ ندوی مرحوم اپنے وقت کے جید عالم محقق و مدبر اور عارف کامل تھے حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے خلیفہ ارشد تھے،ایک مایہ ناز ادیب، مصنف اور مورخ تھے۔ مولانا تھانویؒ کے بڑے مہربان اور شفیق بزرگ تھے مولانا کی علمی و سیاسی قابلیت کے معترف تھے، فرماتے تھے کہ "مولانا احتشام الحق کی ذہانت و فراست اور علمی و سیاسی بصیرت کا میں قائل ہوں اور انکی دینی و تبلیغی خدمات قابل رشک ہیں"

مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ

حضرت مفتی صاحبؒ مولانا تھانوی مرحوم کے خاص مہربان بزرگوں میں سے تھے اور مولانا تھانویؒ سے بڑی شفقت و محبت فرماتے تھے، دینی اُمور میں مولانا تھانوی سے مشورہ فرماتے تھے آخر وقت میں بھی مولانا تھانویؒ سے کئی کئی گھنٹے تنہائی میں ملاقات فرماتے اور دینی و ملکی مسائل پر گفتگو فرماتے تھے حضرت فرماتے تھے کہ "مولانا تھانویؒ قابلِ فخر عالم ہیں اور اللہ تعالیٰ مولانا سے دین کی خدمت لے رہا ہے یہ اللہ کا بہت بڑا انعام ہے"

حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ

مولانا جالندھریؒ اور مولانا تھانویؒ کے تعلقات کے بارے میں مولانا محمد شریف جالندھری مرحوم فرماتے ہیں کہ"

" خطیب پاکستان حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی مرحوم حضرت والد ماجد مولانا خیر محمد جالندھری رحمتہ اللہ علیہ کے بڑے محب و محبوب تھے، مولانا تھانویؒ کا تعلق اگرچہ حضرت والد صاحبؒ کے ساتھ نیازمندانہ اور عقید تمندانہ تھا اور حضرت والد صاحب کو اپنا بزرگ سمجھتے تھے فرماتے تھے کہ" میں مولانا خیر محمد صاحب کے ادنٰی سے اشارے کو حکم کے برابر سمجھتا ہوں"

لیکن احترام و اکرام کے لحاظ سے حضرت مولانا خیر محمد صاحب مولانا تھانوی کا دیگر اکابر علماء کی طرح بہت خیال فرماتے تھے، خیرالمدارس اور دیگر اجتماعات پر دعوت دیتے وقت کبھی کبھی حضرت والد صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ "دولہا نہ ہوگا تو بارات کیسے سجے گی"

حضرت والد صاحبؒ کی ان الفاظ میں قطعاً مبالغہ آرائی نہ تھی، بلکہ واقعی مولانا تھانوی علماء کی

جماعت میں دولہا کی طرح ممتاز اور منفرد دکھائی دیتے تھے، ایک دفعہ خیرالمدارس کے جلسہ کے موقع پر میری والدہ محترمہ کا انتقال ہوگیا، حضرت والد صاحبؒ نے نماز جنازہ کیلئے مولانا احتشام الحق صاحبؒ کو ارشاد فرمایا کہ آپ نماز جنازہ پڑھائیں جبکہ دیگر اکابرین کے علاوہ علامہ سید سلیمان ندویؒ بھی موجود تھے، مولانا تھانوی مرحوم نے علامہ سید سلیمان ندویؒ کے بارے میں فرمایا کہ وہ نماز جنازہ پڑھائیں اس پر حضرت والد صاحبؒ نے فرمایا کہ اگرچہ سید صاحبؒ بڑے ہیں لیکن آپ کو ہمارے شیخ ومربی حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ سے نسبت ہے اس نسبت کی بناء پر میں نے آپ کو کہا ہے۔ حضرت والد صاحبؒ کا اشارہ مولانا تھانوی مرحوم کے حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے ساتھ نسبی اور روحانی تعلق کی طرف تھا کیونکہ حضرت والد صاحبؒ اس نسبت کا بے حد احترام فرماتے تھے۔

جامعہ خیرالمدارس کے سٹیج پر تقریر ایک سند کی حیثیت رکھتی ہے، حضرت مولانا تھانویؒ کا شمار اُن بزرگوں میں ہوتا ہے جن کی تقریر حضرت والد ماجد مولانا خیر محمد صاحب خود سٹیج پر تشریف فرما کر سماعت فرماتے تھے، خیرالمدارس کے جلسہ کے اشتہارات میں القابات لکھنے میں انتہائی حزم واحتیاط سے کام لیا جاتا ہے۔ حضرت والد صاحب ہر شخصیت کے بارے میں حقیقی الفاظ استعمال فرماتے تھے" خطیب پاکستان کا لقب مولانا احتشام الحق تھانویؒ کیلئے ہی مخصوص فرمایا تھا، اس سے مولانا تھانویؒ کی خطابت کی اہمیت کا اندازہ بخوبی ہوسکتا ہے غرضیکہ مولانا تھانویؒ سے حضرت والد صاحب کو ایک خاص محبت تھی، مولانا تھانویؒ جب اُن کی زندگی میں ملتان مضافات میں تشریف لاتے تو مولانا کا قیام خیرالمدارس ہی ہوتا اور حضرت والد صاحبؒ بھی ان کے ہمراہ تشریف لے جاتے اور ان کی تقریر کو بڑے ذوق وشوق سے سنتے، مولانا تھانویؒ کو بھی حضرت والد صاحب سے بڑی محبت تھی، ہمیشہ ہر دینی و ملی معاملات میں ایک ہی مسلک و مشرب پر قائم رہے اور ایک دوسرے سے مشورہ فرماتے رہتے۔ حضرت والد صاحب کا انتقال ہوا تو مولانا تھانویؒ بھی کراچی سے ملتان تشریف لائے تھے اور نماز جنازہ میں شرکت فرمائی تھی۔ حضرت والد صاحب کی جدائی سے مولانا تھانوی مرحوم پر اس قدر اثر تھا کہ بیان سے باہر ہے، بڑے غمگین و حزین تھے اور فرماتے تھے کہ مولانا خیر محمد صاحب اس زمانے کے علماء کی یادگار تھے جن کی ذات کے بعد علماء اپنے آپ کو یتیم محسوس کرتے ہیں"

مولانا تھانویؒ خیرالمدارس کی مجلس شوریٰ کے صدر نشین بھی تھے اور حضرت والد صاحبؒ کے رفیقِ خاص تھے اور اُن کا آپس میں تعلق رابطہ مثالی تھا۔ اللہ تعالیٰ درجات عالیہ نصیب فرمائیں۔ آمین۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب
مفتی اعظم پاکستان

حضرت مولانا تھانوی رحمہ کو حضرت مفتی اعظم سے ایک خاص تعلق اور عشق تھا۔
حضرت مفتی اعظمؒ مولانا تھانویؒ کے استاد بھی تھے اور مشفق بزرگ بھی تھے، آخر دم تک گہرا تعلق رہا، ہر دینی و ملی کاموں میں ایک ساتھ رہے، حضرت مفتی اعظم رحمتہ اللہ علیہ کے سانحہ ارتحال پر مولانا تھانوی مرحوم پھوٹ پھوٹ کر رو دئے تھے اور مفتی کی تدفین سے قبل دارالعلوم کراچی میں لاکھوں کے اجتماع سے مولانا تھانویؒ نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ"

" حضرت مفتی اعظم مولانا مفتی محمد شفیع صاحب صرف عوام ہی کے رہنما نہ تھے بلکہ علمار کیلئے بھی رہنمائی کی حیثیت رکھتے تھے اپنے مسائل اور معاملات کے بارے میں محض عوام ہی اُن سے رجوع نہیں کیا کرتے تھے بلکہ علمار کرام بھی اپنی مشکلات اور مسائل ان کی خدمت میں پیش کر کے رہنمائی حاصل کیا کرتے تھے اور حقیقت یہ ہے کہ حضرت مفتی صاحب کے وفات پاجانے سے تمام علمار کرام یتیم ہوگئے ہیں، علمی حلقوں کا زبردست نقصان ہوا ہے جسکی تلافی ممکن نہیں، حضرت مفتی صاحب نے تحریک پاکستان میں جو شاندار اور نمایاں خدمات انجام دیں، تاریخ انھیں کبھی فراموش نہیں کریگی، پھر اُنھوں نے پچاس سال تک مسلسل دینی خدمات انجام دیں اور پیرانہ سالی میں بھی رہنمائی کا فریضہ بڑی ہمت کے ساتھ انجام دیتے رہے انھوں نے ملت اور دین کی جو قابلِ قدر خدمات انجام دی ہیں حق تعالیٰ اُن کا اجر عطا فرمائیں گے"

بہر حال مولانا تھانوی مرحوم کو حضرت مفتی اعظم سے گہرا تعلق تھا اسی طرح حضرت مفتی اعظم مولانا تھانویؒ کی علمی و سیاسی بصیرت پر پورا اعتماد فرماتے تھے اور مولانا کے اندازِ خطابت اور دوسری خوبیوں کی تعریف فرمایا کرتے تھے ایک مرتبہ مدرسہ اشرفیہ سکھر کے جلسہ کے موقع پر حضرت مفتی اعظم سے منتظمین جلسہ نے عرض کیا کہ حضرت کچھ بیان فرمائیے، تو اس پر حضرتؒ نے فرمایا کہ " مولانا احتشام الحق صاحب کے ہوتے ہوئے کسی دوسری تقریر کی ضرورت نہیں رہتی۔
جب منتظمین نے مزید اصرار کیا تو حضرت مفتی اعظمؒ نے فرمایا کہ " خوامخواہ کیوں مخمل میں ٹاٹ کا پیوند لگوانا چاہتے ہو"
حضرت مفتی اعظم کے ان ارشاداتِ عالیہ سے مولانا تھانوی مرحوم کا مقام خطابت ظاہر ہوتا ہے غرضیکہ

مولانا تھانوی ہمیشہ ہر تحریک میں حضرت مفتی اعظم کے ساتھ رہے"

شیخ الحدیث مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ

مولانا تھانویؒ کے خاص محب و محبوب تھے اور حضرت شیخ الحدیث مولانا کاندھلوی اور مولانا تھانوی مرحوم کے آپس میں بڑے گہرے روابط و تعلقات تھے، مولانا کاندھلویؒ جب بھی کراچی تشریف لے جاتے تو مولانا تھانویؒ کے ہاں قیام فرماتے اور گھنٹوں علمی د روحانی مجلسیں قائم رہتیں اور دینی و سیاسی مسائل پر گفتگو ہوتی رہتی، حضرت مولانا کاندھلویؒ مولانا تھانویؒ کی علمی و سیاسی بصیرت پر مکمل اعتماد فرماتے تھے اور مولانا تھانویؒ سے ملکر بہت خوش ہوتے تھے، ایک مرتبہ کسی شخص نے آپ کے سامنے مولانا تھانویؒ کے بارے میں کچھ نازیبا کلمات کہے تو آپ سخت ناراض ہوئے اور اس شخص کو ڈانٹا، پھر اُن کے سامنے مولانا تھانویؒ کی خوبیاں بیان کرتے رہے اور مولانا کی حق گوئی و بیباکی کی تعریف کی آخر کار اُس شخص نے معافی مانگی۔

ایک مرتبہ کراچی کے قیام کے دوران اپنے عزیز داقارب نے فرمایا کہ جب بھی کراچی آتا ہوں تو مولانا احتشام الحق کی محبت غالب آجاتی ہے اور اُنھیں دیکھ کر دل باغ باغ ہوجاتا ہے"

علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ

آپ دارالعلوم دیوبند کے مایہ ناز فاضل اور حضرت علامہ کشمیری کے علوم و معارف کے امین تھے، آپ مولانا تھانوی کے معاصر علماء میں بلند مقام پر فائز تھے، مولانا تھانوی نے علامہ بنوریؒ کی وفات پر اپنے تعزیتی کلمات میں فرمایا کہ"

"مولانا بنوری کی اچانک موت علمی دنیا کیلئے ناقابلِ تلافی نقصان ہے وہ علامہ محمد انور شاہ کشمیری کے ممتاز تلامذہ میں سے تھے انھوں نے پوری زندگی علم حدیث کی خدمت اور درس و تدریس میں گزاری ان کی گرانقدر علمی خدمات میں "معارف السنن" عربی تالیفات میں ایک علمی شاہکار ہے آپ ایک جید عالم دین فقیہہ اور محقق تھے"

علامہ بنوریؒ بھی مولانا تھانویؒ کے علم و فضل اور دینی و ملی خدمات کے معترف تھے۔ فرماتے تھے کہ"

مولانا احتشام الحق صاحب کے سیاسی نظریات سے اختلاف کیا جاسکتا ہے مگر اُن کے علم و

فہم، حُسنِ تدبر اور حُسنِ خطابت سے ہرگز انکار نہیں کیا جاسکتا"

مولانا قاری محمد طیب قاسمی

(مہتمم دارالعلوم دیوبند)

اپنے تعزیتی کلمات میں فرماتے ہیں کہ " مولانا احتشام الحق تھانوی مرحوم کے سانحہ لامتحال سے بے حد رنج و قلب ہوا، وہ دارالعلوم دیوبند کے ممتاز فضلاء میں سے تھے اور پاکستان میں مسلکِ دیوبند کے عظیم ترجمان کی حیثیت سے کام کرتے رہے، مولانا مرحوم اگرچہ عمر میں مجھ سے چھوٹے تھے مگر میرے دل میں اُن کا احترام تھا، اُن کی دلکش شخصیت، باغ و بہار مجالس ہمیشہ یاد رہیں گی، مولانا کے دل میں میری بے حد قدر و منزلت تھی اور وہ میرا بڑا احترام و اکرام فرماتے تھے اللہ تعالیٰ درجات بلند فرمائے۔ آمین۔

علامہ شمس الحق افغانیؒ

علامہ افغانیؒ مولانا تھانوی مرحوم کے اساتذہ میں سے تھے اپنے دور کے عظیم محقق، متکلم اور منطق و فلسفہ کے امام تھے۔ مولانا احتشام الحقؒ سے بڑی محبت و شفقت فرماتے تھے اور مولانا کی دینی و ملی خدمات کے معترف تھے۔ مولانا تھانوی کے سانحہ پر اپنے تعزیتی پیغام میں فرمایا کہ"

" مولانا تھانوی مرحوم ایک جید عالم دین، بہترین خطیب اور مسلکِ دیوبند کے عظیم ترجمان تھے۔ دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہ اور جامع مسجد جیکب لائن کراچی مولانا مرحوم کی عظیم یادگاریں ہیں۔ اور ۲۲ نکاتی دستورِ اسلامی مولانا کا عظیم الشان کارنامہ ہے" الغرض مولانا تھانوی مرحوم اکابر علماء دیوبند کے محبوب تھے اور اپنے دور کے ممتاز و معروف خطیب مدبر و منتظم اور ملتِ اسلامیہ کے عظیم رہنما تھے، اُن کے اوصاف و کمالات گزشتہ اوراق میں تفصیل سے بیان کیئے جاچکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن پر کروڑہا رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین۔

ملفوظات و ارشادات

مجھ ناچیز کو نو عمری سے ہی اکابر علماء دیوبند سے دلی عقیدت و محبت ہے خصوصاً حضرت حکیم الامت تھانویؒ، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، علامہ سید سلیمان ندویؒ، مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ، مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، مولانا خیر محمد جالندھریؒ، مولانا محمد ادریس کاندھلوی، مولانا مفتی محمد شفیع، مولانا احتشام الحق تھانویؒ اور مولانا محمد مالک کاندھلویؒ جیسے جلیل القدر علماء و مشائخ سے اس ناچیز کو

عشق کی حد تک تعلق ہے۔ان میں سے حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ کی زیارت اور شرفِ ملاقات تو بارہا حاصل ہوا ہے، حضرت مولانا مرحوم بھی ناچیز راقم سے بڑی محبت و شفقت فرماتے تھے، ملتان اور لاہور کے اجتماعات میں جب بھی مولانا تشریف لاتے یہ ناچیز ان کی زیارت اور ملاقات سے شرفیاب ہوتا اور اُن کی صحبت بابرکت میں رہنے کا شب و روز میں جو حصہ ملتا وہ زندگی میں عظیم سرمایہ کی حیثیت رکھتا۔ حضرت مولانا تھانوی مرحوم کے وعظ و تقاریر سے تو لاکھوں افراد فیضیاب ہوئے ہیں اسی طرح اُن کی علمی مجالس بھی اصلاح و تربیت کا درجہ رکھتی تھیں، جامع مسجد جیکب لائن کراچی میں باقاعدگی سے نمازِ جمعہ کے بعد علمی مجلس ہوتی تھی جس میں علماء اور عقیدت مند کثرت سے موجود ہوتے تھے۔

ذیل میں چند ملفوظات وارشادات درج کیئے جاتے ہیں جو ہمارے لیئے ہدایت کا ذریعہ ہیں۔

ایک مجلس میں ارشاد فرمایا کہ " حضرت حاجی امداد اللہ تھانویؒ مہاجر مکی رحمتہ اللہ علیہ حکیم لامت حضرت تھانویؒ سے فرمایا کرتے تھے کہ پانی پیو تو ہمیشہ ٹھنڈا پیو کہ زبان سے الحمد للہ کہو تو دل بھی الحمد للہ کہے، گرم پانی پیو گے تو زبان سے تو الحمد للہ کہہ لوگے لیکن دل الحمد للہ نہیں کہے گا اسی لیئے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو اسی طرح استعمال کرو کہ زبان اور دل دونوں اس کا شکر ادا کریں "

فرمایا " میں ایک عالم دین کیلئے اس سے بڑی ذلت اور کوئی نہیں سمجھتا کہ وہ حکومتی دوائر میں کسی عہدہ پر متمکن ہو، اس کا کام ارشاد و ہدایت اور تبلیغ و اصلاح ہے اور وہ حکومت سے باہر رہ کر ہی سرانجام دیا جاسکتا ہے، اقتدار سے باہر رہ کر اصلاح بین المسلمین کا فریضہ سرانجام دیا جائے تاکہ کسی مرحلہ پر بھی اعلاءِ کلمتہ الحق کی آواز مدھم نہ ہونے پائے "

فرمایا کہ " علماءِ کرام کو احقاق حق اور ابطالِ باطل کیلئے تو ہمیشہ سرگرم عمل رہنا چاہیئے لیکن عام مخالفانہ انداز اختیار کرنا علماء کے شایانِ شان نہیں ہے اکابرِ اسلاف نے ہمیشہ حق گوئی کو اپنا شعار بنائے رکھا مگر اس مقصد کیلئے انھوں نے کبھی مخالفت برائے مخالفت کی روش اختیار نہ کی، امام احمد بن حنبلؒ نے، امام شافعیؒ نے، امام مالکؒ نے اور امام ابوحنیفہؒ نے وقت کے حکمرانوں کی خلافِ شرع باتوں پر اعتراض کیا اور اعلاءِ کلمتہ الحق کہنے میں کبھی کوتاہی نہیں کی، بڑی بڑی تکلیفیں اٹھائیں مگر صبر و استقامت کا دامن نہ چھوڑا "

فرمایا کہ " کسی انسان کی حق تلفی کا تدارک پوری زندگی کی عبادتوں سے بھی ممکن نہیں ہے پارسائی کے اسی اعلیٰ معیار کی بناء پر اسلام کا یہ مشہور ضابطہ ہے کہ حقوق اللہ سے حقوق العباد مقدم اور زیادہ اہم ہیں اللہ بھی اُسی سے خوش ہوتا ہے جو اللہ کی مخلوق کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے "

اشعار و رُباعیات

مولانا تھانوی مرحوم کو شعر و سخن سے بھی دلچسپی تھی اور آپ کی طبیعت کو ادب و شاعری سے قدرتی مناسبت تھی۔ شعر خود تو زیادہ نہیں فرماتے تھے مگر سخن شناسی حد درجہ موجود تھی اور صد آفرین تھا آپکا حافظہ کہ ہزاروں اشعار بر زبان تھے، ذیل میں مولانا تھانوی مرحوم کی چند رُباعیات پیش کی جاتی ہیں جو اُن کی ایک قدیم بیاض سے لی گئی ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے نمونہ کے طور پر چند رُباعیات:۔

ڈالی کہیں تحفہ کہیں نذرانہ ہے
صاحب سے کہیں جنت سے یارانہ ہے
دنیا کے طلبگاروں کی حالت مت پوچھ
ہر ایک یہاں نام کا دیوانہ ہے

صافے میں نہ جبے میں کرامت ہے اب
بس ہیٹ لگانے میں شرافت ہے اب
افسوس صد افسوس کہ مُسلم یہ کہے،
داڑھی کے بڑھانے میں حماقت ہے اب

یہ کوشش و ہمت کا نتیجہ نکلا،
ادنیٰ ہے زمانے میں کوئی ہے اعلیٰ،
بھوکے ہیں مسلمان، نصاریٰ خوش عیش
انسان کو ملتا ہے کیئے کا نہ بدلا،

خوش ہے کبھی انسان کبھی ہے بیزار
ہوشیار زمانے میں ذرا رے دلِ زار
یُوسف سے برادر کو کنوئیں میں چھوڑا
دنیا میں کہاں کوئی کسی کا غمخوار

لوگوں کا ہر ایک کام بھی کرنا مشکل
اِنکار پہ طعنوں کا بھی سننا مشکل
افسوس کہ اعزاز کے ساتھ اے شاکر
دنیا میں شریفوں کا ہے رہنا مشکل

چند اہم مکتوبات

ذیل میں مولانا تھانوی مرحوم کے چند اہم مکتوبات پیش کیئے جاتے ہیں جو مختلف حضرات کے نام تحریر کیئے گئے تھے۔

مکتوب گرامی بنام مفتی سیاح الدین کا کاخیلی

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ،

مزاج گرامی!

قادیانی مسئلہ میں کامیابی کے بارے میں میرا تاثر ایک عالم دین، ایک مسلمان اور پاکستانی کی حیثیت سے یہ ہے کہ قومی اسمبلی میں قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے سے جو خوشی مجھے ہوئی ہے شاید میری زندگی میں اس سے زیادہ خوشی کا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا کیونکہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوتؐ کے مقابلہ میں ایک مصنوعی نبوت کا فتنہ اسلام کے جسم کا ایک ناسور تھا جو تقریباً نوے ۹۰ سال سے پرورش پا رہا تھا، فرنگی اقتدار نے مسلمانوں کے جذبہ جہاد سے خائف ہو کر انیسویں صدی کے آخر میں یہ فتنہ صرف اس لیئے اُٹھایا تھا کہ جہاد کو منسوخ کرا دیا جائے مسلمانوں نے ابتداء ہی سے اس فتنہ کا مقابلہ کیا، یہ فیصلہ اسلام کی تاریخ مین سنہرے حروف سے لکھا جائے گا۔ اب ہمیں چاہیئے کہ ہم اس فیصلہ پر بارگاہ اب العزت میں شکر ادا کریں اور متاثر ہونے والے فرقہ کے ساتھ ایسا کوئی برتاؤ نہ کریں جو آئین میں دیئے ہوئے تحفظ کے خلاف ہو"

والسلام
احتشام الحق تھانوی

مکتوب بنام مفتی سید عبدالشکور ترمذی

محترم المقام جناب مفتی صاحب! السلام علیکم ورحمتہ اللہ مدتوں سے جو مراسلت میرے اور آپ کے مابین جاری ہے اس میں بارہا غیر مبہم طریقہ پر دو باتیں عرض کی گئی ہیں جن پر آپ کو یقین کرنا چاہیئے اور ایسی بات نہیں کہنی چاہیئے جس سے اس یقین کی نفی ہوتی ہو، پہلی بات اپنے اس مؤقف سے متعلق ہے جس پر الحمد اللہ بتیس سال سے قائم ہوں وہ دو قومی نظریہ پاکستان و اسلامی نظام کے قیام کی حمایت اور کسی سیاسی شخصیت یا کسی سیاسی پارٹی سے غیر وابستگی تحریک پاکستان کے مخالفوں کا اسلام اگر منظور ہوتا تو مسلم لیگ اور جناح کی تائید کے بجائے جمعیت علماء ہند مجلس احرار

اور کانگریسی علماء کی تائید کرتے، مگر ہم نے حضرت حکیم الامت تھانویؒ اور شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کا دامن پکڑا تھا اور ابھی تک نہیں چھوڑا، اس موقف کی حمایت میں خواہ مفتی سے ٹکر ہو یا ولی خان اور مودودی سے پھر اس موقف کی حمایت سے خواہ مسلم لیگ کو تقویت پہنچی ہو یا پیپلز پارٹی کو ہمارا موقف ایک ایجابی اور مثبت ہے نہ کسی کی مخالفت مقصود ہے اور نہ کسی کی حمایت و تائید، لیکن اگر نتیجہ ایسا ہے تو عنداللہ ہمارا دامن ان دھبوں سے پاک ہے۔ حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ نے کانگریس کی مخالفت کی اور قرآن و سنت کی روشنی میں حق سمجھ کر کی مگر کیا اس سے نتیجہ انگریز کی حکومت کو تقویت نہیں پہنچتی تھی؟ کیا سیاسی جماعتیں یہ الزام نہیں لگاتی تھیں کہ مولانا اشرف علی تھانوی انگریز کی حمایت کانگریس کی مخالفت کرتے ہیں۔ کیا انگریز کمشنر نے شکریہ ادا کرنے کی اجازت نہیں مانگی تھی جو حضرت نے نہیں دی، کیا آپ کی رائے میں اس الزام سے بچنے کیلئے حضرتؒ پوری قوم کو ہندو کی غلامی میں دے دیتے۔ اگر میرے بیانات میں آپکو یا کسی اور کو پیپلز پارٹی کی تائید نظر آتی ہے تو میرا مقصود نہیں ہے لیکن پھر بھی تقویت پہنچتی ہے تو میں اپنے موقف کو چھوڑ نہیں سکتا۔

والسلام
احتشام الحق تھانوی

مکتوب بنام آغا شورش کاشمیری مرحوم

آپ کے پُرخلوص مکتوب گرامی سے متاثر ہو کر اس صورتِ حال سے مطلع کرنا چاہتا ہوں کہ آجکل عام تاثر دیا جارہا ہے کہ میں نے تحریک پاکستان سے اختلاف رکھنے والوں کو پاکستان دشمن قرار دیا ہے جبکہ اس میں حضرت مولانا مدنیؒ جیسے اکابر بھی شامل تھے اسکی وضاحت میں اپنی نظر بندی سے رہائی کے بعد لاہور کے استقبالیہ میں کر چکا ہوں جسکی صدارت استاذ العلماء حضرت مولانا رسول خانصاحبؒ نے کی تھی اور اس میں مولانا مودودی صاحب بھی شریک تھے، اسی طرح کی وضاحت ڈیرہ غازیخان کے ایک جلسہ رعام میں بھی کر چکا ہوں، میں نے تو تحریک پاکستان کے زمانہ میں اسطرح کے الفاظ نہیں کہے، حضرت مدنیؒ اور مولانا حفظ الرحمن سیوہارویؒ مجھ پر جس قدر مہربان تھے اسکا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ میں ان حضرات کا جس قدر احترام کرتا تھا اس کا علم علماء کے طبقہ میں مولانا سعید احمد اکبر آبادیؒ مدیر "برہان" دہلی اور مولانا دلدار علی غازی پروفیسر سٹی کالج کراچی کو اچھی طرح ہے۔ قیام پاکستان کے بعد مولانا احمد علی لاہوریؒ نے مجھے جمعیت علماء اسلام کا ناظم اعلیٰ مقرر فرمایا تھا پھر وصال سے قبل جب حضرت

لاہوریؒ علالت کی حالت میں عمرہ کیلئے جارہے تھے تو میرے غریب خانے پر تشریف لائے اور فرمایا میری انتہائی خواہش ہے کہ آپ جمعیت علماء اسلام کو سنبھالیں، میں نے غایت ادب سے عرض کیا جی حضرت بہتر ہے۔ غرضیکہ یہ حضرات تو میرے اکابر ہیں اور مجھ پر بے حد مہربان اور شفیق تھے اگر میرے دل میں کانگریسی اور غیر کانگریسی کی تعریف ہوتی تو ۲۲ دستوری نکات ترتیب دینے کے سلسلہ میں ہر مکتب فکر کے علماء کے اجتماع میں مولانا احمد علی لاہوریؒ، مولانا محمد علی جالندھریؒ، مولانا یوسف بنوریؒ اور مولانا مودودی کو کیوں شریک کرتا جبکہ یہ اجتماع میری اور صرف میری دعوت اور رائے ہوا تھا۔ الغرض مجھے نہ کانگریسی علماء سے اختلاف ہے اور نہ جمعیت کی قیادت سے بلکہ اصل اختلاف اس عالمگیر اسلام کش فتنہ سے ہے جو کمیونزم اور سوشلزم کے نام سے ہمارے ملک میں اُٹھ رہا ہے اور جمعیت علماء کے پلیٹ فارم سے یا اس کے اخبار " ترجمان اسلام " سے اسلامی سوشلزم کی پر فریب مگر مہلک اصطلاح اختیار کر کے اس فتنہ کی حمایت کی جارہی ہے۔ میرے نزدیک اسوقت سب فرقوں نے ملکر اس لادینی فتنہ کی مخالفت اور اسکے خلاف جہاد کرنا چاہیئے"۔

فقط احتشام الحق تھانوی

دارالعلوم دیوبند کی صد سالہ تقریبات

دارالعلوم دیوبند ایک بین الاقوامی دینی یونیورسٹی ہے جہاں سے شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ، امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مجاہد اسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ، شیخ الحدیث مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، مفتی اعظم مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ، شیخ التفسیر مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ، محدث العصر علامہ محمد یوسف بنوریؒ اور خطیب الامت مولانا احتشام الحق تھانویؒ جیسے جلیل القدر علماء فارغ التحصیل ہو کر دنیائے اسلام میں آسمانِ علم و عمل کے اُفق پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے اور جن کی علمی تبلیغی اور دینی خدمات سے پورا عالمِ اسلام منور ہوا۔ دارالعلوم دیوبند کی صد سالہ تقریبات ۲۳، ۲۴، ۲۵ مارچ ۱۹۸۰ء کو انعقاد پذیر ہوئیں جن میں تمام ممالکِ اسلامیہ سے فضلاء دیوبند اور دیگر معزز حضرات اور نمائندگانِ حکومت نے لاکھوں کی تعداد میں شرکت کی۔ پاکستان سے بھی علماء دیوبند کا ایک عظیم قافلہ اس جشن دارالعلوم دیوبند میں شریک ہوا۔

مولانا کو خصوصی دعوت

مولانا احتشام الحق تھانویؒ نے بھی اپنے مادرِ علمی کی صد سالہ تقریبات میں شرکت کرنی تھی اور بڑے مسرت کے لہجہ میں فرماتے تھے کہ انشاء اللہ جشن دارالعلوم میں جاؤنگا جہاں سے میں نے سب کچھ سیکھا ہے اور اللہ تعالیٰ نے میرے مادرِ علمی ہی کے صدقے میں اِس احقر کو دین کی خدمت کیلئے منتخب کیا ہے، وہاں جاکر اپنے اساتذہ و مشائخ کے مزارات پر حاضری دونگا، وہاں میرے اکابر محو آرام ہیں۔ آپ اسی خوشی میں دارالعوم دیو بند جانے کی تیاری میں معروف تھے ویسے بھی حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیو بند کیطرف سے آپکو خصوصی طور پر مدعو کیا گیا تھا اور دارالعلوم کے صد سالہ پروگرام میں مولانا تھانوی مرحوم واحد شخص تھے جن کو وہاں تقریر کرنے کیلئے سب سے زیادہ وقت دیا جارہا تھا اور خاص طور پر آپ کے پروگرام کو اہمیت دی جارہی تھی، اس پروگرام کے ساتھ ساتھ ہندوستان کے متعلقین اور عقید تمندوں نے بہت سے پروگرام بنائے تھے۔ دنیاء اسلام کے لاکھوں مسلمان مولانا کے منتظر تھے مگر عین وقت پر حکومت نے مولانا کے کاغذات مین تاخیر کردی اور آپ اس عظیم الشان اجلاس میں شرکت نہ فرماسکے جس سے آپکو دلی صدمہ ہوا تھا"۔

کراچی سے دہلی روانگی

روزنامہ امن کراچی کی رپورٹ کے مطابق مولانا تھانوی مرحوم ۲۶ مارچ ۸۰ء کو کراچی سے دہلی کیلئے روانہ ہوئے اور وہاں سے سیدھے دیوبند گئے جہاں اپنے دیرینہ رفیق مولانا معراج الحق صاحب استاذ دارالعوم دیو بند کے ہاں قیام فرمایا پھر تھانہ بھون گئے اور ایک روز قیام فرمایا پھر آپ نے ہندوستان کے متعدد شہروں کا تبلیغی دورہ کیا اور بہت سے جلسوں سے خطاب فرمایا، ہندوستان کے تبلیغی دورے کے بعد آپکا کئی دوسرے ممالک، انگلستان، مسقط، زمبیا، افریقہ اور پھر وہاں سے سعودی عرب میں عمرہ ادا کر کے وطن واپس آنے کا پروگرام تھا۔

دہلی میں تبلیغی مصروفیات

مولانا تھانوی مرحوم سفرِ ہندوستان کے بارے میں مختصراً اپنی ڈائری میں لکھتے ہیں کہ "

"میں ۲۶ مارچ ۸۰ء کو کراچی سے دہلی روانہ ہوا، دہلی کے پالم ائیرپورٹ پر جناب یونس

دہلوی کی بیگم صاحبہ نے پہلے ہی گاڑی بھیجدی تھی۔ میں نے انھیں کے ہاں قیام کیا پھر ۲۷ مارچ کو میں بذریعہ کار اپنے آبائی شہر تھانہ بھون پہنچا اور اسوقت شام کے ساڑھے چار بجے تھے مغرب کی نماز خانقاہ تھانہ بھون میں پڑھی۔ بڑے ابا کے مزار پر حاضری دی (خانوادہ تھانوی میں بڑے ابا کے نام سے حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کو یاد کیا جاتا ہے) پھر وہاں سے دیو بند روانگی ہوئی اور عشاء سے قبل دیو بند پہنچے اور مولانا معراج الحق کے ہاں قیام کیا، ۲۸ مارچ کو ناشستہ سے فارغ ہو کر صبح ۲ / ۱ ۹ بجے روانگی اندراج کیلئے سہارنپور پہنچے وہاں سے دیو بند واپس آئے نماز جمعہ دیو بند کی چھتہ کی مسجد میں پڑھی، مولانا معراج صاحب کے ہاں حکیم محمد عمر صاحب سے ملاقات ہوئی۔ نماز جمعہ کے بعد دیو بند سے دہلی روانگی ہوئی اور عصر کے وقت دہلی پہنچ گئے، دوسرے روز صبح عبدالمجید صاحب سے ملاقات ہوئی پھر مکان پر لے گئے اسکے بعد تبلیغی مرکز نظام الدین گئے جہاں مکہ معظمہ سے آئے ہوئے مدرسہ صولتیہ کے مولوی شمیم احمد، مولوی محمد احمد صاحب اور زمبیا سے آئے ہوئے جناب نثار احمد اور مولوی یامین سے ملاقات ہوئی۔ پھر شمع گروپ کے مدیر یونس دہلوی کے ہمراہ حضرت خواجہ نظام الدین دہلوی اور خواجہ بختیار کاکی کے مزارات پر حاضری دی۔ ۳۰ مارچ کو حکیم عبدالجلیل صدیقی سے ملاقات ہوئی، دہلی کے تین چار روز قیام کے دوران احباب نے کئی تبلیغی اجتماعات کا پروگرام بنایا جہاں دن رات میں کئی کئی مقامات پر تقریروں کا سلسلہ جاری رہا"۔

جناب مولانا تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں کہ"

" مولانا تھانوی مرحوم ۲۶ مارچ کو کراچی سے بذریعہ طیارہ دہلی روانہ ہوئے اور ایک رات کیلئے دیو بند تشریف لے گئے پھر اگلے ہی روز دہلی چلے گئے احقر دہلی پہنچا تو ایک روز عصر کے بعد احقر جامع مسجد دہلی کے شمالی دروازے پر کھڑا تھا وہاں سامنے دیکھا تو ریڈوراک پارک کے کنارے مولانا تھانوی مرحوم کسی صاحب سے محوِ گفتگو تھے وہی خوش وضع لباس، وہی دلکش انداز و ادا بالکل صحت مند توانا اور چاق و چوبند، اس وقت احقر دوسرے رفقاء کے ساتھ تھا اور ایک اور جگہ جانا ضروری تھا اسلیئے نیچے اُتر کر ملاقات کا موقع نہ ملا تھا خیال تھا کہ انشاء اللہ کسی اور موقع پر ملاقات ہوجائے گی لیکن کسے معلوم تھا کہ مولانا کی یہ آخری زیارت ہوگی پھر ملاقات تو کجا اس پر شکوہ سراپا کی کوئی جھلک بھی نظر نہ آسکے گی"۔ ماہنامہ ابلاغ کراچی)

سیرت کانفرنس مدراس میں آخری خطاب

دہلی میں کئی روز کے قیام کے بعد آپ عقیدت مندوں کے اصرار پر مدراس تشریف لے

گئے جہاں اپنے ایک خاص دوست کے ہاں قیام فرمایا، اس دوران متعدد شہروں میں تبلیغی جلسوں سے خطاب فرماتے رہے اور متعدد نمازوں کی امامت فرماتے رہے۔

جناب مولانا احترام الحق تھانوی فرماتے ہیں کہ "

"ابا جان (مولانا تھانویؒ) دارالعلوم دیوبند کی صد سالا تقریبات میں شرکت کی غرض سے ہندوستان تشریف لے گئے لیکن بعض وجوہ کی بنا پر تاخیر سے دیوبند پہنچے۔ کئی روز دہلی میں قیام فرمایا جہاں کئی دینی و تبلیغی اجتماعات میں شرکت کی پھر ۳، اپریل کو بذریعہ طیارہ مدراس پہنچے جہاں اُن کا پُرتپاک خیر مقدم کیا گیا۔ مسلمانانِ مدراس کی خواہش تھی کہ مولانا ۲۵ سال کے بعد مدراس تشریف لائے ہیں اسلئے اُن کے اس دورے کو بڑی اہمیت دی گئی، متعدد شہروں میں جلسوں کے پروگرام بنائے گئے وہاں کے دینی مدارس اور معززین شہر کیطرف سے استقبالیہ تقاریب کا اہتمام کیا گیا بلکہ ایسے پروگرام بنائے گئے کہ مولانا کو جتنے آرام کی ضرورت تھی وہ میسر نہ ہوسکا، شب و روز کئی کئی مقامات پر جلسے کرائے گئے جبکہ مولانا کو عارضہ، قلب کی شکایت تھی اور وہ چار سال قبل کراچی میں عارضہ، قلب کے ہسپتال میں داخل رہ چکے تھے۔ مگر وہاں کے مداحوں اور عشاق نے مولانا کے اس دورہ کو غنیمت سمجھا، اور مولانا کے فیض علمی و روحانی سے خوب خوب فائدہ اُٹھایا، جلسے کرائے، مجلسیں منعقد کرائیں، نمازوں کی امامت اور دوسرے پروگراموں میں ضروری شرکت کرائی گئی ۳، اپریل سے ۱۰، اپریل تک مولانا کو شب و روز مصروف رکھا، ۱۰، اپریل کو بعد نماز عشاء ایک عظیم الشان سیرت کانفرنس کا اہتمام کیا گیا جس میں مولانا نے عوام الناس کو اپنے سحر انگیز خطاب سے خوب مالا مال کیا۔ عام اجتماع میں مولانا کا یہ آخری خطاب عام تھا جس سے اہلِ مدراس کی مدتوں کی تشنگی دُور ہو گئی" ۔ (رپورٹ اخبار جہاں کراچی)

آخری تقریر کے چند جملے

محترم جناب اقبال احمد صدیقی تحریر فرماتے ہیں کہ " ۱۰ اپریل ۱۹۸۰ء کی شام بعد نماز عشاء مولانا تھانویؒ نے مدراس کی جامع مسجد میں سیرت النبیؐ کانفرنس سے آخری خطاب عام فرمایا اِس سے قبل متعدد جلسوں اور مجلسوں میں اپنے سحر آفرین انداز خطابت سے مسلمانوں کے قلوب کو منور کیا ایک ایک دن میں کئی کئی بار تقریریں کیں۔ بہت سی نمازوں کی امامت کی، متعدد مقامات پر طویل مسافت طے کر کے تبلیغ دین کیلئے پہنچے سیرت کانفرنس مدراس میں خطاب کرتے ہوئے مولانا تھانویؒ نے فرمایا کہ " یہ میری خوش قسمتی ہے کہ میں پچیس سال کے بعد پھر ایک مرتبہ آپ حضرات

سے ملاقات ہوئی اور قریب سے دین کی باتیں کرنے کا مجھے موقع ملا مدراس کا پروگرام تقریب اور آٹھ روز کا تھا۔ اور اس کے مضافات میں بھی کئی تقریریں ہو چکی ہیں اور اب یہاں مدراس میں دو دن کا پروگرام ہے اور یہ دو دن ایسے وقت ملے ہیں جبکہ انھوں نے تیل کا ایک ایک قطرہ اندر سے نکال لیا ہے آواز بھی بیٹھ گئی ہے صحت و تندرستی بھی جواب دے گئی ہے بیشک یہ دو دن تو آپ کے لئے مگر آپ کے جذبہ اور آپ کے شوق کو دیکھ کر یہ تقاضا دل میں ہوتا ہے کہ اگر آپ چسانک بھرایں تو میں سیر بھر ہو جاؤں علامہ اقبال کا شعر ہے۔

نہ ہو قناعت شعار گلچیں اسی سے قائم ہے شان تیری
وفور گل ہے اگر چمن میں تو اور دامن دراز ہوجا

جی تو چاہتا ہے مگر میں شرمندہ ہوں اپنی بے بضاعتی کا، اپنی ناتوانی کا اور بڑھاپے کی اس عمر کا تقاضا دیکھ کر یہ سمجھتا ہوں کہ جتنا آپ میں جذبہ و شوق ہے میں اس کا چوتھا حصہ بھی ادا نہیں کر سکتا" (روزنامہ جنگ کراچی ۲۳ مئی ۱۹۸۰ء)

آخری درسِ قرآن

سیرت کا موضوع تو آپکی زندگی کا اصل مشن تھا رات دن ذکرِ رسول پر خطاب فرماتے رہے مگر مسلمانانِ مدراس تھکنے میں نہ آئے اور نہ ہی مولانا باز آئے حالانکہ آپ دل کے مریض تھے مگر آپ نے اسکی پرواہ نہ کی یہاں تک کہ ذکرِ حبیب کرتے کرتے ہی جان جان آفرین کو سونپی، رات کو سیرت کانفرنس میں دو ڈھائی گھنٹے خطاب فرمایا اور ۱۱ اپریل کی صبح بعد نمازِ فجر جامع مسجد مدراس میں درسِ قرآن کریم کی تعلیمات مقدسہ پر ایک فکر انگیز درس دیا جو مولانا کا آخری درسِ قرآن تھا"

وفات حسرت آیات

درسِ قرآن کے بعد مولانا تھانویؒ اپنے مداحوں کے ہجوم میں اپنی قیام گاہ پہنچے اور کچھ دیر عقیدت مندوں سے گفتگو کرتے رہے کوئی ساڑھے سات بجے ہوں گے کہ مولانا اپنی ٹوپی دھونے کیلئے باتھ روم چلے گئے میزبان اور دوسرے عقید تمندوں کے اصرار کے باوجود انھوں نے ٹوپی خود ہی دھونے کی کوشش کی اور سرف مانگا، اچانک انھیں دل کا دورہ پڑا وہ باتھ روم سے باہر آئے اور پلنگ پر بیٹھنا چاہا لیکن جان لیوا دورہ نے اُنھیں مہلت بھی نہ دی ڈاکٹر جو موقع پر موجود تھا اُس نے تنفس

بحال کرنے کی کوشش کی مگر مشیت ایزدی نے مولانا کے ہندوستان کے اِس تبلیغی سفر کو سفرِ آخرت بنا دیا اور بالآخر ۱۱ اپریل ۱۹۸۰ء بروز جمعۃ المبارک بوقت ۲/۱ ۸ بجے صبح مولانا کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

مولانا کی رحلت کی خبر سُن کر پورے عالم اسلام میں صفِ ماتم بچھ گئی۔ علمی و دینی حلقے اپنے عظیم مذہبی پیشوا کے سایۂ عاطفت سے محروم ہوگئے اور پاکستان اپنے مایۂ ناز خطیب اور عظیم مفسرِ قرآن سے محروم ہوگیا۔ (اخبار جہاں، کراچی)

جسدِ خاکی کی بذریعہ طیارہ کراچی واپسی

روزنامہ جنگ کراچی کی رپورٹ کے مطابق مولانا کے انتقال کی خبر سب سے پہلے نئی دہلی میں پاکستانی سفارتخانے کو دی گئی، سفارتخانے نے مولانا کے بڑے صاحبزادے کو جو لندن میں مقیم تھے ٹیلیفون پر اطلاع دی گئی جنھوں نے کراچی میں اپنے اہلِ خاندان کو مولانا کے انتقال کی خبر ٹیلیفون پر دی جس کے بعد مولانا کے انتقال کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پورے ملک میں پھیل گئی اور کراچی میں جوق در جوق ان کی قیام گاہ پر تعزیت کیلئے آنے لگے۔ تعزیت کیلئے آنے والوں میں علماء میں علماء صلحاء اُمراء، غرباء، طلباء اور عوام و خواص کے علاوہ خواتین کی بھی بہت بڑی تعداد موجود تھی۔ مدراس میں مولانا کے انتقال کے بعد نئی دہلی میں پاکستانی سفارت خانے نے ان کا جسدِ خاکی کراچی بھیجنے کے خصوصی انتظامات کئے اور صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق شہید کے خصوصی احکامات کے مطابق بڑے عزت و احترام کے ساتھ پی آئی اے کے طیارے سے مولانا کی میت رات تقریباً ساڑھے نو بجے کراچی، پہنچی دہلی میں پاکستانی سفیر اور سفارتخانے کی جانب سے مولانا کی میت پر پھولوں کی چادر بھی چڑھائی گئی تھی، ہوائی اڈے پر مولانا مرحوم کے صاحبزادگان، عزیز و اقارب کے علاوہ ہزاروں کی تعداد میں لوگ جمع تھے، جب مولانا کی میت طیارے سے باہر لائی گئی تو موجودہ لوگوں کی آنکھیں اشکبار تھیں، ہوائی اڈا پر ڈاکٹر امیر احمد خان، حنیف سولجر، قاری شیر افضل، مبارک شاہ، عبدالستار ایدھی اور صابر علی جامی کے علاوہ ہزاروں عقیدت، مند موجود تھے، ہزاروں کی تعداد میں لوگ بسوں، موٹروں، کاروں اور اسکوٹروں پر ہوائی اڈے پہنچے تھے، اور جب میت گھر لائی گئی تو وہاں بھی ہزاروں کی تعداد میں لوگ موجود تھے جو دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ مولانا کا آخری دیدار کرنے کیلئے ہزاروں کی تعداد میں لوگ رات بھر ان کے گھر پر جمع رہے سوگوار حالت میں رات بھر جاگتے رہے۔

مولانا کے صاحبزادے مولانا احترام الحق تھانوی فرماتے ہیں کہ "

والدِ گرامی کی میت جب پی آئی اے کے ذریعے دہلی سے کراچی آئی تو ہوائی اڈہ پر اُن کے ہزاروں سوگوار عقید تمند اشکبار آنکھوں کے ساتھ کلمہ طیبہ کا وِرد کرتے ہوئے کندھا دینے کیلئے ٹوٹ پڑے۔ عقید تمندوں نے میت کا تابوت جہاز سے اُتار کر پی آئی اے کے ٹرک میں رکھا تابوت سفید چادر سے ڈھکا ہوا تھا جس پر پھولوں کی چادر پڑی تھی پی آئی اے کا ٹرک تابوت کو لے کر کارگو گیٹ تک آیا جہاں تابوت کو بانٹوا میمن جماعت کی میت گاڑی میں منتقل کیا گیا یہ گاڑی جیسے ہی ہوائی اڈے کی عمارت سے باہر آئی، مولانا کے ہزاروں عقید تمندوں کا جلوس پیچھے ہولیا اس گاڑی کے پیچھے کاروں، موٹروں، ٹرکوں، بسوں، سوزوکیوں اور موٹر سائیکلوں کی ایک بڑی لمبی قطار لگ گئی جب میت گاڑی شارع فیصل پر پہنچتی تو ٹریفک پولیس نے اسکی عزت و احترام کے ساتھ روانگی کیلئے دوسری ٹریفک کو روک دیا گیا۔ رات بھر مولانا کا دیدار کرنے والوں کا تانتا بندھا رہا اور ہزاروں عقید تمندوں نے رات بھر جاگ کر اپنے محبوب رہنما کے سوگ میں رات گزاری۔

تجہیز و تدفین کا دلگداز منظر

مولانا کا جسدِ خاکی جب مدراس سے کراچی لایا گیا تو رات بھر ان کا آخری دیدار کرنے والوں کا تانتا بندھا رہا پھر صبح سویرے ہی سے لوگ دُور دراز علاقوں اور ملک بھر کے دوسرے شہروں سے مولانا کی تجہیز و تکفین میں شرکت کیلئے مولانا کی قیام گاہ پر پہنچنا شروع ہو گئے۔ صبح آٹھ بجے جب مولانا کا جنازہ ان کی قیام گاہ سے اُٹھایا گیا تو وہاں موجود لاکھوں کی تعداد میں لوگ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے ہر آنکھ اشکبار تھی اور ہر شخص جنازے کو کاندھا دینے کا خواہش مند تھا اس لئے جنازہ میں لمبے لمبے بانس باندھ دیئے گئے تھے تاکہ زیادہ سے زیادہ افراد جنازے کو کاندھا دے سکیں۔ جنازے کا جلوس بہت آہستہ آہستہ نشتر پارک لے جایا گیا جہاں مولانا عیدین کی نماز پڑھایا کرتے تھے جنازہ تقریباً ایک گھنٹے میں نشتر پارک پہنچا وہاں پہلے سے بہت بڑی تعداد میں لوگ جنازے کے منتظر تھے جنازے کے عظیم الشان جلوس میں راستے سے بھی ہزاروں لوگ شریک ہو گئے تھے۔ جنازے کے جلوس کی وجہ سے ایم اے جناح روڈ کے ٹریفک کا رخ بھی دوسری جانب موڑ دیا گیا، مولانا کے سوگ میں کراچی شہر بند کر دیا گیا اور بڑے بڑے دینی مدارس، تجارتی ادارے اور سرکاری دفاتر میں تعطیل کر دی گئی تاکہ جنازے میں شریک ہو سکیں، نماز جنازہ مولانا مرحوم کے سب سے بڑے صاحبزادے مولانا احترام الحق تھانوی نے پڑھائی جنازے میں لاکھوں عقید تمندوں کے علاوہ جن ممتاز شخصیات نے شرکت کی اُن میں جسٹس ظہور الحق، ظفر احمد انصاری، جی ارانہ، پیار علی الانہ، حسن اے شیخ، ڈاکٹر امیر احمد خان، نوابزادہ نصر اللہ خان،

ائیر مارشل اصغر خان، بوستان علی ہوتی، معراج محمد خان، شیر باز خان مزاری، ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفی، مولانا محمد متین خطیب، مولانا اسفند یار، مولانا آصف قاسمی، سید ہاشم رضا، میر خلیل الرحمن مدیر جنگ، مولانا محمد زکریا، مولانا سلیم الدین شمسی، شوکت صدیقی، قاری شیر افضل، سلامہ عباس حیدر جابدی، ایس ایس جعفری، مولانا عبدالستار ایدھی، مولانا محمد مالک کاندھلویؒ، صاحبزادہ مولانا عبدالرحمن اشرفی، مولانا محمد شریف جالندھریؒ، مولانا مفتی احمد الرحمن مرحوم، حاجی فرید الدین، سرفراز خان، مولانا محمد یوسف لدھیانوی، مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی، مفتی رشید احمد لدھیانوی، مولانا شمس الحق، مولانا اشفاق احمد، عبدالسمیع خان، عمر یوسف ڈیڈا، طارق عظیم، الطاف حسین اور سہیل احمد خانؔ کے علاوہ اعلیٰ سرکاری حکام، فوجی جرنیلوں اور دوسرے سیاسی و سماجی افراد شامل تھے۔ نماز کے بعد جنازہ جامع مسجد جیکب لائنز واپس لایا گیا جہاں تدفین کے انتظامات مکمل تھے، جلوس جنازہ میں کاندھا دینے کی کوشش میں متعدد افراد گرنے سے زخمی ہو گئے۔ نشتر پارک سے جیکب لائنز کی جامع مسجد کے راستے میں ہزاروں عورتیں، مرد اور بچے سڑکوں کے دونوں جانب سوگوار کھڑے تھے، چھتوں سے مولانا کی میت پھولوں کی پتیاں نچھاور کی جارہی تھیں۔ مولانا کی قیام گاہ اور مسجد کے اوپر بھی خواتین بڑی تعداد میں موجود تھیں، جنازہ تقریباً ایک گھنٹے میں مسجد پہنچایا، لوگوں کا ایک سمندر تھا جو شریک جنازہ تھا ہر فرد کی آنکھیں اشکبار تھیں اور زبان پر کلمہ طیبہ باآواز بلند پڑھا جارہا تھا، کیمرہ مینوں اور اخباری نمائندوں کی تعداد کا اندازہ لگانا مشکل تھا، کچھ کیمرہ مین اور اخباری نمائندے شدت جذبات سے مغلوب ہو کر پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے اس منظر نے فضا کو اور بھی رقت آمیز بنا دیا تھا۔ مولانا کے جسدِ خاکی کو جب لحد میں اتارا جانے لگا تو وہاں موجود ہزاروں افراد فرطِ جذبات سے مجبور ہو کر دھاڑیں مار کر رونے لگے اور خواتین و بچوں کی زور زور سے چیخیں نکل رہی تھیں، کلمہ طیبہ باآواز بلند پڑھا جارہا تھا اور ہر آدمی اپنے محبوب رہنما کی جدائی سے نڈھال ہو رہا تھا، مولانا کی تدفین جامع مسجد جیکب لائن کراچی کے صدر دروازے کے دائیں جانب عمل میں آئی۔ حق تعالیٰ شانہ، اُن کی قبر مبارک پر اپنی رحمتیں نازل فرمائیں۔ آمین" (روزنامہ جنگ کراچی)

علمائے اُمت کا خراجِ تحسین

خطیب الامت مولانا احتشام الحق تھانویؒ کے اچانک سانحہ ارتحال پر عالمِ اسلام میں جس قدر ماتم کیا گیا اور علماء صلحاء، ادباء دانشوروں، سیاستدانوں حکمرانوں اور دوسرے زعماء ملت نے جس قدر خراجِ تحسین پیش کیا اسکی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں ہے علماء اور زعماء نے جو تعزیتی پیغامات بیانات، خطوط و تار، ٹیلیفون اور زبانی اظہار تعزیت کیا وہ بیان و قلم کی دسترس سے باہر ہے، ٹی وی اور

ریڈیو نے خصوصی پروگرام نشر کیئے، اردو، انگریزی اخبارات و رسائل نے مولانا کی شخصیت اور ان کی خدمات پر خصوصی مضامین شائع کئے دینی مدارس اور فلاحی اداروں میں تعزیتی جلسے، اجلاس اور تعزیتی قرار دادیں نیز ختم قرآن کریم کی تقریبات منعقد کی گئیں جن کو تحریر میں لانا بہت مشکل کام ہے۔ ذیل میں صرف چند ممتاز علماء ارباب حکومت اور سیاسی زعماء کے مختصر تاثرات درج کیئے جاتے ہیں جن سے مولانا کا مقام اور خدمات کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب قاسمی

مولانا احتشام الحق تھانوی کے سانحہ ارتحال سے دلی صدمہ ہوا ہے وہ پاکستان میں دارالعلوم دیو بند کے عظیم ترجمان کی حیثیت رکھتے تھے وہ ایک حق گو عالم دین اور اسلام کے عظیم مبلغ تھے، دارالعلوم میں ان کے ایصالِ ثواب کیلئے قرآن خوانی کا خصوصی اہتمام کیا گیا اور دُعائے مغفرت کے ساتھ تعزیتی جلسہ بھی منعقد کیا گیا۔

مخدوم العلماء مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی

مولانا احتشام الحق تھانوی کی اچانک وفات سے علمی و دینی حلقے بہت متاثر ہوئے ہیں، پاکستان کا مایہ ناز خطیب اعلیٰ ترین مقرر، قابل فاضل، حق پرست، حق گو، بیباک بلا خوف لومۃ لائم حق بات کہنے والا اور پاکستان کا مخلص ترین خادم ہی نہیں بڑا محسن اُٹھ گیا، اللہ تعالیٰ پاکستان میں اُن کا نعم البدل عطا فرمائیں۔ آمین"

شیخ الحدیث مولانا محمد مالک کاندھلوی

مولانا کی رحلت کی خبر دل پر بجلی بن کر گری ہے ایسے عظیم علماء کی رحلت امارت ساعت میں سے ہے ان کی رحلت سے دُنیائے اسلام ایک بلند پایہ عالم، مایہ ناز خطیب اور بہترین مفسرِ قرآن سے محروم ہو گئی ہے اُن کی وفات سے پیدا ہونے والا خلاء آسانی سے پورا نہیں ہو سکے گا تاریخ اسلام میں مولانا کی عظیم خدمات کو سنہری حروف سے لکھا جائیگا"

مولانا محمد عبد اللہ درخواستی

مولانا تھانوی کی رحلت سے تمام علمی و دینی حلقے یتیم ہو گئے ہیں پاکستان اپنے بے مثل

خطیب سے محروم ہوگیا ہے وہ اسلام کے بہت بڑے مبلغ تھے اُن کی خدمات ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی"

مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی

مولانا مرحوم پوری ملتِ اسلامیہ کا اثاثہ تھے وہ اپنی ذات میں ایک انجمن ایک ادارہ تھے اللہ تعالیٰ درجات بلند فرمائے۔ آمین"

مولانا غلام اللہ خان مرحوم

مولانا تھانوی کی وفات سے جو خلاء پیدا ہوا ہے وہ پورا نہیں ہوسکتا انھوں نے اس گئے گزرے دور میں حق و صداقت کی مشعل روشن کر رکھی تھی"

مولانا سید عبدالقادر آزاد

۔ مولانا تھانوی کی دینی و علمی خدمات ناقابل فراموش ہیں وہ بین الاقوامی شہرت رکھتے تھے اُن کے پائے کا خطیب اس وقت عالم اسلام میں ناپید ہے"

۰ مولانا عبید اللہ امرتسری مہتمم جامعہ اشرفیہ، لاہور

مولانا کی وفات پوری دنیا کیلئے ناقابل تلافی نقصان ہے مولانا نے جس قدر اسلام کی خدمت کی ہیں وہ کسی بھی پڑھے لکھے شخص سے مخفی نہیں ہیں ان کی۔ "اور ملی خدمات بھی ہر پاکستانی کیلئے قابلِ تقلید ہیں، مولانا نے تحریک پاکستان میں جو کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں وہ رہتی دنیا تک یاد رکھے جائیں گے مولانا مرحوم اکابر علماء دیوبند کی عظیم نشانی اور اسلاف کا عین نمونہ تھے اللہ تعالیٰ درجاتِ عالیہ نصیب فرمائیں"

مولانا مفتی احمد الرحمٰن مہتمم جامعہ اسلامیہ بنوری کراچی

مولانا تھانوی کا سانحہ ارتحال عالم اسلام کا عظیم حادثہ ہے وہ ملک و ملت کے عظیم سرمایہ تھے اور حقیقت یہ ہے کہ مولانا کے انتقال سے ملک ایک ممتاز عالم دین اور منفرد صفات کی حامل شخصیت سے محروم ہوگیا ہے"

مولانا عبدالستار خان نیازی

مولانا کی وفات عالم اسلام کا عظیم سانحہ ہے انھوں نے اپنی زندگی اسلام کیلئے وقف کر رکھی تھی"

علامہ سید محمد رضی مجتہد

مولانا تھانوی کی وفات تمام عالم اسلام کیلئے ایک بڑا ناقابل تلافی نقصان ہے انھوں نے پوری زندگی ملتِ اسلامیہ کی ترقی و بہبود میں صرف کی تھی ان کا نام رہتی دنیاتک عوام علم و دانش کے دلوں میں زندہ و جاوید رہے گا"

مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری گجرات

مولانا تھانوی کی اچانک رحلت سے بے حد رنج و قلق ہوا وہ ایک ہمہ گیر شخصیت کے حامل تھے پاکستان کی تاریخ میں مولانا کا مجاہدانہ کردار ہمیشہ یاد رہے گا"

مولانا ارشاد الحق تھانوی

مولانا تھانوی مرحوم پاکستان اور پورے عالم اسلام کے ایک عظیم خطیب تھے ان کے پایہ کا خطیب اب مشکل سے ہی پیدا ہوگا ان کا بے باکانہ طرز خطابت اور اعلائے کلمۃ الحق ہم سب کیلئے قابلِ تقلید مثال ہے اُن کی تقاریر اور تصانیف ہمیشہ اُن کی یاد دلاتی رہیں گی"۔

مولانا مفتی محمود سابق وزیر اعلیٰ سرحد

مولانا کی اچانک وفات سے بڑا صدمہ ہوا ہے اُن کی دینی و علمی خدمات مسلم ہیں وہ پاکستان میں مسلکِ دیوبند کے عظیم داعی و ترجمان تھے اور ہمیشہ حق گوئی و بیباکی کا اظہار کرتے رہے، اللہ تعالیٰ اُن کی مغفرت فرمائیں اور پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائیں۔

مولانا سید ابو معاویہ ابوذر بخاری

مولانا کی وفات سے اتنا عظیم صدمہ ہوا ہے جو بیان سے باہر ہے وہ علماء کی صف میں بلند مقام پر فائز تھے انھوں نے ہمیشہ دین کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام دیا، بائیس نکات کا دستور تو ان کا عظیم کارنامہ ہے جو ہمیشہ یاد رکھا جائیگا۔

مولانا غلام غوث ہزاروی

مجھے مولانا کی وفات سے گہرا رنج و غم ہوا ہے ان کی وفات سے عالم اسلام کو نقصان پہنچا ہے وہ علماء دیوبند کے قافلہ حق کے سالار اور نڈر مجاہد تھے اور اکابر دیوبند کے مسلک پر سختی سے پابند تھے دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہ یار اور جامع مسجد جیکب لائن مولانا کی عظیم یادگاریں ہیں" ۔

علامہ جسٹس محمد تقی عثمانی

مولانا کی وفات سے پورے ایک عہد کا خاتمہ ہوگیا ہے پوری ایک بساط تہہ ہوگئی ہے اور سیاست کا ایک منفرد مکتب فکر بند ہوگیا ہے اللہ تعالیٰ بال بال مغفرت فرمائے۔ آمین"

مولانا سمیع الحق سینٹر

مولانا کی وفات سے پوری دنیائے اسلام کو عظیم نقصان ہوا ہے دارالعلوم ٹنڈوالہ یار اور جامعہ جیکب لائن اُن کے قابلِ قدر کارنامے ہیں، انھوں نے ساری زندگی اسلام کی خدمات سرانجام دیں"

زعمائے ملت کا خراجِ تحسین
صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق

مولانا تھانوی مرحوم ایک مشہور عالم دین اور ایک ممتاز رہنما تھے اُنھوں نے اپنی زندگی اللہ تعالیٰ کے ابدی پیغام کی تشریح و تبلیغ کیلئے وقف کر رکھی تھی یہاں تک کہ ہندوستان کیلئے ان کا یہ آخری سفر بھی اسلام کی تبلیغ کی خاطر تھا، مجھے اُن کی وفات سے دلی صدمہ پہنچا ہے اللہ تعالیٰ مولانا کو

ابدی سکون بخشے۔ آمین

چیف مارشل انور شمیم

مجھے مولانا کی وفات سے سخت صدمہ ہوا ہے وہ پورے عالم اسلام کے عظیم مذہبی اسکالر تھے اُن کی دینی و ملی خدمات کو عرصہ دراز تک یاد رکھا جائے گا۔

لفٹیننٹ جنرل ایس ایم عباسی

مولانا کی وفات سے مجھے بے حد دکھ پہنچا ہے انھوں نے اسلام کیلئے اور برصغیر کے مسلمانوں کی جنگ آزادی میں جو قابل قدر خدمات انجام دیں وہ ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی"

جسٹس محمد افضل چیمہ

مولانا مرحوم ایک ممتاز عالم دین، مایہ ناز خطیب محقق، فقیہ مفسر اور عظیم سیاستدان تھے وہ پوری دنیا میں بلند مقام رکھتے تھے اُن کی دینی علمی تبلیغی اور سیاسی خدمات کو ہمیشہ یاد رکھا جائیگا۔

جناب محمود اے ہارون گورنر سندھ

مولانا تھانوی مرحوم ایک ممتاز مذہبی رہنما اور اسکالر تھے انھوں نے علوم دینیہ اور اسلام کیلئے گرانقدر خدمات انجام دیں اللہ تعالیٰ اپنے جوارِ رحمت جگہ دے۔ آمین۔

وفاقی وزیر مملکت محمود علی

مولانا تھانوی مرحوم تحریک پاکستان کے عظیم مجاہد تھے ان کی خدمات کو تاریخ کے صفحات میں سنہرے حروف سے لکھا جائیگا"

نوابزادہ نصراللہ خان

مولانا کی رحلت سے دلی صدمہ ہوا ہے ہم ان سے دینی و ملی معاملات میں رہنمائی حاصل کیا کرتے تھے وہ عالم اسلام کے عظیم اسکالر تھے اُن کا علم و فضل مسلم تھا اللہ تعالیٰ درجات عالیہ نصیب

فرماتے۔ آمین۔

برگیڈیر محمد حیات خان صدر آزاد کشمیر

مولانا کے انتقال سے بڑا صدمہ ہوا ہے وہ ملتِ اسلامیہ کے عظیم رہنما تھے وہ ساری زندگی اسلام کی خدمت میں معروف رہے۔

ریٹائر ائیر مارشل اصغر خان

مولانا تھانوی کی وفات عالم اسلام کا عظیم حادثہ ہے اُن کی خدمات تاریخ میں سنہری حروف سے رقم ہوں گی"

جناب میاں طفیل محمد امیر جماعت اسلامی

مولانا کی وفات سے عالم اسلام اپنے عظیم مذہبی رہنما سے محروم ہوگیا ہے اللہ تعالیٰ جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائیں۔ آمین

قومی صحافت کا خراجِ تحسین

روزنامہ جنگ کراچی

اپنے تعزیتی ادارے میں لکھتا ہے کہ۔ "پاکستان کے مقتدر عالم دین اور مایہ ناز خطیب حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی حرکتِ قلب بند ہوجانے سے بھارت کے شہر مدراس میں رحلت فرماگئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ مولانا مرحوم اپنے تبلیغی دورہ پر ہندوستان گئے ہوئے تھے پھر ایک سیرت کانفرنس میں شرکت کے غرض سے جنوبی ہند کے مشہور شہر مدراس گئے جہاں ۱۱ اپریل بروز جمعہ کی صبح درسِ قرآن کے بعد ان کا سانحہ ارتحال پیش آیا رحلت کے وقت اُن کی عمر ۶۵ برس تھی اور وہ قابل رشک جسمانی صحت کے حامل تھے مگر مشیت ایزدی میں کس کو داخل ہے وہ ملک کے مایہ ناز خطیب ہونے کے ساتھ قاری قرآن تھے ان کی تلاوت کلام پاک میں بے انتہا چاشنی اور حلاوت تھی۔ اندازِ خطابت میں اپنی نظر آپ تھے وہ مرکزی جمعیت علماء اسلام کے قائد بھی تھے۔ تحریک پاکستان میں نمایاں خدمات انجام دیں، ۲۲ نکاتی دستور اُن کا ناقابلِ فراموش کارنامہ ہے۔ دارالعلوم

الاسلامیہ ٹنڈوالہ یار اور جامع مسجد جیکب لائن اُن کی عظیم یادگاریں ہیں وہ مفسرِ قرآن بھی تھے اُن کی تفسیر روزنامہ جنگ میں بالاقساط شائع ہوتی رہی ہے، مولانا نے زندگی کو ہمیشہ ایک عطیہ رخداوندی سمجھا اور اپنی زندگی کے آخری لمحوں تک اسلام اور بانی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کا حق ادا کرتے رہے اُن کی وفات سے ملک کے دینی اور مذہبی حلقوں میں ایک بڑا خلاء پیدا ہوگیا ہے جسے عرصہ تک پُر نہیں کیا جاسکے گا۔ اللہ تعالیٰ مولانا کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے۔ آمین (جنگ ۱۲ اپریل ۸۰ء)

روزنامہ حریت کراچی

اپنے ادارتی کالموں میں لکھتا ہے:۔

"مولانا تھانوی مقتدر ممتاز عالم دین تھے براعظم افریقہ میں اسلام کی تبلیغ کے سلسلہ میں مولانا مرحوم نے بڑا عظیم کارنامہ سرانجام دیا، جمعیت علماء اسلام کی تنظیم میں نمایاں حصہ لیا وہ ایک حق گو اور بیباک عالم دین تھے رویت ہلال کے شرعی مسئلہ میں انھوں نے بڑی جرات سے کام لیا اور قید و بند سے بھی نہ گھبرائے، دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہ یار کے قیام میں بڑی سرگرمی سے حصہ لیا۔ وہ ایک بے بدل خطیب تھے اور اُن کا اپنا ایک منفرد مقام تھا جو اُن کے ساتھ ہی ختم ہوگیا تلاوتِ قرآن شروع کرتے تو پتھر دل بھی موم ہوجاتے، وہ سیرت کے موضوع پر تقریر کرتے تو بیساختہ مصرع زبان پر آتا ہے کہ،

بلبل چہک رہا ہے ریاضِ رسولؐ میں

الغرض اُن کی دینی علمی خدمات ہمیشہ یاد رہیں گی"۔ (حریت ۱۳ اپریل ۸۰ء)

روزنامہ نوائے وقت لاہور

اپنے تعزیتی نوٹ میں تحریر کرتا ہے کہ:۔

"پاکستان ایک ممتاز عالم دین تحریک پاکستان کے عظیم مجاہد سے محروم ہوگیا ہے انھوں نے تحریک پاکستان میں قابلِ قدر خدمات سرانجام دیں اور پوری زندگی اسلام کی تبلیغ میں مصروف رہے، عرصہ تک ریڈیو پاکستان سے اُن کا درسِ قرآن نشر ہوتا رہا وہ ایک عظیم دینی درسگاہ کے بانی و مہتمم بھی تھے اور جمعیت علماء اسلام کے قائد بھی۔ ایک عظیم خطیب بھی تھے اور مفسرِ قرآن بھی، وہ ایک بھرپور شخصیت کے مالک تھے، مدت تک ان کی خطابت شیریں بیانی نکتہ آفرینی اور اُن کی خدمات کو

یاد رکھا جائے گا حق تعالیٰ اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔ آمین (۱۳ اپریل ۸۰ء)

روزنامہ مشرق لاہور

ممتاز عالم دین کی رحلت کے عنوان لکھتا ہے کہ"

" مولانا تھانویؒ اعلیٰ پائے کے مفسر، خطیب خوش بیان اور قاری خوش الحان تھے، تحریک پاکستان، تحریک ختم نبوت، دینی مدرسوں کے قیام اور نظام اسلام کی جدوجہد اور رویت ہلال کی شرعی حیثیت منوانے کے سلسلے میں جو کارنامے مولانا تھانوی مرحوم نے انجام دیئے ہیں وہ تاریخ اسلام میں زریں حروف سے تحریر ہونگے۔ سیاست میں وہ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی کے معتمد خاص تھے اُن کی تبلیغی خدمات کو زمانہ کبھی نہیں بھلا سکے گا"۔ (مشرق ۱۲ اپریل ۸۰ء)

روزنامہ امروز لاہور

اپنے اداریہ میں لکھتا ہے کہ"

" جنوبی ایشیا کے ممتاز عالم دین اور تحریک پاکستان کے مقتدر رہنما مولانا احتشام الحق تھانویؒ کا انتقال پُرملال ان کے اعزہ و اقارب کے ساتھ برصغیر کے دینی اور علمی حلقوں کیلئے بھی بہت بڑا صدمہ ہے تحریک پاکستان میں مولانا تھانوی مرحوم نے شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی اور مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کے شانہ بشانہ کام کیا صوبہ سرحد کے ریفرنڈم میں بھرپور حصہ لیا۔ اسلامی نظام کے قیام کیلئے آخر وقت تک کوشاں رہے، مولانا اپنے علم و فضل اور حسن تدبر اور حسنِ نفاست میں اپنی مثال آپ تھے، مولانا کی وفات سے پاکستان اپنے ایک معزز و محترم کارکن سے محروم ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ درجات بلند فرمائے اور پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔ (امروز ۱۲ اپریل ۸۰ء)

روزنامہ جسارت کراچی

اپنے اداریہ میں رقمطراز ہے کہ:۔

" مولانا تھانوی مرحوم نے ملک میں علم دین کی اشاعت اور دینی مدرسوں کے قیام میں مقدور بھر اپنا کردار ادا کیا ٹنڈو الہ یار کے دارالعلوم کے بانی و مہتمم تھے، تبلیغ اسلام کیلئے انھوں نے دنیا بھر کا سفر کیا یہاں تک کہ اُن کا آخری سفر بھی اسلام کی تبلیغ کیلئے تھا۔ وہ ایک بہت بڑے خطیب و

واعظ تھے۔ مفسرِ قرآن بھی تھے اُن کا درسِ قرآن ریڈیو پاکستان سے نشر ہوتا رہا اور روزنامہ جنگ میں اُن کی تفسیر بالاقساط شائع ہوتی رہی، وہ خوش الحان قاری بھی تھے تلاوتِ قرآن میں ایک منفرد مقام تھا۔ اسلامی نظام کیلئے وہ حکومتوں سے بھی الجھتے رہے اور قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں۔ اُن کا حلقہ احباب بہت وسیع تھا اللہ اُن کے درجات بلند فرمائے۔ (جسارت ۱۳ اپریل ۸۰ء)

روزنامہ وفاق لاہور

اپنے تعزیتی اداریے میں تحریر کرتا ہے کہ"

"مولانا تھانوی ایک سربرآوردہ شخصیت کے حامل عالم دین تھے انھوں نے اسلام کی سربلندی اور وطنِ عزیز کی سالمیت کیلئے بڑی خدمات انجام دیں جب سوشلزم کا فتنہ اُبھرا تو مولانا نے شبانہ روز اسکے سدباب کیلئے جدوجہد کی انتھک محنت سے کام کیا۔ خطابت میں اُن کا انداز نرالا تھا اور حسنِ قرات میں کمال تھا۔ اُن کی دینی علمی اور ملی خدمات کو کبھی فراموش نہیں کیا جائیگا۔ اللہ تعالیٰ اُن کی خدمات کو شرف قبولیت بخشے اور اسکا اجر عظیم عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند کرے۔ آمین (۱۲ اپریل)

روزنامہ امن کراچی

اپنے مفصل اداریے میں لکھتا ہے کہ:۔

"مولانا تھانوی پاکستان کی اور اہلِ وطن کی آبرو تھے عوام و خواص اُن کی خوش خلقی جرأت و بیباکی، دلپذیر شخصیت، اور علمی تجربہ کی وجہ سے ان پر جان دیتے تھے وہ حق بات کہنے سے کبھی باز نہ آتے تھے انھوں نے آزادی کی جنگ لڑی اور پاکستان میں آکر اسلامی نظام کیلئے کوشاں رہے ہمیشہ حق کا اظہار کیا جسکے پاداش میں پابند سلاسل بھی ہوئے وہ ایک عالم باعمل تھے ہمیشہ اسلامی تعلیمات کی تلقین کرتے رہے، آج وہ ہم میں نہیں مگر اُن کی خدمات ہمیشہ یاد رہیں گی اُن کی شیریں آواز ہمیشہ کانوں میں گونجتی رہے گی۔ خدا ان کی لحدیہ جشم افشانی کرے۔ ادارہ امن اُن کے لواحقین کے غم میں برابر کا شریک ہے" (امن ۱۳ اپریل)

روزنامہ آفتاب ملتان

اپنے ادارتی کالموں میں لکھتا ہے:۔

"مولانا تھانوی مرحوم نہ صرف برصغیر پاک و ہند بلکہ دنیا بھر کے مسلم ممالک میں اپنے علمی اور دینی مرتبے میں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے انھوں نے پاکستان کے علاوہ دنیا کے دیگر ممالک بالخصوص یورپی اور افریقی ممالک میں دین اسلام کی تبلیغ اشاعت کیلئے جو انتھک جدوجہد کی اور جو نمایاں خدمات انجام دیں مورخ انھیں سنہری حروف سے رقم کرے گا بالخصوص تحریک پاکستان میں اُن کی خدمات اور تحریک نظام مصطفےٰ میں انھوں نے جو گرانقدر خدمات انجام دیں وہ ناقابل فراموش ہیں اللہ تعالیٰ اُن کی بال بال مغفرت فرمائے۔ (آفتاب ۱۴ اپریل ۸۰ء)

ہفت روزہ اخبار جہاں

موت العالم موت العالم" زیر عنوان لکھتا ہے:۔

"مولانا کی رحلت سے پاکستان اور دنیا کے دوسرے ممالک کے مسلمان تبلیغ دین کے ایک نامور مجاہد سے محروم ہوگئے ہیں۔ انھوں نے اپنی پوری زندگی دین کی تبلیغ میں گزار دی آج وہ ہمارے درمیان موجود نہیں ہیں لیکن ان کی دینی خدمات کے مراکز موجود ہیں، دارالعلوم ٹنڈوالیار اور جامع مسجد جیکب لائن کراچی اُن کی عظیم یادگار ہیں اللہ تعالیٰ اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے۔ آمین" (۱۴ اپریل ۸۰ء)

ہفت روزہ زندگی لاہور

آہ مولانا تھانوی مرحوم کے عنوان سے رقمطراز ہے کہ:۔

"مولانا تھانوی مرحوم کی رحلت سے عالم اسلام سوگوار ہے وہ اسلام کے عظیم مجاہد مبلغ اور خطیب تھے مولانا نے اپنی پوری زندگی دین کیلئے جدوجہد میں گزار دی۔ اُن کی گرانقدر خدمات کو ہمیشہ یاد رکھا جائیگا" (زندگی ۱۸ اپریل ۸۰ء)

ماہنامہ البلاغ کراچی

علامہ محمد تقی عثمانی فرماتے ہیں کہ:۔

"ملک کے ممتاز عالم دین اور مایہ ناز خطیب حضرت احتشام الحق تھانویؒ بھی رحلت فرماگئے، مولانا کی شخصیت بڑی باغ و بہار شگفتہ اور دلکش تھی پاکستان میں انھوں نے جو دینی خدمات

انجام دیں اور ملک کی سیاسی تاریخ پر جو اثرات مرتب کئے ان سے مولانا کے سیاسی مخالفین کو بھی انکار نہیں ہو سکتا اُن کی وفات سے پورے ایک عہد کا خاتمہ ہو گیا پوری ایک بساط تہہ ہو گئی اور سیاست کا ایک منفرد مکتب فکر بند ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ مولانا کو مقاماتِ عالیہ سے نوازے۔ آمین (ابلاغ مئی ۸۰ء)

ماہنامہ بینات کراچی

مولانا محمد یوسف لدھیانوی فرماتے ہیں کہ:۔

"حق تعالیٰ شانہ نے مولانا تھانوی مرحوم کو بہت سی خوبیوں سے نوازا تھا جن میں ممتاز تھے وہ خطیب بے بدل تھے ان کا طرز بیان لب و لہجہ اور اندازِ تکلم بڑوں کیلئے قابلِ صد رشک تھا۔ قرآن کریم کی تلاوت وجد آفرین تھی اُن کی مترنم آواز کانوں میں رس گھولتی تھی۔ سالہا سال ریڈیو پاکستان سے ان کا درس قرآن ہزارہا لوگ بڑے ذوق و شوق سے سنتے رہے اور اُن کے جمعہ کیلئے دُور دُور سے لوگ جامع جیکب لائن پہنچتے تھے، تحریک پاکستان میں مولانا نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور قیام پاکستان کے بعد علامہ عثمانیؒ کے شریک کار رہے اور آخر وقت تک اسلام کی خدمت میں معروف رہے اللہ تعالیٰ ان کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین (بینات مئی ۸۰ء)

ماہنامہ صدائے اسلام پشاور

مولانا محمد یوسف قریشی تحریر کرتے ہیں کہ:۔

"پاکستان کے مقتدر عالم دین خطیب اسلام مولانا احتشام الحق تھانویؒ رحلت فرما گئے۔ انا للہ۔ میں حضرت علامہ افغانی کے پاس ترنگ زی چارسدہ میں ان کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا تو حضرت افغانی نے یہ روح فرسا خبر سنائی، ساری مجلس پر عجیب کیفیت طاری ہو گئی ہر زبان سے یہ الفاظ نکلے کہ مولانا عظیم شخصیت کے مالک تھے بڑے نڈر و شجاع تھے پاکستان بلکہ عالم اسلام ایک انتہائی مقتدر شخصیت سے محروم ہو گیا۔ اس قحط الرجال کے دور میں ایسے عظیم لوگوں کا اُٹھ جانا بڑی قیامت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم پر رحم فرمائیں"۔ (صدائے اسلام جون ۸۰ء)

ماہنامہ الرشید لاہور

جناب عبدالرشید ارشد لکھتے ہیں کہ"

پوری ملت اسلامیہ اپنے ایک عظیم مذہبی رہنما اور شہرآفاق خطیب سے محروم ہو گئی ہے
مولانا مرحوم تحریک پاکستان کے صفِ اول کے رہنماؤں میں تھے حق گوار بلند پایہ خطیب کی حیثیت سے مولانا نے باطل قوتوں کا آخر دم تک مقابلہ کیا مولانا اپنے علم و فضل میں مسلمہ حیثیت رکھتے تھے۔ اُن کی وفات سے ایک علمی خلا پیدا ہو گیا ہے جو عرصہ دراز تک پُر نہیں ہو سکے گا ادارہ الرشید اور جامعہ رشیدیہ اس عظیم سانحہ میں ملتِ اسلامیہ کا برابر شریک ہے اللہ تعالیٰ مولانا تھانوی مرحوم کو درجات عالیہ نصیب فرمائے" (الرشید مئی ۸۰ء)

ہفت روزہ لولاک فیصل آباد

مولانا تاج محمود صاحب لکھتے ہیں کہ:۔

"برصغیر کے مایہ ناز خطیب ممتاز عالم دین حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحلت فرما گئے۔ انا للہ۔ مولانا سیرت النبیؐ کے جلسے میں بھارت گئے ہوئے تھے کہ حرکتِ قلب بند ہو جانے سے اللہ کو پیارے ہو گئے وہ بہت سی خوبیوں کے مالک تھے اُن کا سب سے بڑا وصف حق گوئی تھا حق کے اظہار میں اُنھوں نے کبھی مصلحت سے کام نہیں لیا وہ اپنے مسلک پر سختی سے پابند تھے تحریک پاکستان اور تحریک نظام اسلام میں اُن کی گرانقدر خدمات ہمیشہ یاد رہیں گی۔ ۲۲ نکات پر مشتمل دستور اُن کا عظیم کارنامہ ہے اللہ تعالیٰ اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔ آمین (لولاک فیصل آباد)

منظوم خراجِ عقیدت

آہ! مولانا احتشام الحق تھانوی رحؒ

(از مشرف علی تھانوی عارف، لاہور)

وہ رُوحِ انجمن فخرِ چمن معمارِ میخانہ۔ کہاں سے لائیں گے اہلِ وطن اب ایسا مستانہ
قلم سنگین نگاہ حق شناس و نکتہ اس فطرت۔ بیان دلگداز و جراتِ بیباک مردانہ
غریقِ عشق حق و مست جام بادہ سنت۔ وہ سرشارِ مئے عرفان و فخر بزم رندانہ
مجسم شاہکارِ سنتِ اسلاف روحانی۔ وہ ہر دم اوج تحرک و احتشامِ حق کا دیوانہ
وہ تاریخ مجسم صیفۂ اسرارِ پاکستان۔ کتاب انقلاب و داستانِ غم کا افسانہ
وہ دانائے سیاست واقف قانونِ قدرت بھی۔ وہ جس کے سامنے تھا طفل ہر دانا و فرزانہ
سراپا نسبتِ تھانہ بھون بن کر وہ اُبھرا تھا۔ کہ جس نسبت پہ قربان سو بہار نور دکیرانہ
حسین صورت حسین سیرت لباس و منع پاکیزہ۔ نزاکت منہتی جس پر نفاست جس کا پیمانہ
وہ شمع جس پر ہر جانب سے پروانے برستے تھے۔ چلی جاتی ہے اب کس شمع پر خود بن کے پروانہ
مباز کرتا رہا جو عمر بھر تاریخ ملت کو۔ زمانہ عمر بھر دہرائیگا اب اسکا افسانہ
یہ ہے ذوق اجل دائے تحمل کیا گلہ کیجئے۔ چُنا ہے انتخاب نظر نے اِک جوہرِ دانہ
زہے گور و کفن وہ جس میں اب یہ گُل ودیعت ہے۔ وجیہہ و خرم و رخشندہ رو کا کا گل پریشانہ
کفن قسمت پہ نازاں ہے کہ ایسا گُل عذار آیا۔ لحد سرمست ہے جس کو ملا ہے ایسا مستانہ
تصور ہی سے رحلت کے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ کے روتے ہیں عارف آج مل کر خویش و بیگانہ
صدا ہاتف کی آتی ہے تحمل کیجئے عارف۔ زمانے بھر سے کہہ دیجئے یہ پیغام فقیہانہ

کہیں مدت میں ساقی، بھیجتا ہے ایسا مستانہ
بدل دیتا ہے جو بگڑا ہوا دستور میخانہ

آہ مولانا تھانویؒ

(از شوق عرفانی فیصل آباد)

موت العالِم موت العالم بالیقیں
احتشام الحق چل بسے خلدِ بریں
متقی درویش عالم باعمل
دیدہ ور فرخندہ لب روشن جبیں

مرد مومن عارف و رجل رشید
تھے غلامِ سرورؐ دنیا و دین
محتشم قرآن کی تفسیر میں
منفرد لہجہ بہ اندازِ حسیں

محتسب ناقد مجاہد مجتہد
ان سے برگشتہ رہے مسند نشیں
وہ اچانک چل بسے مدراس میں
جو یہاں ملت کے دل میں تھے مکیں

صدمہ جانکاہ ہے اُن کی وفات
جاں طلب ہے مضطرب قلب حزیں
تھے سیاست میں بھی آپ اپنی مثال
احترام الحق ہیں ان کے جانشیں

واقعی تھے شوق وہ بطلِ جلیل
اب یہاں ان سا کوئی عالم نہیں

مولانا تھانویؒ کا سانحہ ارتحال

(از سید علی نظامی کراچی)

موت عالِم موت عالَم کا یہ اب عقدہ کھلا
حیف صد حیف احتشام الحق ہوئے ہم سے جُدا

کون جس کی زیست تھی پروانۂ شمع علوم
کون جو تھا صاحب جرات حقیقت آشنا
کون راہ حق میں تھا منبع علم و عمل
کون تھا جو صاحب اسرار دین مصطفےٰ
کون جس نے اک ہجوم اشکبار چھوڑ کر
دفعتاً جو ہوگیا راہی دارالبقار
کون جس کے کارنامے یادگارِ دہر ہیں
جو رہیں گے بعد اس کے حق نشان و راہنما
کون جس کی قوم نے قدر شائستہ نہ کی
سرمۂ اہل بصیرت جس کی خاکِ نقشِ پا
کون جس نے جراتِ اخلاق کا رکھا بھرم
جس نے باطل کو سدا باطل تو حق کو حق کہا
کون جو تھا صاحب تفسیرِ قرآن کریم
زندگی جس کی تھی اک شرح حدیث مصطفےٰ
کون وہ جس نے کہا جو کچھ کہ اس کے دل میں تھا
وہ کیا جس میں کہ دیکھا ملک و ملت کا بھلا
یادگار اس کی ہمیں لازم ہے یوں قائم کریں
قوم ہو آئینہ اسکی فکر و تصنیفات کا
اے نظامی ایسی یکتائے زمانہ شخصیت
ہوگئی ہے ہم سے رخصت حسرتا و حسرتا

حضرت مولانا تھانوی مرحوم

(ایم عباس منیر)

عُمر بھر قرآن کا پیغام پھیلاتا رہا۔ ہر گھڑی اسلام کی تبلیغ فرماتا رہا
گوشہ زنداں میں کیا دارورسن کے ساز پر۔ داستانِ جرات اسلاف دُہراتا رہا
حق کی خاطر وہ رہا سینہ سپر ہر حال میں۔ فلسفہ اسلام کا تازیست سمجھاتا رہا
ختم المرسلین کے دین کی لے کر ضیا۔ اپنے علم و فضل کے انوار برساتا رہا
ترجمان شاہ اشرفؒ اور نائب شبیرؒ تھا۔ آفتاب علم دین دنیا کو چمکاتا رہا

تھا صداقت اور حق گوئی منیت نیر سدا
حق بیاں کرتا رہا باطل کو ٹھکراتا رہا

گلہائے عقیدت

۔۔۔۔بحضور مولانا تھانویؒ۔۔۔۔از قاری لطیف عثمانی

اے خطیب ملک اے ملت کے سحبانِ کبیر
محسنِ رازیؒ و غزالیؒ زینتِ ابنِ کثیر
اے مجاہد اے زعیم قوم دانائے عظیم
زیب دیتا ہے اگر تجھ کو کہیں فخر کلیم
تو صلاح و خیر کی اقلیم کا تھا تاجدار
شوکت تقویٰ تھا تیری ہر ادا سے آشکار
گلشنِ ہستی میں تھا تو بے شک کامران
عالمانِ دین میں تھا تو ذی عزوشان
یادگارِ سلف تھا مشہورِ زمن عالی و ماغ
جل رہے ہیں آج بھی تیرے علم کے روشن چراغ
تیرے سینے میں نہاں تھا عشق ختم المرسلینؐ
تیرے چہرے سے عیاں تھا جذبہء صدق و یقین
قریہ قریہ جاکے تو تبلیغ دین کرتا رہا
عُمر بھر سینے میں دینِ حق کا دم بھرتا رہا
نورِ ایمانی سے دل تیرا سدا روشن رہا
جب تلک زندہ رہا تیرا یہی شیوہ رہا
تیرے زریں کارناموں کی ہے شاہد کائنات
خدمتِ دین نبیؐ میں تیری گزری ہے حیات
راہِ حق میں اہلِ باطل کے ستم سہتا رہا
کوہِ استقلال بن کر بات حق کہتا رہا
دین و ملت کا بلا شک تھا حقیقی پاسباں
تاابد اُنچا رہے گا تیری عظمت کا نشاں
سُرخرو ہو کر ہُوا تو راہیٔ ملکِ عدم
تجھ پہ ہر لمحہ رہا حق تعالیٰ کا کرم
تو نے رکھا پرچم اسلاف دنیا میں بلند
تجھ پہ نازاں کیوں نہ ہو دارالعلوم دیوبند

آہ مولانا تھانویؒ (رباعیات)

(از رضا میر)

آج حضرتِ احتشام الحق نے رحلت پائی ہے
راہِ حق میں جان دی بے مثل عزت پائی ہے
عُمر اُن کی دین کی خدمت میں گزری اے رضا
رشک ہوتا ہے ملائک کو وہ عظمت پائی ہے

بیاد حضرت تھانویؒ

(از رئیس امروہی)

ملک و ملت کی توانائی رئیس
ان کے عزم کامل و مطلق سے تھی
اہلِ حق اب تک ہیں اس کے معترف
حشمتِ حق احتشام الحق سے تھی

بیادِ خطیبِ اعظمؒ

(از سید عبدالمنان شاہ)

خطیبِ دلنواز و دلستاں تھا عجب اِک واعظ جادو بیاں تھا
سراپا احتشام الحق والدین سراسر عظمتِ اسلامیاں تھا
وہ مردِ پاکباز و پاک طینت تقدس اس کے چہرہ سے عیاں تھا
خلوص و صبر کا مہر درخشاں وفا کا ایک گنجِ شائیگاں تھا
وہ تھا اک چشمہء شیریں کی مانند کہ خوش اخلاق تھا شیریں زباں تھا
عیاں تھے اس پہ اسرارِ طریقت بزرگانِ سلف کا رازداں تھا
معطر تھی فضائے ذہن و ادراک عجب انداز میں وہ گل فشاں تھا
خطابت تھی کہ موتی رولتا تھا وہ انساں تھا کہ بحرِ بیکراں تھا
تلاوت اس کی تھی وجد آفریں کیا نزولِ وحی کا گویا سماں تھا
وہ حمدِ رب و مدحِ مصطفٰے میں بہ اندازِ حسین رطب اللساں تھا
وقار و تمکنت کا پیکرِ خوش ثبات و عزم کا کوہِ گراں تھا
وہ تھا مینارہ رشد و ہدایت وہ اخلاص و صداقت کا نشاں تھا
حق و باطل کے ہر اک معرکہ میں وہ حق کے واسطے سینہ سپر تھا
خس و خاشاکِ باطل کیلئے وہ سراسر شعلہ و برق و شرر تھا
اُسی کی سمت اُٹھتی تھیں نگاہیں وہی اِس ملک میں ایک دیدہ ور تھا
کہاں سے لائیں گے اب اس کا ثانی وہ اک عجوبہ علم و ہنر تھا
اچانک دے گیا داغِ جُدائی قضائے قدس اس کو راس آئی
بھری محفل سے یوں چُپ چاپ اُٹھا نہ جانے اس کے دل میں کیا سمائی
اب اس کے بعد یہ حالت ہے جیسے کہ کشتی دل کی زیرِ آب آئی

قطعۂ تاریخ وفات

(از رئیس امروہوی)

جنابِ احتشام الحق کی رحلت
کلیجہ کیوں نہ ہوا اس رنج سے شق
ہے مرگِ عالمِ حق مرگِ عالَم
اگرچہ موت ہے ہم سب کو برحق
وہ بے شک جامع علم و عمل تھے
رئیس اس میں نہیں ہے شبہ مطلق
یہی تاریخ بھی تحقیق بھی ہے
متاعِ احتشام الحق فقط حق

۱۴۰۰ء

تاریخہائے وفات

(مفتی جمیل احمد تھانوی)

کریم النفس	مولانا احتشام الحق	تھانوی
۴۹۱	۱۲۸ ۸۸۹	۴۷۲

۱۹۸۰ء

دیگر۔

آہ	مولانا	احتشام الحق	بمرا قابل ۱
۶۰	۱۲۸	۸۸۹	۳۷۷

۱۴۰۰ھ